اِقتصادیاتِ اِسلام

(تشکیل جدید)

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 042-111-140-140

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 042-7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَولَای صَلِّ وَسَلِّم دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیبِکَ خَیرِ الخَلقِ کُلِّهِمِ

وَلَا التَمَسُتُ غِنَی الدَّارَینِ مِن یَّدِہٖ

اِلَّا استَلَمتُ النَّدٰی مِن خَیرِ مُستَلَمِ

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱-۴/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل و ایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔۱/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں و کشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

نام کتاب	:	اِقتصادیاتِ اِسلام (تشکیل جدید)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر کرامت اللہ
معاوِن	:	حسنین عباس
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت پریمئر کاغذ	:	380/- روپے

❂ ❂ ❂

fmri@research.com.pk

نام کتاب	:	اِقتصادیاتِ اِسلام (تشکیل جدید)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
تحقیق و تدوین	:	ڈاکٹر کرامت اللہ
معاوِن	:	حسنین عباس
زیرِ اِہتمام	:	فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعتِ اَوّل	:	مارچ 2007ء
تعداد	:	1,100
قیمت آرٹ پیپر	:	560/- روپے

❁ ❁ ❁

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو/ ویڈیو کیسٹس، CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے **تحریکِ منہاجُ القرآن** کے لیے وقف ہے۔
(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

اِجمالی فہرست

فہرس

صفحہ	عنوانات
۱۷۸	(۳) غرباء کے معاشی حق کی ادائیگی اصل دینداری ہے
۱۸۰	(۴) سرمایہ دارانہ ذہنیت قرآنی فکر سے متصادم ہے
	فصل چہارم:
۱۸۵	**اصل رزق اور بنیادی حق المعاش میں تمام انسان برابر ہیں**
۱۸۹	(۱) اصل رزق میں برابری اور درجات رزق میں تفاوت
۱۹۲	(۲) حاصلِ کلام
	فصل پنجم:
۱۹۵	**بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے**
۲۰۰	(۱) بنیادی حق المعاش کیا ہے؟
۲۰۲	(۲) بنیادی حق المعاش کی مساوی فراہمی کا حکم
۲۰۳	فلیعد بہ کا انقلابی فلسفہ
۲۰۶	(۳) حق المعاش کی فراہمی تقاضائے ایمان ہے

عنوانات	صفحہ
باب سوم	
اسلام کا تصورِ ’’مال‘‘	**۳۰۹**
لغوی معنی	۳۱۱
اسلامی تصورِ مال	۳۱۴
۱۔ تمام مال ملکیتِ الٰہیہ ہے	۳۱۴
۲۔ انسان مال کا امین ہے	۳۱۶
۳۔ اکتسابِ مال	۳۱۶
۴۔ اکتسابِ مال کے مقاصد	۳۲۱
۵۔ اکتسابِ مال کا طریقۂ کار	۳۲۳
۶۔ صرفِ مال	۳۲۶
۷۔ بخل اور اِسراف وتبذیر سے اِجتناب	۳۳۳
۸۔ اِقتصاد و اِعتدال کا حکم	۳۳۶
۹۔ مال کی پس اندازی	۳۳۹
۱۰۔ مال ذریعہ ہے منزل نہیں	۳۴۳
۱۱۔ ضیاع مال کی ممانعت	۳۴۵

صفحہ	عنوانات
۳۷۰	(۲) حقِ تملّک احادیث کی روشنی میں
۳۷۱	(۳) حقِ تملّک: فقہ اسلامی میں
۳۷۱	۹۔ انفرادی حقِ ملکیت
۳۷۲	۱۰۔ حقِ ملکیت کی صحت و مشروعیت کی شرائط
۳۷۷	۱۱۔ زائد از ضرورت مال کی شرعی حیثیت
۳۷۸	۱۲۔ حقِ تملّک اور حقِ انتفاع میں فرق
۳۸۸	۱۳۔ ارتکازِ دولت کی حیثیت
۳۹۰	**تحدیدِ ملکیت**
۳۹۲	تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور ان کا رد
۴۰۹	بحث کا ماحصل
	باب پنجم
۴۱۱	**انفاق فی المال**
۴۱۳	معنی اور حقیقتِ موضوع
۴۱۳	قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا حکم
۴۲۳	حکمِ انفاق کی دو سطحیں

صفحہ	عنوانات
۵۶۷	طبی سہولیات کی فراہمی کا حق
۵۶۹	مغربی قانون اور طبی سہولیات کا حق
۵۷۱	۷۔حقِ انصاف
۵۷۲	(۱) قانونی مساوات کا حق
۵۷۵	(۲) حصولِ اِنصاف کا حق
۵۸۰	(۳) آزادانہ سماعت کا حق
۵۸۲	(۴) دوسروں کے جرائم سے برأت کا حق
۵۸۳	(۵) صفائی پیش کرنے کا حق
	باب ہفتم
۵۸۵	**زمین، زراعت اور مزارعت**
۵۸۷	**زمین (Land)**
۵۸۷	تعریف
۵۸۷	اہمیتِ زمین
۵۹۴	زمین بحیثیت عاملِ پیدائش
۵۹۴	اقسامِ اراضی

عنوانات	صفحہ
’’شرکت‘‘ کی ضرورت و اہمیت	۶۸۵
مضاربت (Mudarabah)	**۶۸۷**
معنی و مفہوم	۶۸۷
اصطلاحی تعریف	۶۸۸
ضرورت و اہمیت	۶۹۰
۱۔ انسانی مصالح کا تحفظ	۶۹۰
۲۔ ناداروں کی بھلائی	۶۹۰
۳۔ بیروزگاری میں کمی	۶۹۰
۴۔ گردشِ دولت میں اضافہ	۶۹۱
۵۔ ملکی معیشت کی ترقی	۶۹۱
۶۔ سودی بینکاری کا متبادل ذریعہ	۶۹۱
۷۔ منفی معاشرتی سرگرمیوں کا انسداد	۶۹۱
بابِ نہم	
صنعت اور لیبر پالیسی (قرآن وسنت کے آئینے میں)	**۶۹۳**
صنعت (Industry)	**۶۹۵**

صفحہ	عنوانات
۷۶۱	**(ب) امتناعی اقدامات**
۷۶۱	۱۔حرمتِ سود کا حکم
۷۶۲	۲۔شراب اور جوئے سے اجتناب کا حکم
۷۶۲	۳۔ ناپ تول میں کمی کی ممانعت
۷۶۳	۴۔ دھوکہ دہی اور ظلم کی ممانعت
۷۶۴	۵۔ اسراف اور بخل کی ممانعت
۷۶۵	نظامِ مصارف کی درجہ بندی
۷۶۸	**۲۔اقتصادی قوانین کا نفاذ**
۷۶۸	**ا۔وجوبی درجہ کے قوانین**
۷۶۹	۱۔قانون زکوٰۃ
۷۷۱	۲۔ قانون عشر
۷۷۳	۳۔قانون وصیت
۷۷۳	۴۔ قانون وراثت
۷۷۹	۵۔ قانون غنائم
۷۸۰	۶۔قانون وقف
۷۸۱	۷۔قانون کفالت عامہ

پیش لفظ

دینِ اِسلام لاریب آفاقی، ہمہ گیر اور زندگی کے ہمہ جہتی پہلوؤں کا حامل ایک فطری دین ہے۔ یہ نسلِ انسانی کے ہر شعبۂ حیات کے لئے واضح، جامع اور مکمل ہدایات کا ایک قابلِ عمل منشور پیش کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے دنیا کے کسی بھی گوشہ میں نافذ کیا جا سکتا ہے اور لازماً مثبت نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک، خلفائے راشدین اور ان کے بعد کے اکثر مسلم حکمرانوں کی تاریخ سے ملتا ہے۔

اِنسانی زندگی کے تین بڑے شعبے عقائد، عبادات اور معاملات ہیں جن میں سے معاملات کا شعبہ بڑی وسعت کا حامل ہے۔ انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق رکھنے کی بناء پر اس میں نہ صرف حقوق بیان ہوئے ہیں بلکہ مختلف نظام ہائے حیات (معاشی، سیاسی اور معاشرتی وغیرہ) کی بھی بھرپور وضاحت کی گئی ہے۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے خصوصی طور پر ان نظاموں پر عملی اور مثبت تعلیمات پیش کیں اور ان کی تنفیذ سے متعلق مکمل ضمانت فراہم کی۔

تاریخِ اَقوامِ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عروج و زوال، خوش حالی و بدحالی، امن و جنگ اور کامیابی و ناکامی کی اہم وجوہات میں معاشیات و اقتصادیات کے استحکام و عدم استحکام کا بہت بڑا دخل رہا ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی وہ ممالک جو اقتصادی طور پر مستحکم ہیں، ترقی یافتہ، امیر یا سپر پاورز کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اپنی اقتصادی صورتحال کے سلسلے میں عدم توجہی برتنے یا نظر انداز کرنے والے ممالک غیر ترقی یافتہ، پسماندہ اور غریب ممالک کی فہرست میں شامل کیے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں اکثریت اسلامی ممالک کی ہے اور ایسے ممالک کی تعداد ترقی یافتہ

ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

براعظم ایشیا، افریقہ کے ممالک بالخصوص اور دیگر بہت سے ممالک بالعموم غربت و افلاس، بھوک، پریشانی و پژمردگی، معاشی بدحالی اور بدامنی کا شکار ہیں۔ ان ممالک میں پاکستان بھی شامل ہے۔ حالات و واقعات کے تناظر اور گہرے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ علاقے عرصہ دراز سے معاشی جمود کا شکار رہے ہیں۔ ان ممالک میں بلاشبہ معاشیات کے میدان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن خاطر خواہ مثبت نتائج برآمد نہ ہوئے کیوں کہ یہاں کے لوگوں کی معاشی میدان میں صحیح رہنمائی نہیں کی گئی۔ نتیجتًا نہ تو معاشی مسائل حل ہوئے اور نہ ہی معاشی ترقی کا حصول ممکن ہو سکا۔ ایسے حالات میں ضروری تھا کہ اس المیہ کی طرف توجہ دی جائے۔ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کٹھن کام کا بیڑا اٹھایا اور اپنی خدا داد دانش و بصیرت سے اسلام کے نظام اقتصادیات کی توضیح وتشریح پر مشتمل کتاب تصنیف فرمائی۔

زیرِنظر کتاب حضرت شیخ الاسلام کے بہت سے قلمی مسودات اور لیکچرز پر مشتمل ہے جو انہوں نے مختلف مقامات اور مواقع پر ارشاد فرمائے۔ ان علمی فن پاروں میں ڈاکٹر صاحب نے اقتصادیات کے اہم پہلوؤں پر گہری سوچ و فکر سے کام لیا تھا۔ ان میں اقتصادیاتِ اسلام کا گراں قدر علمی خزانہ موجود تھا۔ ان اعلیٰ علمی اور تحقیقی اجزاء کو یکجا کرنے کی اشد ضرورت تھی تاکہ اسے کتابی شکل دے کر اقتصادیاتِ اسلام کا ایک Mini Encyclopedia بنایا جائے جو اس موضوع پر تحقیق وتجسس کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہو۔ اس ضمن میں ابتدائی طور پر محترم ڈاکٹر طاہر حمید تنولی نے کاوِش شروع کی لیکن ان کی دیگر مصروفیات کی بناء پر یہ پراجیکٹ تکمیل کو نہ پہنچا۔ بعض ازاں شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ایماء پر راقم الحروف کو یہ کام سونپا گیا جو کہ بحمد اللہ تعالیٰ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

”اقتصادیاتِ اسلام“ کی تیاری میں قبلہ شیخ الاسلام کی ہدایات پر عمل کرتے

ہوئے معاشیات کے اہم ترین اسلامی موضوعات پر نئے سرے سے کام کیا گیا۔ مثلاً اسلامی معاشیات کی اساس وارتقاء، اصول وضوابط، اسلام کا تصورِ مال اور انفاق فی المال، اسلام کا تصورِ ملکیت، اسلامی معیشت میں امدادِ باہمی اور کفالتِ عامہ کا نظام، زمین، زراعت اور مزارعت، تجارت، شراکت اور مضاربت، صنعت اور لیبر پالیسی اور اسلامی معاشی نظام کی تنفیذ وغیرہ۔ اقتصادیاتِ اسلام کی اس کتاب میں شیخ الاسلام کا تبحر علمی، اجتہادی بصیرت اور فنی و تحقیقی مہارت کے پہلو شامل ہیں۔ یہ کتاب بلاشبہ شیخ الاسلام کی وسیع النظری، اعلیٰ علمی قابلیت، حقیقت پسندی اور ان کے اقتصادی تعلیماتِ اسلامیہ کے ساتھ گہرے تعلق کی آئینہ دار ہے۔

امیدِ واثق ہے کہ آج کے اس پُرفتن، مادہ پرست، دین سے بے بہرہ اور معاشی بدحالی کے شکار اسلامی معاشرے میں شیخ الاسلام کی یہ کتاب حقیقی اسلامک اکنامک سسٹم کو معرضِ وجود میں لانے کے لئے بہترین سنگ میل ثابت ہوگی۔ علاوہ ازیں یہ کاوِش اسلامی معاشیات کے علمی خزانہ میں نہایت مفید اور گراں قدر اضافہ کا باعث ہوگی۔ اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی اس عظیم کوشش کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں قبول و منظور فرمائے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ حرمۃ سید المرسلین ﷺ۔

پروفیسر ڈاکٹر کرامت اللہ

ڈائریکٹر ریسرچ

فریدِ ملّتؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ، لاہور

بابِ اوّل

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا.

(الزخرف، ۴۳: ۳۲)

اِسلامی معاشیات کی اَساس اور اِرتقاء

لفظ معاشیات کی لغوی و اِصطلاحی تحقیق

(LexicalResearch of the word "Economics")

معاش عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ’’عَاشَ‘‘ ہے جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں بعض کے نزدیک اس کا مادہ ’’عیش‘‘ (ع۔ی۔ش) ہے جس کے معنی خوراک، رزق اور گزران کے ہیں۔

ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) العیش کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العیش: الحیاۃ، عاش یعیش عیشا وعیشۃ والمعیشۃ: ما یعاش بہ. (۱)

’’العیش کا معنی ہے زندگی، یہ عَاشَ یَعِیْشُ عِیْشًا اور عِیْشَۃً سے بنا ہے اور معیشت سے مراد (وہ ذرائع ہیں) جن سے زندگی بسر کی جاسکے۔‘‘

صاحب القاموس لکھتے ہیں:

المعیشۃ التي تعیش بھا من المطعم والمشرب وما تکون بہ الحیاۃ وما یعاش بہ. (۲)

’’معیشت سے مراد کھانے پینے کے وہ ذرائع ہیں جن پر زندگی کا دارو مدار ہوتا ہے اور جن سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔‘‘

معاشیات کا لفظ عاش، یعیش، عیشۃ سے ماخوذ ہے اس کا مصدر العیش ہے۔

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۶: ۳۲۱

(۲) فیروز آبادی، القاموس المحیط، ۱: ۲۹۱

مترادفات

معاشیات، اقتصادیات اور اکنامکس یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں۔

معاشیات کا لغوی معنی

لفظ معاشیات کے لغوی معنی زندگی اور سامانِ زیست کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

العيش: الحياة المختصة بالحيوان وهو أخص من الحياة لأن الحياة تقال في الحيوان وفي الباري تعالى، وفي الملک، ويشتق منه المعيشة لما يتعيش منه.(۱)

”العیش“ اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور یہ لفظ ”الحیاۃ“ کے مقابلہ میں خاص ہے کیونکہ الحیاۃ کا لفظ حیوان، باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور العیش سے لفظ المعیشۃ ہے (جس کے معنی ہیں سامانِ زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں) جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔“

لفظ معاشیات کی اِصطلاحی تعریف

معاشیات کو انگریزی زبان میں "Economics" کہتے ہیں جس کا مادہ ایک لاطینی لفظ Oiko Nomos ہے جس کے معنی گھریلو ضابطہ کے ہیں۔ جرمن زبان میں اس کو "Politische Oekonomie" اور فرانسیسی زبان میں "Economic Politique" کہا جاتا ہے۔

اصطلاحاً اس کا مفہوم یہ ہے کہ علم معاشیات وہ علم ہے جس میں انسان کے اس

(۱) اصفهاني، مفردات ألفاظ القرآن: ۵۹۶

خاص طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو محدود ذرائع کی مدد سے لامحدود خواہشات کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

Encyclopedia of Social Sciences میں معاشیات کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"Economics deals with a social phenomenon center about the provision for the material needs of an individual and of the organised group."(1)

''معاشیات کا واسطہ ایسے معاشرتی امر سے پڑتا ہے جو ایک فرد سے لے کر منتظم گروہ کی مادی ضروریات کی فراہمی پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔''

اِقتصادیات

الاقتصاد، **قصد** سے نکلا ہے اور **قصد قصداً** سے ہے جس کے معنی ہیں: کسی معاملے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنا۔

امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

القصد: استقامة الطريق، يقال: قصدت قصده أي نحوت نحوه ومنه الاقتصاد. (۲)

''القصد کے معنی راستہ کا سیدھا ہونا ہے، کہا جاتا ہے کہ **قصدت قصده** یعنی میں نے اس کا قصد کیا اور سیدھا اس کی طرف گیا اور قصد سے ہی اقتصاد ہے۔''

النهاية میں ہے:

القصد من الأمور والمعتدل الذي لا يميل إلى أحد طرفي التفريط

(1) *Encyclopedia of Social Sciences* , p. 168.

(۲) اصفهاني، مفردات الفاظ القرآن: ٦٧٢

والإفراط.[۱]

''قصد ان معتدل امور میں سے ہے جو کسی بھی افراط وتفریط کی حد سے نہ بڑھے۔''

الصحاح میں قصد کا درج ذیل معنی بیان ہوا ہے:

القصد: بين الإسراف والتقتير.[۲]

''اسراف وبخل کی درمیانی راہ (راہِ اعتدال) کو قصد کہتے ہیں۔''

ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) قصد سے درج ذیل معنی مراد لیتے ہیں:

القصد في المعيشة: أن لا يسرف ولا يقتر.[۳]

''معیشت میں قصد سے مراد یہ ہے کہ نہ اسراف کیا جائے اور نہ ہی بخل کیا جائے۔''

دورِ جدید میں اِقتصادیات سے مراد

دورِ جدید میں اقتصادیات سے مالی اور معاشی امور مراد لئے جاتے ہیں لہٰذا اصطلاحاً اقتصادیات سے مراد وہ علم ہوگا جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے۔[۴]

المعجم الاقتصادي الإسلامي میں علم الاقتصاد کی درج ذیل تعریف بیان کی گئی ہے:

(۱) ابن اثیر، النهاية فی غريب الحديث والأثر، ۴: ۵۲۳

(۲) جوهري، الصحاح في اللغة والعلوم، ۲: ۳۱۱

(۳) ابن منظور، لسان العرب، ۳: ۳۵۴

(۴) فیروز اللغات (اردو): ۱۲۶۰

الاقتصاد: علم يبحث في كل يتعلق بالثروة والمال والتكسب والتملك والإنفاق.

والاقتصاد يبحث أيضاً في مسائل الإنتاج والاستثمار ومسائل الانتفاع والخدمات ومسائل الغنى والفقر.[۱]

’’علم الاقتصاد ہر اس شے سے بحث کرتا ہے جو کثرت مال و زر، رزق کمانے، کسی شے کا مالک ہونے اور خرچ کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔

اور علم الاقتصاد پیداوار اور مال بڑھانے کے مسائل، نفع حاصل کرنے اور خدمات فراہم کرنے کے مسائل اور غناء وفقر کے مسائل پر بحث کرتا ہے۔‘‘

مسلم مفکرین کی آراء میں معاشیات کی تعریف

(Definitions of Muslim Thinkers)

اقتصادیات یا معاشیات کی اصطلاح اگرچہ بہت دیر بعد متعارف ہوئی لیکن اوائل دور سے ہی مسلم مفکرین نے اپنی کتب میں معاشی موضوعات پر بحث کی۔ ذیل میں ہم چند مفکرین کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ الماوردی (م ۴۵۰ھ)

ابو الحسن علی بن محمد الماوردی (م ۴۵۰ھ) نے اپنی کتب میں اقتصادی موضوعات پر بھی بحث کی ہے۔ مال چونکہ اقتصادیات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مال کو اقتصادیات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اقتصادیات میں اس کی تشریح وتوضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) أحمد شرباصي، المعجم الاقتصادي الإسلامي: ۳۶

والأموال ضربان: ظاهرة وباطنة. فالظاهرة: ما لا يمكن إخفاءه كالزرع والثمار والمواشي. والباطنة: ما أمكن إخفائه من الذهب والفضة وعروض التجارة. (۱)

’’مال کی دو قسمیں ہیں: اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ۔ اموال ظاہرہ سے مراد ہے وہ مال جس کو چھپایا نہ جا سکے جیسے کھیتی، پھل اور مویشی وغیرہ اور اموال باطنہ سے وہ مال مراد ہے جنہیں چھپایا جا سکے جیسے سونا، چاندی اور سامانِ تجارت وغیرہ۔‘‘

اموال کے بارے میں دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:

لأن الله تبارك وتعالى جعلها قوامًا للأبدان، وتلوًا لأنفس، وسببًا لبقاء الأجسام، وحياة للبشر، وآلة لطلب المعاني، وأداة لنيل الأماني، زينة للحياة الدنيا، وطريقًا إلى النجاة في الآخرة والأولى. (۲)

’’(مال کی بحث کرنا اس لئے ضروری ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان (اموال) کو بدنوں کے لئے قوام (انہیں قائم رکھنے والا)، جسموں اور جانوں کی بقاء اور انسانی زندگی (کی بقاء) کا سبب بنایا ہے۔ (اس کے علاوہ) عظمتوں کے حصول کا ذریعہ، (جائز) خواہشات کی تکمیل کا سامان، دنیاوی زندگی کی زینت اور دنیا و آخرت میں نجات کا راستہ (بھی اموال کو) بنایا ہے۔‘‘

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک انہی اموال کے احکام جاننے کا نام علم معاشیات ہے۔

---

(۱) ماوردي، الأحكام السطانية: ۲۰۳

(۲) ماوردي، نصيحة الملوك: ۴۰۹

۲۔ امام غزالی (م ۵۰۵ھ)

معاشیات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے امام غزالی (م ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

’’دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے لہٰذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے۔‘‘(۱)

اس کے علاوہ اسی عنوان کے تحت انہوں نے ’’کمانے کی فضیلت، معاملات کی درستگی، معاملاتِ تجارت میں عدل سے کام لینا، تجارت میں احسان اور نیکی سے پیش آنا وغیرہ‘‘ پر بھی بحث کی ہے۔

۳۔ ابن خلدون (م ۸۰۸ھ)

ابن خلدون (م ۸۰۸ھ) معاشیات کی درج ذیل تعریف بیان کرتے ہیں:

أن المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعي في تحصيله. (۲)

’’معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے۔‘‘

۴۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ)

شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) علم معیشت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو الحكمة الباحثة عن كيفية إقامة المعادلات والمعاونات والإكساب على الارتفاق الثاني. (۳)

---

(۱) امام غزالي، کیمیائے سعادت: ۲۶۶

(۲) ابن خلدون، کتاب العبر وديوان المبتدا والخبر (المقدمه)، ۱: ۳۶۴

(۳) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۱: ۴۳

’’ارتفاقِ ثانی کے باب میں افرادِ معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علمِ معیشت ہے۔‘‘

غیر مسلم مفکرین کی آراء میں معاشیات کی تعریف

مسلم مفکرین کی معاشیات کی طرف قابلِ قدر توجہ کے علاوہ غیر مسلم مفکرین نے بھی علم معاشیات کو متعارف کرانے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ خصوصاً مغرب میں اس علم کا اجراء ایڈم سمتھ (Adam Smith, 1723-1790) نے کیا اور غالباً پہلی بار معاشیات کو بطورِ علم متعارف کرانے کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ دیگر سکالرز نے بھی معاشیات پر قلم اٹھایا۔ آسانی کے لئے ہم انہیں تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) کلاسیکی مکتبِ فکر (Classical School of Thought)

(۲) نو کلاسیکی مکتبِ فکر (Neo Classical School of Thought)

(۳) جدید مکتبِ فکر (Modern School of Thought)

کلاسیکی مکتبِ فکر میں ایڈم سمتھ (Adam Smith 1723-1790) کا نام سرِفہرست ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں بابائے معاشیات (Father of political Economy) اور اکنامکس کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کا پہلا کام دولتِ اقوام (Wealth of Nations) 1776ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اپنی شہرہ آفاق کتاب *"An Enquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations"* میں معاشیات کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Economics is a Study of Wealth." [1]

(1) Twining Hardley, *Economic*, p. 10.

’’معاشیات دولت کا علم ہے۔‘‘

ان کی نظر میں معاشیات ایک ایسا علم ہے جو پیدائشِ دولت، صرفِ دولت، تقسیمِ دولت اور تبادلۂ دولت سے بحث کرتا ہے۔

ایڈم سمتھ (Adam Smith 1723-1790) کے ہم خیال معیشت دانوں میں جرمی بینتھم (Jeremy Bantham 1748-1832)، تھامس رابرٹ مالتھس (Thomas Robert Malthus 1766-1834)، ڈیوڈ ریکارڈو (David Ricardo 1772-1823)، جے بی سے (J.B. Say 1767-1832)، جان اسٹوئرٹ مل (John Stuart Mill 1806-1873)، ایلے (Elley)، فرانسس اے واکر (Francis A. Walker)، فاسٹ (Fawcett)، والرس (Walrus)، چیپمین (Chapman)، این ڈبلیو سینئر (N.W. Senior) وغیرہ شامل ہیں۔

نو کلاسیکی مکتب فکر (Neo classical school of thought)

میں الفریڈ مارشل (Alfred Marshall 1842-1924) نے ایڈم سمتھ (Adam Smith 1723-1790) کی بیان کردہ تعریفِ معاشیات پر تنقید کی اور اسے ایک شیطانی علم (Dismal Science) اور دولت پرستی کا علم (Mommon worship) قرار دیا اور اس کو ایک نئی جہت بخشی۔ انہوں نے معاشیات کی از سرِ نو یوں تعریف کی:

"Economics is a study of man's action in the ordinary business of life; it enquiries how he gets his income and how he uses it.

"It examines that part of individual and social action which is most closely connected with the attainment and with the use of material requisites of well-being.

"Thus economics is on one side a study of wealth, and on the other, and more important side, a part of

the study of man."[1]

"معاشیات میں انسان کی ان سرگرمیوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا تعلق زندگی کے روزمرہ معاملات سے ہوتا ہے اس کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح دولت کماتا ہے اور اسے کس طرح خرچ کرتا ہے، یہ علم انسان کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں کے اس حصے کا جائزہ لیتا ہے جس کا اس بات سے گہرا تعلق ہے کہ خوشحال زندگی کے ضامن مادی لوازمات کس طرح حاصل کئے جاتے ہیں اور کس طرح استعمال کئے جاتے ہیں پس معاشیات ایک طرف تو دولت کا علم ہے اور دوسری طرف خود انسانی زندگی کے ایک پہلو کا بھی۔"

علمِ معاشیات کے میدان میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ تحقیقی کام میں *Economics of Industry* جو 1879ء میں چھپی، *Principles of Economics* جو 1890ء میں، *Industry and Trade* 1919ء میں اور *Money, Credit and Commerce* جو 1924ء میں منظر عام پر آئی، اہم کتب ہیں۔

الفریڈ مارشل (Alfred Marshall) کے ہم خیال ماہرین معاشیات میں پیگو (Pigou)، کینن (Cannon)، بیورج (Beveridge)، کونٹ ویکسل (Knut Wicksell)، جے بی کلارک (J.B. Clark)، ٹازگ (Taussig) ارونگ فشر (Irving Fisher) وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

دور جدید (Modern school of Thought) کے ماہرین معاشیات کا نقطۂ نظر بیان کرنے میں لائینل رابنز (Leonel Robbins) پیش پیش ہیں۔ ان کا تعلق لندن سکول آف اکنامکس (London school of Economics) سے ہے ان کی معروف کتاب *Nature and Significance of Economics*

(1) Jihanson, *Economics*, p. 6.

جو 1932ء میں شائع ہوئی، نے معاشیات کو سمجھنے کے لیے ایک نئی راہ دکھائی۔

پروفیسر رابنز (Robbins) نے الفریڈ مارشل (Alfred Marshall) کی معاشیات کے بارے میں رائے پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس تعریف سے معاشیات کے علم کا دائرہ محدود ہو جاتا ہے کیونکہ اس تعریف میں صرف وہی انسانی اعمال کو بحث میں لایا گیا ہے جن کا تعلق زندگی کے مادی پہلوؤں سے ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ تصورِ فلاح بھی ناقابلِ پیائش ہے چنانچہ رابنز (Robbins) نے معاشیات کی ازسرِنو تعریف کرتے ہوئے لکھا:

"Economics is a science which studies human behaviour as a relationship between ends and s carce means with alter native uses." (1)

''معاشیات انسان کے اس طرزِ عمل کا مطالعہ کرتی ہے جو خواہشات کے بے شمار ہونے اور ذرائع کے محدود ہونے کی بنا پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ یہ ذرائع متبادل مقاصد کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔''

رابنز (Robbins) نے اپنی تعریف کی بنیاد انسانی زندگی کی مندرجہ ذیل حقیقتوں پر رکھی ہے:

۱۔ انسانی خواہشات لامحدود ہوتی ہیں۔

۲۔ ان خواہشات میں سے بعض بہت اہم اور بعض کم اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔

۳۔ انسان محدود ذرائع کا مالک ہوتا ہے۔

۴۔ تمام ذرائع مثلاً روپیہ پیسہ وغیرہ مختلف مقاصد کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔

اگرچہ رابنز (Robbins) کی تعریف واضح اور جامع ہے اور جدید ماہرین اقتصادیات اسی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ بھی بالکل درست ہے کہ ابھی تک معاشیات کی

(1) K.K.Devet, *Modern Economic Theory*, p. 1.

کوئی قطعی اور حتمی تعریف کا تعین نہیں ہو سکا۔ اسی بات کی طرف جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw) نے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

> "If you took all the Economists in the world and laid them end to end, they still would not reach a conclusion." (1)

> ''اگر آپ تمام دنیا کے معیشت دانوں کو ایک جگہ جمع کر دیں اور درجہ بدرجہ ان کا مطالعہ کریں تو ان میں سے کوئی بھی ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے گا۔''

رابنز (Robbins) کے ساتھ ساتھ کینز (Keynes)، ملر (Miller)، ارما ایڈلمین وغیرہ نے اپنی کاوشوں سے علم معاشیات کو آگے بڑھایا۔ تحقیق و تجسس سے اس کی نت نئی جہات، پس منظر، معانی و مفاہیم اور مختلف اطلاقی پہلوؤں (Applied sides) کو روشناس کرایا۔ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج معاشیات اپنی پوری افادیت کے ساتھ معیشت، معاشرت، سیاست وسیادت کا اہم حصہ بن گئی ہے۔

معاشیات کا آغاز و اِرتقاء

اللہ رب العزت نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ہمارے گرد وپیش میں پھیلی ہوئی وسیع وعریض کائنات کو تخلیق کیا۔ اس کی ہواؤں، فضاؤں، سمندروں اور زمینوں کو وسائل و حیات سے مامور کر دیا اور ان سے اپنی ان گنت مخلوقات کی رزق رسانی کا اہتمام فرمایا اور اسی نے اپنی تخلیق کے شاہکار انسان کو احسن تقویم پیدا کیا اور پھر اسے قلت وکمیابی سے دوچار کر دیا اور کائنات کی ہر چیز کو اس کے لئے مسخر کر دیا اور اسے اس کی فیض رسانی میں لگا دیا لہٰذا انسان کا معاشی مسئلہ روئے زمین پر اس کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آ گیا اور پھر انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی منزلیں طے کرتا گیا۔

(1) William C.B. Blanchfierd/Jacob Oser, *Economics*, p. 3.

معیشت فطری ضرورت ہے

انسان کی تخلیق کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ وہ اپنی پیدائش کے دن سے ہی خواہشات اور حاجات میں گھرا ہوا ہے اور تادمِ زیست ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پائے گا۔ جس دن سے انسان نے اس دھرتی پر قدم رکھا ہے اسی دن سے بھوک مٹانے اور پیاس بجھانے کے لئے اشیائے خورد و نوش کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

انسان کی معاشی جدوجہد کا آغاز

ابتداء میں انسان نے غاروں کو اپنا مسکن بنایا، جنگلی جانوروں کے شکار نیز جڑی بوٹیوں، درختوں کے پتوں اور پھلوں سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔ پھر آبادی آہستہ آہستہ بڑھی تو دریاؤں اور چراگاہوں میں خیمہ زن ہوا اور پھر جانوروں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے انہیں پال کر ان سے گوشت، دودھ اور کھالیں حاصل کرتا رہا۔ پھر دیہات کی بنیاد پڑی، پیشوں کی تقسیم ہوئی، کھڈیوں اور دستکاریوں کا دور آیا اور پھر شہر آباد ہوئے۔

انسانی حاجات میں اضافہ اور سائنسی ترقی

سائنس نے ترقی کی، ایجادات اور دریافتیں ہوئی، انسان جب مشینی دور میں داخل ہوا تو اس کی حاجات اور بڑھ گئیں اس نے اپنی زندگی کو رنگین سے رنگین بنانے کے لئے سہولیات کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس کی بھاگ دوڑ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک اس کائنات میں ایک بھی انسان کا وجود باقی ہے۔

معاشیات کی اقسام (Classification of Economics)

علمِ معاشیات کی دو اقسام ہیں:

۱۔ نظریاتی معاشیات

۲۔ اطلاقی یا عملی معاشیات

۱۔ نظریاتی معاشیات (Theoretical Economics)

انسان نے خود اپنے طرزِ عمل سے اور اپنی فطرت کا مشاہدہ کر کے جو اصول و قوانین وضع کئے ہیں وہ نظریاتی معاشیات میں شامل ہوتے ہیں۔ قانونِ طلب، قانونِ رسد، نظریہ تقابلی مصارف وغیرہ نظریاتی معاشیات کہلاتے ہیں۔

۲۔ اطلاقی یا عملی معاشیات (Applied Economics)

اس سے مراد یہ ہے کہ نظریاتی معاشیات میں جو اصول وقوانین وضع کئے جاتے ہیں انہیں استعمال کر کے مخصوص معاشی حالات و واقعات کے اسباب وضع کئے جائیں اور ان کی نوعیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی جائے مثلاً پاکستان میں دن بدن اشیاء کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں تو نظریاتی معاشیات نے طلب و رسد کے جو قوانین مہیا کئے ہیں ان کی رو سے ہم اسباب پر غور کریں گے کہ قیمتیں بڑھنے کی وجوہات کیا ہیں؟ اور اس سے عوام پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

نظریاتی معاشیات کی اقسام

نظریاتی معاشیات کی دو بڑی قسمیں ہیں:

۱۔ ایجابی یا اثباتی معاشیات

۲۔ فلاحی معاشیات

(۱) ایجابی معاشیات (Positive Economics)

ایجابی معاشیات میں انسانی معاشی زندگی کے بنیادی حقائق کا مشاہدہ اور تجزیہ کیا جاتا ہے اور ان سے حاصل شدہ نتائج کو اسی طرح بیان کر دیا جاتا ہے۔ اپنی رائے کا کوئی دخل نہیں ہوتا کہ یہ ایسا ہے ویسا کیوں نہیں ہے یا اسے ایسا ہونا چاہیئے تھا یا نہیں وغیرہ۔

(۲) فلاحی معاشیات (Welfare Economics)

ڈاکٹر مارشل نے فلاحی معاشیات کا تصور پیش کیا ہے اس میں معاشی حقائق کے تجزیہ و مشاہدہ کے بعد ان سے حاصل ہونے والے نتائج کے متعلق یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ انسانی فلاح و بہبود میں اضافے کا باعث بنتے ہیں یا نہیں۔ جب فلاحی معاشیات میں اجارہ داری کا مسئلہ زیربحث لایا جائے گا تو اس میں دیکھا جائے گا کہ معاشرے کے کچھ مخصوص مقاصد کے پیش نظر اجارہ داری معاشرے کے لئے مفید ہے یا نقصان دہ؟ جبکہ ایجابی یا اثباتی معاشیات میں تو اجارہ داری کے تحت قیمت اور پیداوار کے مسئلہ کی غیر جانبداری سے وضاحت کر دی جاتی ہے۔

ایجابی معاشیات کی اقسام

جدید ماہرین معاشیات نے ایجابی معاشیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ جزوی معاشیات

۲۔ کلی معاشیات

(۱) جزوی معاشیات (Micro Economics)

لفظ مائیکرو (Micro) کے لفظی معنی کسی چیز کا دس لاکھواں حصہ ہے، جب معاشی

نظام کے تجزیہ کے لئے جزوی معاشیات کی مدد لی جاتی ہے تو اس معاشی نظام کو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر اکائی کا انفرادی طور پر تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح چیزوں کی طلب و رسد پر بحث کرتے ہوئے ملک کی مجموعی طلب و رسد پر بحث کرنے کی بجائے کسی ایک شے یا کسی ایک فرد یا خاندان کی طلب و رسد کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ آمدنی کو زیربحث لاتے وقت قومی آمدنی کی بجائے مختلف صنعتوں، اداروں اور افراد کی آمدنی کا انفرادی جائزہ لیا جاتا ہے گویا جزوی معاشیات میں کسی معاشی نظام کی مختلف اکائیوں کی کارکردگی کا انفرادی طور پر جائزہ لیا جاتا ہے۔

جزوی معاشیات کے بنیادی مباحث

جزوی معاشیات کے بنیادی مباحث درج ذیل ہیں:

۱۔ نظریۂ تقسیم دولت

۲۔ نظریۂ پیدائش دولت

۳۔ نظریۂ رویہ صارف

۴۔ نظریۂ قیمت

۵۔ نظریۂ توازن

(۱) نظریہ تقسیمِ دولت (Theory of Wealth Distribution)

عاملین پیدائش یعنی زمین، محنت، سرمایہ اور تنظیم کے باہمی عمل سے مختلف اشیاء تیاری ہوتی ہیں چنانچہ اس میں ہر عاملِ پیدائش کے معاوضے کا تعین زیربحث آتا ہے مثلاً سرمائے کا سود اور آجر کا منافع، زمین کا لگان، محنت کی اجرت وغیرہ۔

(۲) نظریہ پیدائشِ دولت (Theory of Production)

اس میں معاشی اشیاء و خدمات کیسے پیدا کی جاتی ہیں؟ اس کے بارے میں

بحث کی جاتی ہے۔مختلف عوامل پیدائش یعنی زمین، سرمایہ، محنت اور تنظیم کو کس نسبت سے اکٹھا کیا جاتا ہے اور کس طرح کم سے کم مصارف پر اشیاء تیار کی جاسکتی ہیں۔

(۳) نظریہ رویہ صارف (Theory of Consumer's Behaviour)

اس میں صارفین کے طرزِ عمل کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ہر کسٹمر کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی آمدنی اس طرح صرف کرے کہ اسے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو، جزوی معاشیات کے اس حصہ میں طلب کی لچک، نظریہ افادہ اور عدم ترجیح کے خطوط پر بحث کی جاتی ہے۔

(۴) نظریہ قیمت (Theory of Price)

نظریہ قیمت میں کسی چیز کی طلب اور رسد کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کی قیمت کے تعین کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

(۵) نظریہ توازن (Theory of Equilibrium)

ہر فرم کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اتنی اشیاء پیدا کرے جن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے چنانچہ اس حصہ میں توازن کی مختلف صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۲) کلی معاشیات (Macro Economics)

میکرو (Macro) کے معنی Large کے ہیں۔ لارڈ کینز (Lord Keynes) نے اس کا تصور پیش کیا تھا۔ کلی معاشیات کا بحیثیت مجموعی جائزہ لیا جاتا ہے مثلاً قومی بچت، مجموعی سرمایہ کاری، مجموعی پیداوار وغیرہ اس حصہ میں ماہرینِ معاشیات معاشی نظام کے کچھ مجموعی اوسطوں (Overall Averages) اور مجموعوں (Aggregates) کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اسلامی معاشیات کیا ہے؟ (What is Islamic Economics?)

اسلامی معاشیات کی مختلف لوگوں نے مختلف تعریفات کی ہیں۔ ان تمام تعریفات کی روشنی میں اسلامی معاشیات کی جامع تعریف درج ذیل بنتی ہے:

’’اسلامی معاشیات وہ علم ہے جس میں شریعت کے ان اصولوں سے بحث کی جاتی ہے جو بے انصافی کے ذریعے مادی وسائل کے حصول کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور جو جائز مادی وسائل کے تصرف کو اس طرح منضبط کرتے ہیں کہ وہ انسان کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اسے اس قابل بنائیں کہ وہ ان انفرادی، عائلی اور اجتماعی فرائض کی ادائیگی کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اور معاشرے نے اس پر عائد کئے ہیں۔‘‘

مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں اسلامی معاشیات کا مفہوم متعین کرتے ہوئے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ یہ علم قرآن و سنت سے مستنبط ہے۔

۲۔ اسلامی معاشیات میں معاشی سرگرمیوں کا مقصد بے انصافی کا خاتمہ ہے۔

۳۔ انسان کا مقصد زندگی یہ نہیں کہ وہ ذاتی خواہشات کی تسکین ہی میں مصروف رہے بلکہ اس پر معاشرہ کی طرف سے کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں جن کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ ’’فلاح‘‘ یعنی دنیا و آخرت میں کامیابی اسلامی معاشیات کا مقصد ہے۔

۵۔ زمینی وسائل کا صحیح تصرف ہی انفرادی اور اجتماعی فلاح کا باعث بنتا ہے۔

اسلامی معاشیات کیوں؟ (Why Islamic Economics?)

اسلام بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ یہ تمام کا تمام حق ہے اور اسے اللہ بزرگ و برتر کے پسندیدہ دین ہونے کا اعزاز حاصل ہے، خود اللہ رب العزت نے فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ.(۱)

’’بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔‘‘

یہ طریقہ حیات اپنے اندر مکمل ضابطہ حیات اور ہر شعبہ زندگی کے جامع، واضح اور قابلِ عمل قواعد وضوابط لئے ہوئے ہے۔ یہ ایک طرف اگر عقائد و عبادات کی نشاندہی کرتا تو دوسری طرف معاملات (Dealings) کے شعبہ میں مکمل ہدایات فراہم کرتا ہے۔ معاملات کے شعبہ میں اقتصادیات کا شعبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی لئے اسلام نے اس شعبہ سے صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ معاشیات میں اس کے بنیادی تصورات و اصول دوسرے معاشی نظاموں سے مختلف ہیں۔ یہ افراط وتفریط کو رد کرتے ہوئے اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہ انسان کی مادی فلاح کا علمبردار ہے مگر انسان کو معاشی حیوان (Economic Animal) نہیں بناتا بلکہ اس کے فطری اعزاز ’’اَحْسَنِ تَقْوِیْم‘‘ اور ’’لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ‘‘ کا تاج کرامت پہنا کر معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی تلقین کرتا ہے۔ اسے ایک طرف صاحبِ ایمان بنا کر اقتصادی جدوجہد میں حصہ لے کر معاشی انسان (Economic Man) دیکھنا چاہتا ہے یعنی ایسا شخص جو کسبِ دولت کے حلال ذرائع کو تلاش کرے، ان سے استفادہ کر کے پھر ان وسائل سے حاصل کردہ فوائد وثمرات کو دینِ اسلام کی روشنی میں منشائے خداوندی اور ہدایاتِ نبوی ﷺ کے تحت عمل میں لائے۔

مندرجہ بالا حقائق اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسلامی معاشیات کا

(۱) آل عمران، ۳: ۱۹

مطالعہ کیا جائے ان کے علاوہ معاشیات کی دنیا میں اسلامی نقطۂ نظر جاننا بھی ضروری ہے تاکہ حقیقت اور صحیح سمت معلوم ہو۔ اس ضمن میں مزید حقائق ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ا۔ قرآن مجید میں بنیادی معاشی اصطلاحات کا بیان

(ا) معیشت کا ذکر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا معیشت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ رَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا. (۱)

’’ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔‘‘

وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَعۡمٰیo (۲)

’’اور جس نے میرے ذکر (یعنی میری یاد اور نصیحت) سے روگردانی کی تو اس کے لئے دنیاوی معاش (بھی) تنگ کردیا جائے گا اور ہم اسے قیامت کے دن (بھی) اندھا اٹھائیں گےo‘‘

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۱۲۴

(۲) رزق کی کفالت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا. (۱)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔''

وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍo (۲)

''اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق (وعطا) سے نوازتا ہےo''

وَ یْکَاَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ یَقْدِرُ. (۳)

''کتنا عجیب ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرماتا اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ فرماتا ہے۔''

اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِیْنُo (۴)

''بیشک اللہ ہی ہر ایک کا روزی رساں ہے، بڑی قوت والا ہےo''

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ. (۵)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے۔''

---

(۱) ھود، ۱۱ : ۶

(۲) النور، ۲۴ : ۳۸

(۳) القصص، ۲۸ : ۸۲

(۴) الذّٰریٰت، ۵۱ : ۵۸

(۵) الاعراف، ۷ : ۱۰

وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ٥ (۱)

’’اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے اور ان (انسانوں، جانوروں اور پرندوں) کے لئے بھی جنہیں تم رزق مہیا نہیں کرتے٥‘‘

(۳) درجاتِ معیشت

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا. (۲)

’’ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں حسبِ ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ دنیوی زندگی کا دارو مدار اسبابِ معیشت پر ہے۔

۲۔ یہ وسائل افراد و اقوام میں تقسیم کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہر کسی کو اسی کی حکمت و حکم کے مطابق رزق ملتا ہے۔

۳۔ یہ وسائل اللہ تعالیٰ نے افراد و اقوام میں یکساں تقسیم نہیں کئے بلکہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا کیا ہے۔

۴۔ اس عدم مساوات میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے خدمت لیں، ایک دوسرے کے محتاج بھی ہوں اور معاون بھی۔

(۱) الحجر، ۱۵: ۲۰

(۲) الزخرف، ۴۳: ۳۲

وَ کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَاۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًاؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ○(۱)

"اور ہم نے کتنی ہی (ایسی) بستیوں کو برباد کر ڈالا جو اپنی خوشحال معیشت پر غرور و ناشکری کر رہی تھیں تو یہ ان کے (تباہ شدہ) مکانات ہیں جو ان کے بعد کبھی آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور (آخر کار) ہم ہی وارث و مالک ہیں ○"

اس آیت کریمہ میں معیشت کی خوشحالی پر غرور کرنے والوں اور کثرتِ رزق و دولت پر اترانے والوں کے لئے وعید سنائی گئی ہے۔

(۴) معاشی عدل

اسلام ہمیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں عدل سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى.(۲)

"عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔"

دوسری جگہ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ.(۳)

"فرما دیجئے: میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

(۱) القصص، ۲۸: ۵۸

(۲) المائدة، ۵: ۸

(۳) الاعراف، ۷: ۲۹

اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ○(۱)

’’اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو○‘‘

ارشادِ ربانی ہے:

وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ○(۲)

’’اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو○‘‘

(۵) بخل اور حُبِ مال

بخل جیسی بری چیز سے یوں منع فرمایا:

وَ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا○(۳)

’’اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○‘‘

انسان کی ناشکری کا سبب بھی حُبِ دولت کو قرار دیا گیا ہے:

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ○(۴)

’’اور بیشک وہ (انسان) مال کی محبت میں بہت سخت ہے○‘‘

ایسے لوگوں کی تباہی و بربادی کی خبر دی گئی ہے جنہوں نے مال جمع کرنے کو

(۱) هود، ۱۱: ۸۵
(۲) الرحمن، ۵۵: ۹
(۳) الفجر، ۸۹: ۲۰
(۴) العدیت، ۱۰۰: ۸

مقصدِ زیست بنا لیا ہے۔

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨo الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗo(۱)

’’ہر اس شخص کے لئے ہلاکت ہے جو (روبرو) طعنہ زنی کرنے والا ہے (اور پسِ پشت) عیب جوئی کرنے والا ہےo (خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہےo‘‘

یہ اس کی کج فہمی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے:

وَ مَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىo(۲)

’’اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گاo‘‘

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَآ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ‌ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ‌.(۳)

’’اور جو لوگ اس (مال و دولت) میں سے دینے میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے وہ ہرگز اس بخل کو اپنے حق میں بہتر خیال نہ کریں، بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے۔‘‘

اَلَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ وَيَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَيَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًاo(۴)

---

(۱) الھمزۃ، ۱۰۴: ۱، ۲

(۲) اللیل، ۹۲: ۱۱

(۳) آل عمران، ۳: ۱۸۰

(۴) النساء، ۴: ۳۷

’’جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے o‘‘

(۶) ارتکاز کی ممانعت

زر اندوزی کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَo (۱)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں o جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے o‘‘

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًم بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ. (۲)

’’تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

(۲) الحشر، ۵۹: ۷

رہے۔‘‘

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ (۱)

’’اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے ○‘‘

(۷) فضول خرچی سے پرہیز

اللہ تعالیٰ نے اسراف سے روکا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ (۲)

’’کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○‘‘

مزید فرمایا:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ (۳)

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ ○‘‘

اس طرح فضول خرچی کرنے والوں کو شیطانوں کا بھائی کہا ہے:

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷ : ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۳۱

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ.[۱]

''بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

(۸) اعتدال پسندی

قرآن مجید انسانوں کو میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo[۲]

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہےo''

(۹) حرمتِ سود

قرآن مجید ہر انسان کو حلال ذرائع سے روزی کمانے کی تلقین کرتا ہے اسی لئے ہر وہ ذریعہ جو حرام کے ضمن میں آئے اس سے رزق کمانا اسلام کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور حرام میں شمار ہوتا ہے اسی لئے اللہ نے صاف الفاظ میں سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.[۳]

''اور اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔''

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۷
(۲) الفرقان، ۲۵: ۶۷
(۳) البقرة، ۲: ۲۷۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (۱)

’’اے ایمان والو! دو گنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○ ‘‘

سود خور قیامت کے دن حواس باختہ ہوں گے جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح کسی کو شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع سود ہی کی طرح تو ہوتی ہے، سود خوروں کو چیلنج کیا گیا ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ. (۲)

’’پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ۔‘‘

(۱۰) انفاق اور عفو و درگزر

قرآن مجید عفوو درگزر کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○ (۳)

’’یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے○‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۹

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۴

(۱۱) تلاشِ رزق

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے چاہے وہ زمین، دولت یا رزق ہو وہ سب اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ وہی وہ واحد ہستی ہے جو ہر ایک کو رزق سے نوازتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ.[1]

''بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو۔''

قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاللهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○[2]

''اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ○''

وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.[3]

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تا کہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔''

(۱۲) رزقِ حلال

قرآن مجید پاکیزہ و حلال رزق کمانے اور کھانے کی تلقین کرتا ہے اور حرام، ناپاک اور مردار کھانے سے روکتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

(۲) الجمعة، ۶۲: ۱۱

(۳) المزمل، ۷۳: ۲۰

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلٰـلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ○[1]

''اور جو حلال پاکیزہ رزق اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو○''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰـلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○[2]

''اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے○''

وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ.[3]

''اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔''

(۱۳) حرام کی ممانعت

قرآن مجید جہاں ایک طرف حلال کھانے اور کمانے کی تلقین کرتا ہے وہاں دوسری طرف حرام ذرائع اختیار کرنے سے بھی روکتا اور ان کی شدت کے ساتھ ممانعت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں حرام اشیاء کا ذکر موجود ہے۔ ان میں مردار، خون، خنزیر یا ایسے جانور کا گوشت جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو یا بتوں کے نام پر

(۱) المائدۃ، ۵: ۸۸

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۶۸

(۳) الاعراف، ۷: ۱۵۷

ذبح کیا ہو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۱)

”اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے، پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے○“

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (۲)

”اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)○“

وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ. (۳)

”اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم پانسوں (یعنی فال کے تیروں) کے ذریعے قسمت کا حال معلوم کرو (یا حصے تقسیم کرو)، یہ سب کام گناہ ہیں۔“

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۸۸

(۳) المائدۃ، ۵: ۳

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo[۱]

’’اے ایمان والو! بیشک شراب اور جواُ اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سوتم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤo‘‘

(۱۴) کفالتِ یتامیٰ و مساکین

قرآن مجید خیرات و احسان کا حکم دیتا ہے۔ سورۃ الماعون میں اس طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِo فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِo فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَo الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَo وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo[۲]

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟o تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)oاور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)o پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)o اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتےo‘‘

(۱) المائدۃ، ۵: ۹۰

(۲) الماعون، ۱۰۷: ۱۔۷

(۱۵) ممانعتِ ہلاکت اور انفاق و احسان

خدا کی راہ میں خرچ کرنا احسان ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ۝ (۱)

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے۝''

مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ۝ (۲)

''کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۝''

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ۝ (۳)

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۝''

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۹۵

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۴۵

(۳) آل عمران، ۳: ۹۲

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (۱)

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم تو فقط اس مالک کے نائب ہو)۔‘‘

(۱۶) خوفِ رزق کے باعث قتلِ اولاد کی ممانعت

قرآن مجید میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو روزی کے خوف و ڈر کے باعث قتل مت کرو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ. (۲)

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا. (۳)

’’مال اور اولاد (تو صرف) دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔‘‘

(۱۷) مختلف طبقاتِ زندگی کے مابین تفاوت کا خاتمہ

اسلام نے مختلف طبقاتِ زندگی کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا طریقہ کار یوں وضع کیا ہے کہ ارتکازِ دولت اور امیر لوگوں کے تعیش پسند طرزِ زندگی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ علاوہ ازیں غریبوں کے معاشی طرزِ زندگی کو بلند کیا جائے، حکومت کے خزانوں اور اغنیاء کی دولت میں ان غریبوں کے حقوق کا تعین کیا جائے اور اس سلسلے میں عملی طریقہ کار وضع کیا جائے۔

(۱) الحدید، ۵۷: ۱۰
(۲) الانعام، ۶: ۱۵۱
(۳) الکہف، ۱۸: ۴۶

نیکی اور بھلائی کے راستوں پر خرچ کرنے کی ترغیب دی جائے۔ بخل، ریا اور احسان جتلانے کی مذمت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے تعاون اور قرضِ حسنہ کے طریقے متعین کئے جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ.(۱)

’’اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔‘‘

(۱۸) تلاشِ ذرائعِ دولت و ثروت کا وجوب

دولت و ثروت کے ذرائع کی تلاش کے لئے کوشاں رہنا چاہیے اور ان ذرائع اور خزانوں کی حفاظت کی لوگوں کو ترغیب دینی چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ اس کائنات میں پایا جاتا ہے وہ انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے اور وہ اس سے مستفید ہو رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِىْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥(۲)

’’اور وہی ہے جس نے (فضا و بر کے علاوہ) بحر (یعنی دریاؤں اور سمندروں) کو بھی مسخر فرما دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ (و پسندیدہ) گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے موتی (وغیرہ) نکالو جنہیں تم زیبائش کے لئے پہنتے ہو، اور (اے انسان!) تُو

---

(۱) المائدة، ۵: ۲

(۲) النحل، ۱۶: ۱۴

کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (دریاؤں اور سمندروں کا) پانی چیرتے ہوئے اس میں چلے جاتے ہیں، اور (یہ سب کچھ اس لئے کیا) تاکہ تم (دور دور تک) اس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور یہ کہ تم شکرگزار بن جاؤo‘‘

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

رَّبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًاo(۱)

’’تمہارا رب وہ ہے جو سمندر (اور دریا) میں تمہارے لئے (جہاز اور) کشتیاں رواں فرماتا ہے تاکہ تم (اندرونی و بیرونی تجارت کے ذریعہ) اس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو، بیشک وہ تم پر بڑا مہربان ہےo‘‘

(۱۹) صاحبِ استطاعت پر کسبِ رزق کا وجوب

اسلام میں کسبِ رزق کی پُرزور ترغیب دی گئی ہے اور اسے صاحبِ استطاعت پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ اسلام ماہرینِ صنعت و حرفت اور پیشہ ور کاریگروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسی لئے بھیک مانگنا جرم ہے اور اس بات کی تشہیر کرنے کو کہا گیا ہے کہ بہترین عبادت کسبِ رزق ہے کیونکہ کسبِ رزق انبیاء کرام علیھم السلام کی سنت ہے اور بہترین کسبِ رزق وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کیا جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے بے روزگار جو جان بوجھ کر کوئی کام نہیں کرتے ان کی حوصلہ شکنی کی جائے کیونکہ ایسے لوگ معاشرے پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس طرح کی بے روزگاری اور توکل کا کوئی تصور نہیں بلکہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے اور نتائج اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے حاصل کیے جائیں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ توکل کرنے والا نہیں ہے۔ رزق کا حصول انتھک کوشش کے ساتھ مشروط ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ٦٦

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ.(۱)

’’اور ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کا فضل (رزق) تلاش کرسکو۔‘‘

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۲)

’’پھر جب نماز ادا ہوچکے تو زمین میں منتشر ہوجاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔‘‘

(۲۰) مال باعثِ قیامِ زندگی

اسلام نے نفع مند مال کی تعریف کی ہے اور اس مال کے کمانے کی خواہش اور حرص کو اور اسے احسن طریقے سے خرچ کرنے اور اس مال کو مزید ثمر آور بنانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ ایسے امیر آدمی کو سراہا ہے جو مال ملنے پر شاکر ہو اور اس مال کو لوگوں کی منفعت اور خیر خواہی کے لئے خرچ کرے جبکہ اس ضمن میں سوائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اور کوئی چیز اس کے پیشِ نظر نہ ہو۔ اسلام میں ایسی کوئی فکر نہیں پائی جاتی جس کی بنیاد پر دنیا اور مال و دولت کو بُرا کہا جائے۔ ایسی فکر سے سوائے سرکشی اور فتنہ وفساد کے اور کوئی چیز جنم نہیں لیتی اور اس سے معصیت، فسق و فجور اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری پیدا ہوتی ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۲

(۲) الجمعۃ، ۶۲: ۱۰

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِیٰمًا. (۱)

''اورتم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

یہاں قرآن مجید نے مال اور معاش کو انسانی زندگی کی بقا و استحکام کی بنیاد قرار دیا ہے اور اس کی اہمیت واضح کی ہے۔ جب تک معاشرہ ٹھوس معاشی بنیادوں پر استوار نہیں ہو گا اس وقت تک خوشحالی اور آسودگی فرد کا مقدر نہیں بن سکتیں۔

(۲۱) اسلامی معاش اور اسلامی اخلاق کا باہم لزوم

قرآن مجید میں سورۃ الماعون کا سارا مضمون اسی تصور کو اجاگر کرتا ہے۔ یہاں قرآن مجید نے مسئلۂ معاش کو براہِ راست انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے امتیاز میں ایک مؤثر بلکہ فیصلہ کن عامل قرار دیا ہے اور اسی کو اخلاقِ اسلامی کی اساس قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کو یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. (۲)

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔''

قرآن مجید معاشرے میں اعتدال اور توازن قائم کر کے طبقاتی کشمکش کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینا چاہتا ہے اس لئے نیکی کے تصور کو محرومیوں کی آگ میں جلتے ہوئے لوگوں کی حالت سنوارنے سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ چند ہاتھوں میں وسائلِ قدرت کا ارتکاز تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس جڑ کو کاٹنے پر زور دیا گیا ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۵

(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کے لئے ان خصوصیات کا حامل ہونا ناگزیر ہے کہ اس میں سب اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے جان و مال اور عزت و آبرو کے محافظ بن جائیں اور جمہوری اقدار کی پاسداری کرنے والی حکومت بلا امتیاز ہر فردِ معاشرہ کو روزگار، علاج معالجہ، صحت، تعلیم و تربیت اور بنیادی ضرورتوں کی فراہمی یقینی بنائے۔ اس اسلامی معاشرے میں قانون کی حاکمیت (Rule of Law) کا دور دورہ ہو اور اس کا بنیادی ڈھانچہ اجتماعی عدل اور احسان کے غیر متبدل اصولوں پر استوار ہو۔ ربا اور تمام سودی لین دین یک قلم موقوف کر دیئے جائیں اور بلا سود بینکاری کو ہر سطح پر بلا تاخیر رائج کیا جائے تاکہ معاشی ناہمواریوں پر مبنی استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ ممکن ہو۔

اس نکتے کی وضاحت اس ارشادِ ربّانی سے ہوتی ہے:

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (۱)

”تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدّر کر دیا گیا ہے ○“

یہاں قرآن مجید نے مسئلہ معاش کو انسانی زندگی کی کشمکش اور اس سے جنم لینے والی رقابتوں اور عداوتوں کی علت اور اساس قرار دیا ہے اور انسانوں کو باور کرایا گیا ہے کہ اموال پر تمہیں فقط ایک خاص مدت کے لئے حقِ تصرف حاصل ہے، یہ زمین اللہ کی ہے اور وہی اس کا مالک ہے۔

۲۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں بنیادی معاشی اصطلاحات کا بیان

جس طرح قرآن مجید میں جگہ جگہ معاشیات کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح

(۱) البقرة، ۲: ۳۶

احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی معاشیات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چند فرموداتِ نبوی ﷺ درج ذیل ہیں:

(۲۲) اقتصادی اعتدال

۱۔ الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة.[۱]

’’خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔‘‘

۲۔ ما عال من اقتصد.[۲]

’’جس نے میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا۔‘‘

(۲۳) فریضہ طلبِ حلال

۱۔ طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.[۳]

’’رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۷

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۱۱۸
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۵۲

(۳) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱
۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱
۴۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸
۵۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۷: ۱۲۶

إذا صليتم الصبح فلا تناموا عن طلب أرزاقكم، فإن نومة الصبحة يمنع الرزق.(۱)

''جب صبح کی نماز ادا کر لو تو اپنے رزق کی طلب سے غافل ہو کر سو نہ جاؤ، کیونکہ صبح کی نیند رزق کو روکتی ہے۔''

(۲۴) محنت اور جائز تجارت

۱۔ عن رافع بن خديج، قال: قيل: يا رسول الله! أي الكسب أطيب؟ قال: عمل الرجل بيده و كل بيع مبرور.(۲)

''حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔''

۲۔ عن جابر بن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: رحم الله عبدًا سمحًا إذا باع، سمحًا إذا اشترى، سمحًا إذا اقتضى.(۳)

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم کرتا ہے جو بیچے تو نرمی سے بیچے، خریدے تو نرمی سے

---

(۱) ۱۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۲۱، رقم: ۹۲۹۹

۲۔ شعراني، كشف الغمة عن جميع الأمة، ۲: ۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۲۶۵

۲۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۱۲۴، رقم: ۹۸۶۱

۳۔ تبريزي، مشكاة المصابيح، ۲: ۱۳۳، رقم: ۲۷۸۳

(۳) ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب السماحة في البيع، ۲: ۷۴۲، رقم: ۲۲۰۳

خریدے اور فیصلہ کرے تو نرمی سے کرے۔‘‘

۳۔ عن صخر الغامدی قال: قال رسول اللہ ﷺ: اللھم بارک لأمتي في بکورھا.

قال: وکان إذا بعث سریة أو جیشًا بعثھم في أوّل النھار.

قال: وکان صخر رجلاً تاجرًا فکان یبعث تجارته في أوّل النھار فاثری وکثر ماله. (۱)

’’حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میری امت کو اس کی صبح میں برکت دے۔

’’حضرت صخر غامدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے کوئی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرمانا ہوتا تو شروع دن میں روانہ فرماتے۔

’’راوی کہتے ہیں کہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ تاجر آدمی تھے وہ اپنے تجارتی قافلے شروع دن میں روانہ کرتے تو وہ بہت مالدار ہو گئے اور ان کا مال بہت بڑھ گیا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز کے بعد ہی لین دین کے کاموں میں مشغول ہونا اور تجارت کرنا برکت کا ذریعہ ہے۔

(۲۵) عمدگیٔ اکتسابِ مال

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب ما یرجی من البرکة في البکور، ۲: ۷۵۲، رقم: ۲۲۳۶

نعم المال الصالح للمرء الصالح. (۱)

’’اچھا مال اچھے آدمی کے لئے اچھی چیز ہے۔‘‘

(۲۶) وسائل میں سوسائٹی کی شراکت اور اجتماعی کفالت

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

طعام الواحد یکفي الإثنین وطعام الإثنین یکفي الأربعة وطعام الأربعة یکفي الثمانیة. (۲)

’’ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

من کان معه فضل ظهر فلیعد به علی من لا ظهر له، ومن کان له فضل من زاد فلیعد به علی من لا زاد له، قال: فذکر من أصناف المال ما ذکر حتی رأینا أنه لا حق لأحد منا في فضل. (۳)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۷، رقم: ۱۷۷۶۳
۲۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۱۲، رقم: ۲۹۹
۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۲: ۲۵۹

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب فضیلة المواساة في الطعام القلیل، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
۲۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الزکاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

’’تم میں سے جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے جس کے پاس ضرورت سے زائد سامان خورد و نوش ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی بھی شے میں ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

(۲۷) قناعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طوبی لمن هدي إلی الإسلام وکان عيشه کفافاً وقنع. (۱)

’’قابلِ رشک ہے وہ شخص جس کو اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی، اسے بقدر کفایت زندگی کے ذرائع و وسائل ملے اور اس نے اس پر قناعت کی۔‘‘

اس حدیث میں ’’عيشة‘‘ سے مراد سامانِ زیست، ذریعۂ زندگی اور کھانے پینے کی چیزیں ہیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں ’’عیشہ‘‘ کے مترادف لفظ ’’رزق‘‘ استعمال ہوا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

قد أفلح من أسلم، ورزق کفافاً، وقنعه اﷲ بما آتاه. (۲)

’’جس نے اسلام قبول کیا اور اسے بقدرِ کفایت رزق عطا کیا گیا اور اللہ نے اپنے عطا کردہ مال پر قناعت عطا کر دی تو وہ شخص کامیاب ہوا۔‘‘

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۹، رقم: ۲۳۹۴۴
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۴۸۱، رقم: ۷۰۶

(۲) مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب في الکفاف والقناعة، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۰۵۴

(۲۸) غربت کا نتیجہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کاد الفقر أن یکون کفرًا. (۱)

’’ممکن ہے غربت و افلاس (کا ردِعمل) کفر کی حد تک پہنچ جائے۔‘‘

معاشی کفالت ہر شہری کا بنیادی حق ہے غربت و افلاس کے اندھیروں میں ایمان کی شمع کو روشن رکھنا اکثر ممکن نہیں رہتا۔ اندر کا انسان سرکشی اور بغاوت پر اتر آتا ہے اور یہ سرکشی اور بغاوت خالقِ کائنات کے وجود سے انکار پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔

(۲۹) مال ضائع کرنے کی ممانعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إن الله ینھاکم عن قیل وقال، وإضاعة المال، وکثرة السؤال. (۲)

’’اللہ تعالیٰ نے قیل و قال، ضیاعِ مال اور کثرتِ سوال سے منع کیا ہے۔‘‘

(۳۰) بہترین کمائی

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما أکل أحد طعامًا قط، خیرًا من أن یأکل من عمل یده، وأن نبي

---

(۱) ۱۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۵: ۲۶۷، رقم: ۶۶۱۲

۲۔ تبریزي، مشکاة المصابیح، ۳: ۸۲، رقم: ۵۰۵۰

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۴۹، رقم: ۱۸۱۷۹

۲۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۲: ۱۵۶، رقم: ۱۰۸۸، ۱۰۸۹

اللہ داود عليه السلام کان یأکل من عمل یده.(۱)

’’بہترین کھانا وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتے تھے۔‘‘

(۳۱) گداگری کی مذمت

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما یزال الرجل یسأل الناس، حتی یأتي یوم القیامة لیس في وجهه مزعة لحم.(۲)

’’آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب وہ حاضر ہوگا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔‘‘

(۳۲) حرمتِ مال اور احترامِ ملکیت

دوسروں کے مال کی حفاظت نہ کرنے کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے بلکہ ان کی املاک کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کی تعلیم دی ہے۔ یہ اس وقت تک ہے کہ جب تک اس کا منفعتِ عامہ کے ساتھ تعارض نہ ہو۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

---

(۱) بخاري، الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بیده، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الزکاة، باب من سأل الناس تکثراً، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب، باب کراهة المسألة للناس، ۲: ۷۲۰، رقم: ۱۰۴۰

۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۹: ۳۳۱، رقم: ۹۸۷۲۰

كل المسلم على المسلم حرام، دمه وماله وعرضه.(۱)

’’ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔‘‘

۳۔ عہدِ خلافت راشدہ میں معاشیات

قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ ﷺ سے ملنے والی تعلیمات کی روشنی میں خلفائے راشدین نے علمِ معاشیات کو اسلامی تناظر میں اپنایا اور اس کو عملی صورت میں نافذ کر دکھایا۔ ذیل میں ہم خلفائے راشدین کے دور میں معاشیات کے استعمال کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(۳۳) انکارِ زکوٰۃ پر جہاد

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد جن بنیادی امور کو سرانجام دیا ان میں سے ایک منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد بھی شامل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

والله لأقاتلن من فرق بين الصلاة والزكاة فإن الزكاة حق المال والله لو منعوني عناقًا كانوا يؤدونها إلى رسول الله ﷺ لقاتلتهم على منعها.(۲)

’’خدا کی قسم میں ہر اس شخص سے جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے، جہاد کروں گا کیونکہ زکوٰۃ دینا مال کا حق ہے خدا کی قسم! اگر کوئی بکری کا ایک بچہ بھی دینے سے انکار کرے جو وہ بطور زکوٰۃ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتا تھا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔‘‘

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۷۷، رقم: ۷۷۲۷

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة وقول الله تعالى أقيموا الصلاة وآتوا الزكاة، ۲: ۵۰۷، رقم: ۱۳۳۵

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عزمِ مصمم سے یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نظر میں زکوٰۃ یعنی مالی معاملات کی کتنی اہمیت تھی۔

(۳۴) زرعی پیداوار میں معاشی حقوق

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم من أبي بكر الصديق إلى أبي عبيدة بن الجراح سلام عليک فإني أحمد إليک الله الذي لا إله إلا هو أما بعد فمن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليمنع من الفساد من قرى الداريين وإن كان أهلها قد جلوا عنها وأراد الداريون أن يزرعوها فعلوا فإذا رجع أهلها إليها فهي لهم وأحق منهم والسلام عليک. (۱)

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ابو بکر صدیق سے ابو عبیدہ بن جراح کی طرف تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے ساتھ اس اللہ کی نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے بعد پس جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ داریین کی بستیوں میں فساد بپا کرنے سے باز رہے اگرچہ اُن بستیوں میں بسنے والے (داریین) جلا وطنی ہی کیوں نہ اختیار کر چکے ہو۔ اور اگر وہ اس (گاؤں) میں کچھ بونے (کاشت) کا ارادہ رکھیں تو وہ بو سکتے ہیں۔ پس جب اس کے اہل ان (بستیوں) کی طرف پلٹ کر آئیں تو وہ ان کی ہیں اور ان کی ملکیت کے زیادہ حقدار ہیں آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔‘‘

(۱) ابن عساکر، تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، ۳: ۳۵۵

(۳۵) بیت المال سے حکمران کا مشاہرہ

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے تو ان کے لئے بیت المال سے کچھ خرچ مقرر کیا گیا۔ ذیل میں بیان کیے گئے نکات اسلام کے معاشی نظام کے عملی اسلوب میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قال عطاء بن السائب: لما استخلف أبو بكر أصبح غاديًا إلى السوق وعلى رقبته أثواب يتجر بها فلقيه عمر بن الخطاب وأبو عبيدة بن الجراح. فقالا له: أين تريد يا خليفة رسول الله؟ قال: السوق، قالا: تصنع ماذا وقد وليت أمر المسلمين؟ قال: فمن أين أطعم عيالي؟ قالا له: انطلق حتى نفرض لک شيئًا فانطلق معهما ففرضوا له کل يوم شطر شاة وما كسوه في الرأس والبطن. (۱)

’’عطا بن سائب سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو ایک روز صبح کو وہ بازار کی طرف جا رہے تھے ان کے کندھے پر وہ کپڑے تھے جن کی وہ تجارت کرتے تھے انہیں عمر بن خطاب اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما ملے دونوں نے کہا: اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کہاں کا ارادہ کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: بازار کا۔ دونوں نے کہا کہ آپ یہ کرتے ہیں حالانکہ آپ مسلمانوں کے امور کے والی ہیں؟ انہوں نے کہا: پھر میں اپنے عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ دونوں نے ان سے کہا کہ آپ (ہمارے ساتھ) چلئے ہم آپ کا کچھ حصہ مقرر کرتے ہیں۔ وہ ان کے ہمراہ گئے ان لوگوں نے آپ کے لئے روزانہ نصف بکری اور پہننے کو کپڑے بیت المال سے مقرر کر دیئے۔‘‘

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۱۸۴
۲۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۲: ۴۷۳

عن حميد بن هلال قال: لما بُويع أبو بكر أصبح وعلى ساعده أبراد فقال عمر: ما هذا؟ قال يعني لي عيال، قال: لا انطلق يفرض لک أبو عبيدة، فانطلقا إلى أبي عبيدة. فقال: افرض لک قوت رجل من المهاجرين وكسوته ولک ظهرک إلى البيت.(۱)

''حمید بن ہلال سے مروی ہے کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو اگلی صبح آپ چادریں کندھے پر لئے (بازار کی طرف جا رہے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے بھی اہل و عیال ہیں (یہ ان کے لئے سامانِ رزق ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں (آپ ایسا نہ کریں) آپ جائیں ابو عبیدہ آپ کے لئے کچھ (وظیفہ) مقرر کر دیتے ہیں۔ پس وہ دونوں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف گئے۔ انہوں نے کہا: میں آپ کے لئے مہاجرین میں سے ایک عام بندے کے برابر کھانا اور کپڑے اور گھر (آنے جانے) کے لئے ایک سواری مقرر کر دیتا ہوں۔''

(۳۶) کسبِ معیشت کی تدابیر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی نصیحت کیا کرتے:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق، ويقول: اللّهم! ارزقني. وقد علم أن السماء لا تمطر ذهبًا ولا فضة، وأن الله إنما يرزق الناس بعضهم من بعض، وتلا قوله تعالى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَ اذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○(۲)**﴾.**(۳)

(۱) ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۲: ۴۷۲

(۲) الجمعة، ۶۲: ۱۰

(۲) كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

''تم میں سے کوئی بھی آدمی طلبِ رزق کے ذرائع کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ بے شک آسمان سونا چاندی نہیں برساتا اور بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے پھر آپ نے اللہ کے اس قول کی تلاوت فرمائی: ﴿پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo﴾۔''

(۳۷) غریبوں کی بحالی عزت اور ترغیبِ محنت

۱۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غریبوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشر الفقراء! ارفعوا رؤوسكم فقد اتضح الطريق. فاستبقوا الخيرات، ولا تكونوا عيالا على المسلمين. (۱)

''اے گروہِ فقراء! اپنے سروں کو اٹھاؤ بے شک تمہارے سامنے ایک واضح راستہ ہے اور نیکیوں کی طرف سبقت لے جاؤ اور دوسرے مسلمانوں پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جاؤ۔''

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق، ويقول: اللّهم! ارزقني. وقد علم أن السماء لا تمطر ذهبًا ولا فضة. (۲)

''تم میں سے کوئی شخص طلبِ رزق کے لئے (ہاتھ پر ہاتھ دھر کر) نہ بیٹھا

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۱، رقم: ۱۲۱۶
۲۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۲۸۵، رقم: ۱۹۲۱
۳۔ كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

(۲) كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

رہے، درآنحالیکہ وہ کہہ رہا ہو: اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما اور وہ جان لے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا۔‘‘

(۳۸) زائد دولت میں محتاجوں کا حق

ابن حزم (م ۴۵٦ھ) لکھتے ہیں:

قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين. (۱)

’’حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ اربابِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔‘‘

(۳۹) معاشی کفالت میں معاشرتی ضمانت

اسلام نے ہر شہری کو معاشرتی ضمانت، راحت و سکون اور معیشت کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ یہ اس وقت تک ہے جب تک وہ اپنے فرائض کو بجا لا رہا ہے یا کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک یہودی کے پاس سے گزرے جو کہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا۔ انھوں نے اسے ڈانٹا اور اس پوچھا کہ کس چیز نے اسے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ کسی مجبوری کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے گئے اور کچھ مال دیا اور اس سے جزیہ ختم کر دیا۔ امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

مرّ عمر بن الخطاب رضي الله عنه بباب قوم وعليه سائل يسأل، شيخ كبير

(۱) ابن حزم، المحلي، ٦: ۱۵۸

ضرير البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من أي أهل الكتاب أنت؟ فقال: يهودي. قال: فما ألجاک إلى ما رأى؟ قال أسئل الجزية والحاجة والسن.

قال: فأخذ عمر بيده وذهب إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل. ثم أرسل إلى خازن بيت المال فقال: انظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه إن أكلنا شبيبته ثم نخذله عند الهرم ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ والفقراء هم المسلمون، وهذا من المساكين من أهل الكتاب ووضع عنه الجزية وعن ضربائه.[1]

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے کسی شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے وہاں ایک سائل سوال کر رہا تھا جو نہایت ضعیف اور اندھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر پیچھے سے مارا اور کہا کہ تم کس اہلِ کتاب سے ہو؟ اس نے کہا کہ یہودی ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے اس امر پر کس نے مجبور کیا جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا کہ میں جزیہ کی ادائیگی، حاجات کی تکمیل اور عمر رسیدگی کی وجہ سے سوال کرتا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنے گھر سے کچھ مال دیا پھر اسے بیت المال کے خازن کی طرف بھیجا اور کہا کہ اسے اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کو دیکھو۔ خدا کی قسم! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ اس کی جوانی سے تو ہم نے خوب فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے رسوا کر دیا (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) ﴿بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں﴾ (اور فرمایا:) فقراء سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہلِ کتاب مساکین میں

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس جیسے دیگر کمزور لوگوں سے جزیہ ساقط کر دیا۔‘‘

(۴۰) اجتماعی معاشی تعاون

عن أبي عثمان قال كتب إلينا عمر ونحن بأذربيجان: يا عتبة بن فرقد! إنه ليس من كدّك ولا من كدّ أبيك ولا من كدّ أمك فاشبع المسلمين في رحالهم مما تشبع منه في رحلك. (۱)

’’حضرت ابو عثمان فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں آذربائیجان میں خط لکھا کہ اے عتبہ بن فرقد! یہ دولت نہ تیری کمائی ہے نہ تیرے باپ کی کمائی ہے اور نہ ہی تیری ماں کی، اس لئے مسلمانوں کے گھروں میں رزق پہنچاؤ جس طرح اپنے اہلِ خانہ کو پہنچاتے ہو۔‘‘

(۴۱) فرضیتِ ادائیگیِ زکوٰۃ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی مالی معاملات کے بارے میں گاہے بگاہے ہدایات دیتے رہتے تھے۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا ماہ جب قریب آتا تو آپ رضی اللہ عنہ زکوٰۃ کے لئے اعلان کرتے اور فرماتے:

هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدون منه الزكاة. (۲)

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة، ۳: ۱۶۴۲، رقم: ۲۰۶۹

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الزكاة، باب الزكاة في الدين، ۱: ۲۵۳، رقم: ۵۹۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۴۸، رقم: ۷۳۹۵

”یہ تمہاری زکوٰۃ (ادا کرنے) کا مہینہ ہے پس جس کے اوپر قرض ہو وہ اسے ادا کر دے تاکہ تم اپنے (حقیقی) مال حاصل کرو اور پھر اس سے زکوٰۃ دو۔“

(۴۲) جبری محنت کی ممانعت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جہاں مال کمانے کی تلقین کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ آپ رضی اللہ عنہ Child Labour کے بھی خلاف تھے۔ موطأ امام مالک میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لا تكلّفوا الأمة غير ذات الصنعة الكسب فإنكم متى كلّفتموها ذلك كسبت بفرجها ولا تكلّفوا الصغير الكسب فإنه إذا لم يجد سرق وعفوا إذ أعفكم الله وعليكم من المطاعم بما طاب منها. [1]

”جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو جب تم اس کو مجبور کرو گے تو وہ اپنی شرمگاہ کے ذریعے کمائے گی اور چھوٹے بچے کو کام پر مجبور نہ کرو جب وہ (کام) نہیں پائے گا تو چوری کرے گا، تم ان پر (محنت کو) معاف کر دو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے معاف کی ہے اور اپنے لیے پاکیزہ وحلال روزی کو لازم کر لو۔“

(۴۳) حکام وعمال کے لئے اقتصادی احکامات

دیگر خلفاء کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی معاشی معاملات میں اپنے عمال کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے خراج وصول کرنے والے عمال کو

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستئذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

اپنے خط میں لکھا:

فإنكم خزان الرعية ووكلاء الأمة وسفراء الآئمة. ولا تحسموا أحداً عن حاجته، ولا تحبسوا عن طلبته، ولا تبيعن للناس في الخراج كسوة شتاء، ولا صيف، ولا دابة يعتملون عليها، ولا عبداً ولا تضربن أحدا سوطا لمكان درهم، ولا تمسن مال أحد من الناس مصلّ ولا معاهد، إلا أن تجدوا فرساً أو سلاحاً يعدى به على أهل الإسلام. (۱)

''تم رعایا کے خزانہ دار، امت کے نمائندے اور آئمہ کے سفیر ہو خبردار کسی شخص کو اس کی ضرورت پورا کرنے سے نہ روکنا اور اس کے مطلوب کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہ کرنا اور خراج وصول کرنے کے لئے اس کے سردی یا گرمی کے کپڑے نہ بیچ ڈالنا اور نہ اس جانور یا غلام پر قبضہ کرنا جو اس کے کام آتا ہے اور کسی کو درہم (پیسے) کی خاطر نہ مارنے لگنا اور کسی مسلمان یا کافر ذمی کے مال کو ہاتھ نہ لگانا مگر یہ کہ اس کے پاس کوئی ایسا گھوڑا یا اسلحہ ہو جسے دشمنانِ اسلام کو دینا چاہتا ہو۔''

(۴۴) ٹیکس اور زرعی محصولات

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مصر میں مقرر کردہ عامل حضرت مالک بن اشتر نخعی رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا:

تفقد أمر الخراج بما يصلح أهله فإن في صلاحه وصلاحهم صلاحًا لمن سواهم، ولا صلاح لمن سواهم إلا بهم لأن الناس

(۱) سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ، نہج البلاغہ، ۳: ۸۰

كلهم عيال على الخراج وأهله. وليكن نظرك في عمارة الأرض أبلغ من نظرك في استجلاب الخراج لأن ذلك لا يدرك إلا بالعمارة. ومن طلب الخراج بغير عمارة أخرب البلاد وأهلك العباد، ولم يستقم أمره إلا قليلا، فإن شكوا ثقلا أو علة أو انقطاع شرب أو بالة أو إحالة أرض اغتمرها غرق أو أجحف بها عطش خففت عنهم بما ترجوا أن يصلح به أمرهم. (۱)

''خراج اور مالگزاری میں وہ طریقہ اختیار کرنا جو مالگزاروں کے حق میں زیادہ مناسب ہو کہ خراج اور اہل خراج کی اصلاح ہی میں سارے معاشرے کی اصلاح ہے اور کسی کے حالات کی اصلاح خراج کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی، لوگ سب کے سب اسی خراج کے بھروسے زندگی گزارتے ہیں۔ خراج میں تمہاری نظر مال جمع کرنے سے زیادہ زمین کی آبادکاری پر ہونی چاہیے کہ مال کی جمع آوری زمین کی آبادکاری کے بغیر ممکن نہیں ہے اور جس نے آبادکاری کے بغیر مالگزاری کا مطالبہ کیا اس نے شہروں کو برباد کر دیا اور بندوں کو تباہ کر دیا اور اس کی حکومت چند دنوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد اگر لوگ گرانباری، ناگہانی آفت، نہروں کی خشکی، بارش کی کمی، زمین کی غرقابی کی بنا پر تباہی اور خشکی کی بنا پر بربادی کی کوئی فریاد کریں تو ان کے خراج میں اس قدر تخفیف کر دینا کہ ان کے امور کی اصلاح ہو سکے۔''

(۴۵) تاجروں اور صنعت کاروں کے لئے ہدایات

اس خط میں تاجروں اور صنعتکاروں کے بارے میں فرمایا:

استوص بالتجار وذوي الصناعات، وأوص بهم خيرًا: المقيم

(۱) سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ، نہج البلاغہ: ۵۸۴

منهم، والمضطرب بماله، والمترفق ببدنه، فإنهم مواد المنافع وأسباب المرافق، وجلابها من المباعد والمطارح، في برّک وبحرک، وسهلک وجبلک، وحيت لا يلتئم الناس لمواضعها ولا يجترءون عليها. فإنهم سلم لا تخاف بائقته، وصلح لا تخشى غائلته.(۱)

’’تاجروں اور صنعتکاروں کے بارے میں نصیحت کرو اور دوسروں کو ان کے ساتھ نیک برتاؤ کی نصیحت کرو، چاہے وہ ایک مقام پر کام کر رہے ہوں یا جا بجا گردش کرنے والے ہوں اور جسمانی محنت سے روزی کمانے والے ہوں۔ اس لیے کہ یہی افراد منافع کا مرکز اور ضروریات زندگی مہیا کرنے کا وسیلہ ہوتے ہیں یہی دور دراز مقامات بر و بحر، کوہ و میدان ہر جگہ سے ان ضروریات کو فراہم کرنے والے ہوتے ہیں جہاں لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی ہے اور جہاں تک جانے کی لوگ ہمت نہیں کرتے۔ یہ وہ امن پسند لوگ ہیں جن سے فساد کا خطرہ نہیں ہوتا اور وہ صلح و آشتی والے ہوتے ہیں جن سے کسی شورش کا اندیشہ نہیں ہوتا۔‘‘

مندرجہ بالا روایات کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ایسی ملتی ہیں جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں معاشرے میں معاشی اصلاحات کے نفاذ میں اہم کردار ادا کیا۔

۴۔ دورِ بنو امیہ کے چند معاشی نظائر

اسلام نے معاشی حوالے سے جو اپنی اصلاحات متعارف کرائیں ان کا کوئی ثانی اور نظیر نہیں ہے۔ اسلام کی معاشی اصلاحات ہر زمانے اور دور میں عمل پذیر رہی ہیں۔

(۱) سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ، نہج البلاغہ: ۵۸۶

خلافتِ راشدہ کے عہد میں معاشیات کی چند مثالیں بیان ہوچکی ہیں۔ ذیل میں ہم دورِ بنو امیہ میں سے معاشیات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۴۶) اُموی عمال کی مالی پالیسی

دورِ بنوامیہ کے آغاز سے ہی اسلامی ریاست میں مختلف فتنوں نے جنم لے لیا تھا جن کا قلع قمع کرنے میں مسلمان حکمرانوں کی کافی توانائیاں صرف رہیں۔ ان فتنوں سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمرانوں نے معاشی میدان میں اصلاحات کا عمل جاری رکھا۔ اُموی دور کے ایک خلیفہ عبدالملک بن مروان کے بارے میں امام ابو یوسف (۱۱۳۔ ۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

فلما ولي عبد الملک بن مروان بعث الضحاک بن عبد الرحمن الأشعری فاستقل ما یؤخذ منهم فأحصی الجماجم، وجعل الناس کلهم عمالا بأیدیهم، وحسب ما یکسب العامل سنته کلها ثم طرح من ذلک نفقته في طعامه وأدمه وکسوته وحذائه وطرح أیام الأعیاد في السنة کلها، فوجد الذي یحصل بعد ذلک في السنة لکل واحد أربعة دنانیر فألزمهم ذلک جمیعًا وجعلها طبقة واحدة، ثم حمل الأموال علی قدر قربها وبعدها فجعل علی کل مائة جریب زرع مما قرب دینارًا، وعلی کل ألف أصل کرم مما قرب دینارًا وعلی کل ألفي أصل مما بعد دینارًا، وعلی الزیتون علی کل مائة شجرة مما قرب دینارًا، وعلی کل مائتي شجرة مما بعد دینارًا، وکان غایة البعد عنده مسیرة الیوم والیومین وأکثر من ذلک، وما دون الیوم

فهو في القرب.(۱)

’’جب عبد الملک بن مروان خلیفہ بنے تو انہوں نے ضحاک بن عبد الرحمٰن اشعری کو بھیجا جب وہ وہاں مستقل رہے تو وہ ان لوگوں سے جو کچھ بھی لیتے تھے ان کا شمار غیر واضح طور پر کرتے اور انہوں نے اپنے لئے تمام لوگوں کو مزدور بنا رکھا تھا اور مزدور سارا سال جو کماتے اس کا حساب کرتے پھر اس میں اس کا نفقہ جو کہ اس کے کھانے پینے، سالن، کپڑوں اور اس کے جوتوں کا حساب نکالتے اور اسی طرح سال کی تمام عیدوں کا بھی خرچ نکالتے اور اس کے بعد ہر ایک کے حساب میں جو کچھ بھی بچتا تھا وہ چار دینار ہوتا تھا پھر وہ تمام رقم ان کے ہاتھ میں دے دیتے اور انہوں نے ایک طبقہ ایسا بھی بنا رکھا تھا جو یہ تمام اموال جمع کرتا پھر ان اموال کو دور و نزدیک کی مسافت کے اعتبار سے اٹھاتا تھا۔ اور انہوں نے زراعت کے قریب والے سو کھیتوں پر ایک دینار مقرر کیا ہوا تھا اور اسی طرح قریب کی ہر ہزار ٹھوس چیزوں پر تعظیماً ایک دینار مقرر تھا اور اسی طرح دور کی ہر دو ہزار چیزوں پر بھی ایک دینار مقرر تھا۔ اسی طرح قریب کے زیتون کے سو درختوں پر بھی ایک دینار مقرر تھا اور ان کے نزدیک مزدور سے کام لینے کی غرض کچھ اس طرح ہوتی تھی کہ وہ ایک دن یا دو دن کی مسافت کے مطابق یا اس سے بھی زیادہ سفر کرے اور ان کے نزدیک جو سفر ایک دن کی مسافت سے کم ہوتا تو وہ قریب میں شمار ہوتا۔‘‘

(۴۷) عوامی بہبود پر خرچ کرنے کی تلقین

عبد الملک بن مروان نے حسان بن نعمان کو ایک خط کے ذریعے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے مال خرچ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے لکھا:

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۴۴

إني قد اطلقت يدک في أموال مصر فأعط من معک ومن ورد عليک وأعط الناس واخرج إلى بلاد أفريقية على برکة الله وعونه.[۱]

''بے شک میں نے تمہارا ہاتھ مصر کے مال کے لئے آزاد کر دیا ہے پس جو کچھ آپ کے پاس ہے اس میں سے (لوگوں کو) دو اور جو آپ کے لئے آیا ہے اس میں سے بھی دو، اللہ تعالیٰ کی برکت اور مدد کے بل بوتے پر (مصر کے علاوہ) افریقہ کے (باقی) ممالک کی طرف بھی نکلو (اور انہیں فتح کرو)۔''

(۴۸) معاشی معاملات میں ایمانداری

اموی دور کے ایک اور نامور خلیفہ عمر بن عبد العزیز ہیں۔ ان کی فہم و فراست اور عمدہ حکمتِ عملی کی وجہ سے ان کو خلیفۂ خامس بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی اصلاحات میں بھی معاشی مسائل کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں بے شمار ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے معاشی حالات کو بہتر بنانے کے لئے بے شمار کام کئے۔ ان کی معاشی حوالے سے دلچسپی کو درج ذیل واقعات سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اپنے عمال کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

فلا تخرجن لأحد من العمال رزقاً في العامة والخاصة فإنه ليس لأحد أن يأخذ رزقاً من مکانين في الخاصة والعامة ومن کان أخذ من ذلک شيئاً فاقبضه منه ثم أرجعه إلى مکانه الذي قبض منه.[۲]

''کوئی بھی عامل عام اور خاص دونوں طریقوں سے رزق نہ نکالے کسی ایک کے

(۱) محمد ماهر حماده، الوثائق السياسية والإدارية (العائده للعصر الأموي): ۳۰۲۔ بحواله ابن عذاري، البيان المغرب، ۱: ۲۲

(۲) ابن سعد، الطبقات الکبرى، ۵: ۳۷۷

لئے بھی یہ درست نہیں کہ وہ دو جگہوں (یعنی) خاص و عام سے رزق حاصل کرے اور جس کسی نے بھی اس طرح سے کوئی چیز حاصل کی تو اس سے وہ چیز واپس لے لو پھر اس چیز کو واپس اس کی جگہ پر لوٹا دو جہاں سے وہ لی گئی ہو۔‘‘

(۴۹) چونگی و محصولات

اپنے عمال کے نام دوسرے خط میں عمر بن عبدالعزیز نے لکھا:

إني ظننت إن جعل العمال على الجسور والمعابر أن يأخذوا الصدقة على وجهها فتعدى عمال السوء غير ما أمروا به وقد رأيت أن أجعل في كل مدينة رجلاً يأخذ الزكاة من أهلها فخلوا سبل الناس في الجسور والمعابر.[1]

’’میرا خیال ہے کہ عمال کو پلوں اور گزرگاہوں پر کھڑا کیا جائے تاکہ وہ جانوں کے عوض ان سے صدقہ لیں اس کام کے علاوہ جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے یہ عمال برائی کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں اور میں نے چاہا کہ ہر شہر میں ایک آدمی کو مقرر کروں جو اس شہر کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے پس تم لوگوں کی گزرگاہوں اور پلوں کو خالی کر دو۔‘‘

(۵۰) حلال و حرام کی تمیز

حضرت عمر بن عبد العزیز نے جراح بن عبد اللہ کے نام اپنے خط میں لکھا:

إن استطعت أن تدع مما أحل الله لک ما يكون حاجزاً بينک وبين ما حرم الله عليک فافعل فإنه من استوعب الحلال كله

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۵: ۳۷۸

تاقت نفسه إلى الحرام.[1]

''اگر تو اللہ تعالیٰ کی وہ چیزیں جو اس نے تیرے لئے حلال ٹھہرائی ہیں ان میں سے ان چیزوں کو چھوڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو تیرے اور تجھ پر اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے درمیان رکاوٹ ہیں تو ان کو چھوڑ دے کیونکہ جس نے تمام حلال کا لقمہ اکٹھا کر لیا تو اس کا نفس حرام کی خواہش بھی (ضرور) کرتا ہے۔''

۵۔ دورِ بنو عباس کے چند معاشی نظائر

معاشی مسئلہ ایسا مسئلہ ہے جو ہر دور میں انسان کے ساتھ ساتھ رہا ہے۔ دورِ بنو عباس میں بھی مسلمان خلفاء نے معاشیات کو خاص اہمیت دی۔ اسی دور کے خلیفہ ابو جعفر منصور اور ہارون الرشید نے معاشی حالات کو بہتر بنایا اور بیت المال کی بہتری کے لئے اہم اقدامات کئے۔

(۵۱) بچت کی معیشت

ابو جعفر منصور کی جب وفات ہوئی تو اس نے بیت المال میں کثیر رقم چھوڑی۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

وقد خلف يوم مات في بيوت الأموال تسعمائة ألف ألف درهم وخمسين ألف ألف درهم.[2]

''اور جب (ابو جعفر منصور) کی وفات ہوئی تو اس نے بیت المال میں جو رقم

(۱) محمد ماهر، الوثائق السياسية والإدارية (العائدة للعصر الأموى): ۴۳۰۔ بحواله جاحظ، البيان والتبيين، ۳: ۱۷۰

(۲) ذهبي، تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام (۱۴۱۔۱۶۰ھ)، ۹: ۴۶۷

چھوڑی وہ پچانوے کروڑ درہم تھی۔‘‘

(۵۲) طلبِ حلال کی ترغیب

ابوجعفر منصور کام کرنے اور طلبِ حلال کی ترغیب دیتا تھا۔ تاریخ یعقوبی میں ہے:

من رضي من الله باليسير من الرزق رضي منه باليسير من العمل، ومن لم يستحِ من طلب الحلال خفت مؤونته و نعم أهله. (۱)

’’جو اللہ سے تھوڑے رزق پر راضی ہوا تو وہ (اللہ) اس سے تھوڑے عمل پر راضی ہوا اور جس نے رزقِ حلال حاصل کرنے میں شرم محسوس نہ کی تو اس کی (مالی) کمزوری دور ہو جاتی ہے اور (یہ محنت) اس کے اہلِ (خانہ) کے لئے نعمت بن جاتی ہے۔‘‘

(۵۳) صدقہ کرنے کی حوصلہ افزائی

ابوجعفر منصور مال خرچ کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے کی تلقین ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الصدقة تطفيء غضب الرب. (۲)

’’صدقہ اللہ رب العزت کے غضب و ناراضگی کو ختم کر دیتا ہے۔‘‘

(۵۴) اسراف سے پرہیز

صدقہ و خیرات کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اسراف سے بچنے کی بھی تلقین کرتا تھا:

فالله الله في أنفسكم فصونوا و في أموالكم فاحتفظوا بها، وإياكم

(۱) يعقوبي، التاريخ، ۲: ۳۸۱

(۲) يعقوبي، التاريخ، ۲: ۳۸۲

والإسراف.[1]

بخدا اللہ تمہارے اندر ہے (اس کی) حفاظت کرو اور تمہارے اموال میں ہے اس سے (اس کو) محفوظ کرو اور اسراف وفضول خرچی سے بچو۔''

(۵۵) اسلامی معاشی علوم کی ترویج واشاعت

ہارون الرشید کا شمار دورِ عباسیہ کے اہم حکمرانوں میں ہوتا ہے اس نے امام ابو یوسف کو قاضی القضاء کے عہدے پر فائز کر رکھا تھا۔ ہارون الرشید کی مالی معاملات میں دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے امام ابو یوسف کو کتاب الخراج لکھنے کا کہا۔ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں خود اس بات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

إن أمير المؤمنين (أيده الله تعالى) سألني أن أضع له كتابًا جامعاً يعمل به في جباية الخراج، والعشور والصدقات والجوالي وغير ذلک مما يجب عليه النظر فيه والعمل به، وإنما أراد بذلک رفع الظلم عن رعيته، والصلاح لأمرهم.[2]

''بے شک امیر المؤمنین (اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے) نے مجھے ایک ایسی جامع کتاب لکھنے کا کہا جس سے خراج، عشور، صدقات، اہل الذمہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے احکام پر عمل کر سکے۔ جن کی طرف غور وفکر کرنا اور عمل کرنا ضروری ہے اور بے شک اس کا اس (کام) سے ارادہ یہ ہے کہ اس کی رعایا سے ظلم ختم ہو جائے اور ان کے معاملات کی اصلاح ہو جائے۔''

(۱) يعقوبي، التاريخ، ۲: ۳۸۷

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۳

(۵۶) دفینوں کی حوصلہ شکنی

ہارون الرشید مال کو دفینوں کی صورت میں بچا کر رکھنے کے سخت خلاف تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ایک عامل نے مال کو دفینے کی صورت میں جمع کرر کھا تھا اس بات کی خبر جب ہارون الرشید کو ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوا۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

وكان ابنه دفن في بستان داره أموالاً نحو ثلاثين ألف ألف، ولم يدر بها علي. فأعلمت جارية لعيسى بعض الخدم، وتحدث به الناس، فاجتمع أعيان البلد وانتهبوا المال هم والعامة. فعلم الرشيد فغضب وعزله وأخذ أمواله فبلغت ثمانين ألف ألف.(۱)

''اور اس کے بیٹے (یعنی علی بن عیسیٰ جو کہ عامل تھا) نے اپنے گھر کے باغیچہ میں تین کروڑ مالیت کے اموال دفن کرر کھے تھے۔ اس (مال) کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ پس عیسیٰ کے خادموں میں سے ایک خادمہ کو اس کا علم ہو گیا اور اس نے یہ بات لوگوں کو بیان کی۔ پس ملک کے باشندے جمع ہو گئے انہوں نے مال کو ختم کر دیا جب ہارون الرشید کو علم ہوا تو وہ بہت غصہ و ناراض ہوا اس نے اسے معزول کر دیا اور اس سے سارا مال واپس لے لیا جس کی مالیت آٹھ کروڑ بنتی تھی۔''

(۵۷) بچت کی حوصلہ افزائی

ہارون الرشید دفینوں کی صورت میں مال پس انداز کرنے کے خلاف تھا مگر ضروری اخراجات کے بعد بچت کرنے کا بھی خواہاں تھا۔ اسی لئے اس نے وفات کے بعد جو ترکہ چھوڑا اس کی مالیت کروڑوں دینار تھی۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

(۱) ذهبي، تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام (۱۹۱۔۲۰۰ھ)، ۱۳: ۷

إن الرشيد خلف من الأثاث والعين والورق والجواهر والدواب ما قيمته مائة ألف ألف دينار وخمسة وعشرون ألف دينار.[1]

''ہارون الرشید نے (اپنے فوت ہونے کے بعد) جو اثاثہ جات چھوڑے ان میں چشمے، جواہر و نوادرات اور مال مویشی شامل تھے جن کی قیمت دس کروڑ پچیس ہزار دینار تھی۔''

دورِ بنو عباس ہی وہ دور ہے کہ جس میں ائمہ اربعہ نے اسلامی فقہ کو مرتب کیا اور معاشی معاملات مثلاً تجارت، خرید و فروخت، خراج، عشر، زکوٰۃ اور مزارعت وغیرہ کے قوانین قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کئے۔ لہٰذا اسلامی تاریخ میں معاشی علم کے فروغ کے لئے یہ دور بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔

۶۔ اسلامی اندلس کے چند معاشی نظائر

سپین خطۂ ارض میں یورپ کا ایک خوبصورت حصہ ہے۔ اسے اندلس، سپین یا جزیرہ نما آئی بیریا بھی کہا جاتا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے اندلس کے تین اطراف میں پانی اور ایک طرف خشکی ہے۔ اس خطہ کے مغرب میں بحر اوقیانوس، جنوب میں آبنائے جبل الطارق، مشرق میں بحیرۂ روم اور شمال میں فرانس واقع ہے۔

(۵۸) زراعت کا فروغ

مسلمانوں کی آمد سے قبل اندلس کے باسیوں کے حالات ناگفتہ بہ تھے مسلمانوں نے جہاں اس خطے کی ظلمت و جہالت کو دور کرنے کے لئے یونیورسٹیاں قائم کیں اور ثقافتی لطائف پیدا کئے وہاں انہوں نے عوام کی خوشحالی میں اضافہ کرنے اور ملک کی دھن و

(۱) ذهبي، تاريخ الاسلام ووفيات المشاهير والأعلام (۱۹۱-۲۰۰ھ)، ۱۳: ۴۲۹

دولت بڑھانے کے لئے زراعت اور صنعت و حرفت کی طرف بھی بھرپور توجہ دی۔ انہوں نے اپنی ان یونیورسٹیوں میں زراعت کو باقاعدہ ایک مضمون کے طور پر پڑھا اور پڑھایا جس سے زراعت کے شعبہ نے بہت ترقی کی۔ سلمی الخضر اء الجیوسی لکھتے ہیں:

درس زراعيو الأندلس المسلمة تركيب التربة وسعوا جهدهم في استصلاح الأراضي البور. [۱]

''اندلس کے مسلمان کاشتکاروں نے زمین کی کیمیائی ساخت کا مطالعہ کیا اور غیر آباد اراضی کی اصلاح اور آباد کاری کے لئے مسلسل جدوجہد اور محنت سے کام کیا۔''

(۵۹) آبپاشی کی طرف توجہ

مسلمانوں نے اندلس میں آبپاشی کے جدید نظام متعارف کرائے خاص طور پر الطغنري الغرناطي کا نام قابلِ ذکر ہے جس کے بارے میں سلمی لکھتا ہے:

يمكن القول إن الطغنري الغرناطي هو أحد المؤلفين الأكثر أصالة ضمن أولئک الذين تناولوا موضوع المياه. [۲]

''یہ بات بھی ممکن ہے کہ طغنري الغرناطي ان اکثر مؤلفین میں سے ایک ہے جنہوں نے آبپاشی کے موضوع پر لکھا۔''

(۶۰) زرعی آلات کا استعمال

زرعی آلات اور ان کے استعمال کے بارے میں سلمی کہتا ہے:

يمكن القول أن أدوات الزراعة كانت مصنوعة في أغلبيتها من

(۱) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۳۰۴

(۲) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۳۷۹

الحدید وکانت بسیطة. [۱]

’’یہ بات بھی ممکن ہے کہ (اس وقت) زیادہ تر زرعی آلات لوہے کے بنے ہوئے تھے اور استعمال میں آسان تھے۔‘‘

(۶۱) زرعی تحقیق

مسلمانوں نے زرعی شعبہ کو بہتر اور مستحکم کرنے کے لئے جدید وقدیم اور مشرقی ومغربی طریقوں کے حسین امتزاج کو اپنایا۔ سلمی کہتا ہے:

أدخل زراعیو الأندلس نباتات مشرقیة جدیدة إلی شبه الجزیرة الایبیریا بشکل تدریجي ووثقوا ذلک جنباً إلی جنب مع الأنواع النباتیة المعروفة قبل وصولهم. [۲]

’’اندلس کے کاشتکاروں نے جدید مشرقی نباتات کو بتدریج جزیرہ نما آئی بیریا میں داخل کیا اور ان کے وہاں پہنچنے سے قبل نباتات کی جو اقسام وہاں مشہور تھیں ان کو اس جانب کے ساتھ (ملاکر زرعی شعبہ کو) مستحکم کیا۔‘‘

(۶۲) نظامِ محاصل کی اصلاح

مسلمانوں نے اندلس میں آ کر جو بہت سی اصلاحات کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ انہوں نے ٹیکسوں اور محاصل کے نظام کو بہتر بنایا اور اس سلسلہ میں اہلِ اندلس میں سے ہی مقرر کردہ گورنر کو ذمہ داری دی جاتی۔

۱۔ رائن ہارٹ ڈوزی اپنی کتاب Spanish Islam میں لکھتا ہے:

Legal execution was the responsibility of the ruling

(۱) سلمي، الحضارة العربیة الإسلامیة في الأندلس، ۲: ۱۳۷۹

(۲) سلمي، الحضارة العربیة الإسلامیة في الأندلس، ۲: ۱۳۷۹

authority, while Tax collection was the responsibility of the Governor, who was Spanish.[1]

’’قانون و قضا فاتح قوم کی ذمہ داری تھی جبکہ محاصل وغیرہ کی ذمہ داری گورنر کی تھی جو کہ اہل اندلس کی نسل سے ہوتا تھا۔‘‘

۲۔ محاصل (Taxes) کا ایک منظّم نظام اور چارٹ بنا ہوتا تھا جس کے مطابق تمام ٹیکسوں کے حصول کو یقینی بنایا جاتا تھا۔ سلمی لکھتا ہے:

تصبح خارطة الضرائب المالية في الأندلس على الشكل التالي:

(ا) لا يدفع العربي المسلم إلا الزكاة / العشر، عشر إنتاجه

(ب) على الذمي أن يدفع الخراج الذي يقدر تبعاً للمساحة القابلة للزراعة وأن يدفع الجزية

(ج) يتوقف الداخل في دين الإسلام عن دفع الجزية، ولكنه في الأندلس يتابع دفعه للضريبه. تبعًا لمساحة الأرض القابلة للزراعة. ضريبة تدعى الطبل وتساوى مبلغ الخراج القديم.[۲]

’’اندلس (Spain) میں مالی محاصلات کا نقشہ مندرجہ ذیل صورت کے مطابق ہو گا:

(ا) عربی مسلمان فقط زکاۃ / عشر، یعنی اپنی پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) ادا کرے گا۔

(ب) ذمی پر یہ واجب ہے کہ وہ، وہ خراج ادا کرے جس کا اندازہ قابلِ کاشت زمین کی پیمائش کے مطابق لگایا جائے گا اور یہ کہ وہ جزیہ ادا

(1) Dozy, *Spanish Islam*, p. 234.

(۲) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۰۴۸

کرے۔

(ج) دینِ اسلام قبول کرنے والا جزیہ دینا بند کر دے گا، لیکن وہ اندلس میں ٹیکس ادا کرنے کا حق دار ہو گا اور یہ ٹیکس قابل کاشت زمین کی مساحت کے مطابق ہو گا، ایسا ٹیکس جسے ’’طبل‘‘ کہا جاتا ہے اور جو قدیم خراج کی رقم کے مساوی ہوتا ہے۔‘‘

مسلمانوں نے اندلس میں مختلف صنعتوں مثلاً کپڑا بننے اور کپڑا رنگنے کی صنعت، لوہے کی مرصع کاری اور لوہے سے مختلف آلات بنانے کی صنعت، کاغذ سازی کی صنعت، لکڑی پر کندہ کاری، ظروف سازی، شیشہ سازی وغیرہ کو فروغ دیا۔

(۶۳) ٹیکسٹائل کی ترقی

اندلس میں کپڑا بنانے اور اس کو رنگ کرنے کی صنعت اس قدر عام تھی کہ سلمی کہتا ہے کہ یہ قطعۂ زمین شاید مختص ہی کپڑا بنانے کے لئے تھا۔ وہ کہتا ہے:

إن هدف هذا القطاع سواء كان القائمون عليه من الخواص أو من الأمراء، هو صنع الملابس وصباغتها. (۱)

’’بے شک ان قطعاتِ اراضی کا مقصدِ اولین کپڑا بننا اور اس کو رنگ کرنے کی صنعت (کا فروغ) ہی ہے خواہ ان (قطعات) پر خواص و امراء میں سے کوئی بھی قابض ہو۔‘‘

(۶۴) سرامک انڈسٹری کا فروغ

۱۔ اندلس میں شیشہ سازی اور ظروف سازی کی صنعت کو بھی خوب فروغ حاصل تھا۔ اس علاقے میں اب بھی مٹی اور شیشے کے برتنوں کے آثار ملتے ہیں۔ ڈاکٹر عصام سالم

(۱) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۳۸۵

لکھتے ہیں:

ما زالت هناک بقية من الخزف والزجاج والفخار الذي يعود إلی شتی العصور الإسلامية المتعاقبه في جزر البليار.[۱]

"(اب تک) بلیار (اسپین) کے جزیرے سے کچی اور پکی بجنے والی مٹی اور شیشے (کی بنی ہوئی اشیاء) کے آثار مل رہے ہیں جو کہ مسلسل رہنے والی اسلامی حکومت کے ادوار کی یاد دلاتے ہیں۔"

۲۔ ڈاکٹر عصام سالم مزید لکھتے ہیں:

عثر علی أنواع عديدة من القناديل والأواني المتنوعة الفخارية منها والزجاجية والخزفية ذات الألوان الباهرة ومن الطريف وجود أسماء صانعي هذه الأواني مکتوبة علی أحد جوانبها بخطوط متنوعة.[۲]

"(اندلس میں) مختلف انواع کی لالٹینیں اور طرح طرح کے برتن پائے گئے ہیں جن میں سے کچھ بجنے والی پکی مٹی، کچھ شیشے اور کچھ کچی مٹی سے بنے ہیں۔ وہ شوخ رنگوں والے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان برتنوں کی ایک جانب ان کے بنانے والوں کے نام مختلف خطوط میں لکھے ہوئے ہیں۔"

(۶۵) تجارت کا فروغ

اندلس نے جب زرعی اور صنعتی لحاظ سے ترقی کی تو دنیا بھر کے تاجروں نے اس کی طرف رخ کیا اور یوں یہ تجارت کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ سلمی لکھتا ہے:

---

(۱) عصام سالم، جزر الأندلس المنسية: ۵۶۹

(۲) عصام سالم، جزر الأندلس المنسية: ۵۷۰

في العصور الوسطى كانت مدن إسبانيا الإسلامية (الأندلس) مراكز اقتصادية مهمة للتجار والبضائع من جميع مناطق عالم البحر الأبيض المتوسط. فقد كانت تلك المدن أسواقاً للتجار الأندلسيين والأجانب.[1]

”وسطی ادوار میں اندلس کے شہر بحر روم کے متعلقہ تمام علاقوں کے تاجروں کے لئے اہم اقتصادی مراکز بن گئے اور یہ شہر اندلسی اور اردگرد کے شہروں کے تاجروں کے لئے منڈیاں بن گئے تھے۔“

(٦٦) ملکی اور غیر ملکی تجارت

۱۔ اندلس کی اشیائے تجارت میں سے جو چیزیں برآمد کی جاتی تھیں ان میں ریشم، ریشمی کپڑا، چمڑے کا سامان، کاغذ، مٹی کے برتن، زعفران اور زیتون کا تیل وغیرہ شامل ہیں۔ سلمی بیان کرتا ہے:

ربما كان التاجر الأندلسي المسلم يشتري صبغة النيلة أو الصوف أو الحبوب من زميل له في شمال إفريقيا، ويبيع له بالمقابل الحرير الإسباني والخشب أو الجواري.[2]

”بعض اوقات اندلسی مسلم تاجر درخت نیل سے حاصل ہونے والا رنگ، صوف یا بیج شمالی افریقہ کے اپنے ساتھی سے خریدتے اور اس کے مقابل اندلسی ریشم، لکڑی یا لونڈیاں اسے بیچتے تھے۔“

۲۔ مصری یہودی تاجروں کے بارے میں وہ لکھتا ہے:

وفي عودته قد يحمل معه الزعفران الأندلسي والقرمز والورق

(۱) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۰۶۳
(۲) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۰۶۳

لیتاجر به في الإسكندرية ...... وصل التجار الإيطاليون إلى الأسواق الأندلسية بحثاً عن المنتوجات المحلية مثل الجلد القرطبي والمنسوجات والخزف وزيت الزيتون.[۱]

''(مصری، یہودی تاجر) اپنی واپسی پر اندلسی زعفران، قرمز اور کاغذ لے جاتے تاکہ اسکندریہ میں اس سے تجارت کرسکیں ...... اطالوی تاجر اندلسی منڈیوں میں مقامی مصنوعات مثلاً قرطبہ کا چمڑا، کپڑا، مٹی کی بنی ہوئی اشیاء اور زیتون کے تیل کی تلاش میں آتے۔''

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اندلس میں مسلمانوں نے گہرے اثرات چھوڑے اور بالخصوص معاشی حوالے سے زراعت اور صنعت وحرفت کے فروغ کے لئے کئے جانے والے کام مسلمانوں کے شاندار ماضی کی عکاسی کرتے رہیں گے۔ آج اسپین ترقی کے جس مقام پر بھی پہنچ جائے اس میں مسلمانوں کی ان معاشی کاوشوں کا بنیادی عنصر شامل رہے گا جنہیں تاریخ اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔

اس بحث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جہاں جہاں بھی گئے معاشی اصلاحات نافذ کرتے رہے یوں اسلامی معاشیات ہر زمانے اور ہر علاقے میں کسی نہ کسی صورت میں زندہ رہی اور آج کے زمانہ میں بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

۷۔ ابتدائی مسلم مفکرین اور معاشیات پر ان کی کتب

مسلم مفکرین نے معاشیات کے حوالے سے جو کام کیا اس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ مسلم مفکرین نے اپنی کتب میں معاشیات کو تین نام دیئے:

۱۔ تدبر منزل

۲۔ سیاستِ مدن

(۱) سلمي، الحضارة العربية الإسلامية في الأندلس، ۲: ۱۰۶۳

۳۔ المعاش

معاشیات میں جن مسلم مفکرین نے اہم کام کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) جامع المسانید

۲۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) الموطأ

۳۔ امام شافعی (م ۲۰۴ھ) الأم

۴۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) المسند

مسلم مفکرین نے علم معاشیات کی طرف توجہ دی اور معاشی موضوعات پر بہت سی کتب تحریر کیں۔ ان کی کتابوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ وہ کتب جو صرف معاشیات پر لکھی گئیں۔

۲۔ وہ کتب جو مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور قانونی موضوعات پر ہیں اور ان میں معاشی امور پر مباحث موجود ہیں۔

پہلی قسم کی کتابوں میں خاص معاشی موضوعات پر بحث کی گئی ہے مثلاً محاصل (Taxation)، زراعت (Agriculture)، صنعت (Industry)، کامرس (Commerce) اور زرِ مبادلہ (Foreign Exchange) وغیرہ۔ ان کتب میں سے چند کا ذیل میں ذکر پیش کیا جاتا ہے:

(۱) امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ)، ''کتاب الخراج''

ان کتب میں سب سے قدیم اور مشہور ترین کتاب امام ابویوسف کی کتاب ''کتاب الخراج'' ہے جس کا بہت سی یورپی اور مشرقی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، یہ کتاب مختلف قسم کے ٹیکسوں پر مشتمل ہے:

۱۔ ٹیکسوں کی قسمیں

۲۔ ٹیکس عائد کرنے اور اس کی وصولی کے اصول

۳۔ ٹیکسوں کی وصولی کی تقسیم

۴۔ سامانِ تجارت اور زرعی زمینوں پر ٹیکس

۵۔ محصول ترکہ

۶۔ محصول چنگی

۷۔ نئے علاقوں میں زرعی رقبوں کا انتظام

۸۔ زرعی زمینداریاں، ان کی کاشت اور تقسیم

۹۔ لگان کی شرائط

۱۰۔ پانی کی فراہمی سے متعلقہ مسائل

۱۱۔ ماہی گیری

۱۲۔ جنگلات اور چراگاہیں

(۲) یحییٰ بن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ)، ''کتاب الخراج''

یحییٰ بن آدم القرشی کی کتاب الخراج بھی اپنی طرز پر مفرد اور اہم ہے۔ اس میں مصنف نے ''۱۷۳'' عنوانات کے تحت خراج کے مختلف مسائل سے متعلق احادیث و آثار کو اپنی سند کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ ان آثار پر فقیہانہ غور و فکر کے بعد استنباط و اجتہاد سے کام لیا ہے۔ قرشی نے اپنی اس کتاب میں معاشیات اور معیشت سے متعلقہ دینی امور پر وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔

(۳) ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)، ''کتاب الاموال''

ابو عبید القاسم بن سلام کی تصنیف بھی اسلامی معاشیات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ چار ضخیم اجزاء پر مشتمل ہے جن میں ۸۲ مختلف ابواب پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں انہوں نے خراج، عشر، خمس، مال فے، مال غنیمت، جزیہ، غلاموں اور ذمیوں کے معاشی

حقوق، تجارت اور دیگر معاشی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(۴) قدامہ بن جعفر (م ۳۳۷ھ)، ’’کتاب الخراج‘‘

قدامہ بن جعفر کی کتاب بھی معاشیات پر ایک اہم تصنیف ہے۔ اس میں انہوں نے دیگر معاشی موضوعات کے علاوہ احیاء الموات اور آبپاشی کے احکام بھی بیان کئے ہیں۔ ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

به يقتدي علماء هذا الشان. (۱)

’’اس موضوع سے تعلق رکھنے والے علماء اس کتاب کے مندرجات پر عمل کرتے ہیں۔‘‘

(۵) ابو جعفر الداؤدی (م ۴۰۲ھ)، ’’کتاب الاموال‘‘

ابو جعفر الداؤدی کی تصنیف بھی بہت اہم ہے اس میں اموال کی مختلف اقسام، ان کے حصول کے مختلف ذرائع، ان کی حفاظت اور تقسیم پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے کل چار اجزاء ہیں پہلے جز میں دس فصول شامل ہیں جبکہ دوسرے، تیسرے اور چوتھے حصے میں بالترتیب چار، گیارہ اور تین فصول کو شامل کیا گیا ہے۔ اس میں زمین، زمینی پیداوار کے احکام، اموال اور اس کے علاوہ معاشیات کے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔

مسلمان مفکرین کی کتب کی دوسری قسم وہ ہے جو مختلف قسم کے موضوعات پر مشتمل ہیں جن کتب میں انسان اور اس کی معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ، ۱۱: ۲۲۱

(٦) ابونصر الفارابی (م۹۵۰ء)

دسویں صدی عیسوی میں مشہور مسلم فلسفی ابونصر الفارابی نے معاشرتی اور معاشی موضوعات پر کتابیں لکھیں، درج ذیل کتب میں انہوں نے معاشی مباحث کو بھی شامل کیا ہے:

۱۔ سیاسة المدینة (Political Economy)

۲۔ آراء أهل المدینة الفاضلة (Openions of people of Ideal City)

۳۔ جوامع السیاسة (Compendia of Politics)

۴۔ اجتماعة المدینة (Social framework of Cities)

(۷) علی بن محمد الماوردی (م۴۵۰ھ)

امام ماوردی (م۴۵۰ھ) کی درج ذیل کتب میں معاشی امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

۱۔ الأحکام السلطانیة (Rules & Regulations concerning Govt.)

۲۔ قوانینِ وزارت (Laws concerning Ministeries)

۳۔ کتاب النفقات

۴۔ نصیحة الملوک

(۸) امام غزالی (م۵۰۵ھ)

امام غزالی (م۵۰۵ھ) کی بہترین تصنیف ''احیاء علوم الدین'' (Revivalof the Sciences of Religion) ہے۔ امام غزالی نامور مذہبی مصلح ہیں انہوں نے اپنی کتاب ''کیمیائے سعادت'' میں معاشی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ امام غزالی کی ایک

اور کتاب کا نام رسالة العقائد (Dealing with the doctrines of Islam & Duties of rulers) ہے۔ ایسی ہی ایک کتاب ”الاسلام والأوضاع الاقتصادیة“ میں انہوں نے مختلف معاشی موضوعات پر بحث کی ہے۔ ایک اور کتاب خلاصة الفقه (A Summary of Jurisprudence) ہے۔ ان تمام کتب میں امام غزالی نے معاشی افکار پر بڑے حسین پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔

(۹) علامہ ابن خلدون (م ۸۰۸ ھ)

علمِ معاشیات کے ارتقاء میں ابن خلدون کا مقام بہت بلند ہے انہوں نے اپنی کتاب ”کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر (المقدمه)“ کے پانچویں باب میں ۳۲ طویل فصول صرف المعاش کے لئے مخصوص کی ہیں۔ مغربی مفکرین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابن خلدون کا کام Hume، Locke، Adam Smith اور CarlMarxs سے زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعض نظریات اس قدر ترقی یافتہ ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ابن خلدون کا شمار معاشیات کے بانیوں میں ہوتا ہے تو یہ غلط نہ ہوگا۔ مقدمہ ابن خلدون میں جو معاشی موضوعات زیرِ بحث لائے گئے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ معاشیات کی تعریف اور نفسِ مضمون

۲۔ حصولِ دولت

۳۔ معاشیات کا دوسرے سائنسی مضامین سے تعلق

۴۔ دولت اور اس کے معاشرتی اور انفرادی پہلو

۵۔ روپیہ اور اس کی خصوصیات

۶۔ طلب و رسد کی قوتیں اور قیمتوں پر ان کے اثرات

۷۔ آزادانہ تجارت اور معاشی تجارت

۸۔ قیمتوں اور محنت وقدر کا باہمی انحصار

۹۔ پیداواری اور غیر پیداواری پیشے

۱۰۔ آبادی پر اثرانداز ہونے والے معاشی عوامل

۱۱۔ ظلم واستبداد کے معاشی نتائج

۱۲۔ معاشی ترقی کے مراحل

۱۳۔ دیہاتی اور شہری معاشی نتائج

۱۴۔ ریاست کی قسمیں اور اس کے معاشی فرائض

۱۵۔ ٹیکسوں کی شرحیں

۱۶۔ عوام کے خرچ کرنے کے معاشی فوائد

۱۷۔ شہروں میں قیمتیں

۱۸۔ صنعتوں کی تحدید

۱۹۔ روزی کمانے کے مختلف ذرائع

۲۰۔ تجارت اوراس کی قسمیں

۲۱۔ برآمدات اور درآمدات

۲۲۔ ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری

۲۳۔ صنعتی تربیت

۲۴۔ فنی تعلیم

۲۵۔ صنعتوں کی ترقی اور زوال کی وجوہات اوراس دور کی بڑی صنعتیں

(۱۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ)

بارہویں صدی ھجری میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے ’’**حجة الله البالغه**‘‘ تحریر کی جس میں معاشی اصولوں پر بھی طویل بحث کی گئی ہے جس سے معاشیات کا مفہوم، اس کا ارتقاء اور معاشی اصولوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ شاہ صاحب کے معاشی افکار کو سمجھنے

کے لئے آپ کا ''نظریہ ارتقاء عمران و اقتصادیات (Socio-Economic Evolution) ''جسے وہ مخصوص اصطلاح میں ''ارتفاقات'' سے موسوم کرتے ہیں جاننا ضروری ہے۔ آپ کا یہی نظریہ اسلامی نظام معیشت کے لئے ایک حرکی اور مستحکم بنیاد فراہم کرتا ہے۔

ان کے علاوہ درج ذیل کتب میں بھی معاشیات پر کافی بحث ملتی ہے۔ یہ تمام کتب دوسری قسم سے تعلق رکھتی ہیں:

۱۱۔ ابن ابی ربیع	سلوک الملوک في تدبير الممالک
۱۲۔ ابن رشد	فرائض السلاطين و الخلفاء
۱۳۔ نظام الملک طوسی	ریاست نما (A Book of Politics)
۱۴۔ ابن قتیبہ	عيون الأخبار
۱۵۔ علامہ ابن حزم	المحلي
۱۶۔ شمس الأئمہ سرخسی	المبسوط
۱۷۔ ابن مماتی	قوانين الدواوين
۱۸۔ ابو الفضل	آئین اکبری

ان کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی دور میں ایسے مالیاتی نظام موجود تھے جو تجارت، بینکاری اور کارپوریشنوں کی طرح کے اداروں پر مشتمل تھے۔

مذکورہ بالا تمام بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی معاشیات ہر زمانے میں عمل پذیر رہی۔ اس کی یہی عمل پذیری اس کی اہمیت کو واضح کرتی ہے اور اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ موجودہ دور میں بھی اسلامی معاشیات کو نہ صرف فروغ دیا جائے بلکہ اس پر عمل بھی کیا جائے۔

اسلامی معاشیات اور غیر اسلامی معاشیات میں فرق

(Difference between Islamic & Un-Islamic Economics)

اسلامی معاشیات اور مغربی معاشیات نفسِ مضمون، طریق تجزیہ، بنیادی مفروضات اور نتائج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ان دونوں کے درمیان فرق درج ذیل باتوں سے ظاہر ہے۔

۱۔ غیر اسلامی معاشیات انسانی سوچ اور تجربات پر مبنی ہے جبکہ اسلامی معاشیات کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔

۲۔ مغربی معاشیات میں زیادہ تر توجہ پیداوار بڑھانے پر ہوتی ہے جبکہ اسلامی معاشیات میں پیداوار بڑھانے کے ساتھ ساتھ منصفانہ تقسیم دولت پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔

۳۔ اسلامی معاشیات کا تمام تر تعلق آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کی کامیابی اور ناکامی پر ہے۔ اسلام کا معاشی مسئلہ کلی طور پر اس کے تابع ہے، جبکہ غیر اسلامی معاشیات کا مطمحِ نظر صرف دنیوی خوشحالی اور مادی ترقی ہے۔ اس لیے اس میں معاشیات ہی کو اوّلیت کا درجہ دے کر اس کو مقصدِ زندگی بنا دیا گیا ہے۔ اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ انسان کی معاشی سرگرمیوں سے آخرت کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۴۔ مغربی معاشیات میں تمام نظریات کو صرف مشاہداتی اور عملی شواہد کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ اور جو نظریات عقلی اور مشاہداتی طور پر رد نہ کیے جا سکیں ان کو سچا مان لیا جاتا ہے تا آنکہ ایسے حالات پیدا ہوں کہ کچھ دوسرے شواہد ان کی نفی کر دیں۔ لیکن اسلامی معاشیات میں تمام نظریات کو شریعتِ الٰہی کے بنیادی ڈھانچے پر جانچا جاتا ہے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جو کسی نظریئے کے سچ یا جھوٹ

ہونے پر حتمی فیصلہ دیتی ہے۔

۵۔ مغربی معاشیات مشاہداتی حقائق کے بیان اور ان کی وقتی تعبیر سے غرض رکھتی ہے لیکن اس تجزیئے کی روشنی میں کوئی طریقۂ کار بیان کرنا اس کے دائرے سے خارج ہے جبکہ اسلامی معاشیات حقائق کے تجزیئے کے علاوہ لوگوں کے لئے مطلوبہ لائحہ عمل بھی پیش کرتی ہے اور اس لحاظ سے یہ ایک معیاری علم (Normative Science) کا درجہ رکھتی ہے۔

اسلام اپنی حکمت کی رو سے ایک عملی نظریہ (Operational Ideology) ہے۔ اس میں صرف قیل و قال یا بحث و مباحثہ کا کوئی مقصد نہیں بلکہ شریعت نے ایسی بحث و تمحیص سے روکا ہے جس کا مقصد عملی اقدام کے لئے روشنی حاصل کرنا نہ ہو۔ اسلامی معاشیات جو کہ اسلام کی بنیادی حکمت سے ماخوذ ہے، کسی ایسی بحث سے تعلق نہیں رکھتی جس کا مقصد صرف تجزیہ و تنقید ہو اور کوئی عملی اقدام اس کی غرض و غایت میں شامل نہ ہو۔

۶۔ اسلامی معاشیات میں تمام نظریات کو شریعتِ الٰہی کے بنیادی قوانین کے ڈھانچے پر جانچا جاتا ہے لیکن مغربی معاشیات میں تمام نظریات کو صرف مشاہداتی اور عملی شواہد کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔

۷۔ مغربی معاشیات مشاہداتی حقائق کے بیان اور ان کی وقتی تعبیر سے غرض رکھتی ہے جبکہ اسلامی معاشیات حقائق کے تجزیئے کے علاوہ لوگوں کے لئے مطلوبہ لائحہ عمل بھی بیان کرتی ہے۔

اسلامی تصور کی فوقیت (Superiority of Islamic Concept)

اسلامی معاشیات لا دینی معاشیات پر درج ذیل امور میں فوقیت رکھتی ہے:

۱۔ اسلامی معاشیات اپنی اساسی اور معنوی ترکیب میں موجودہ علم معاشیات سے

جدا اور ممتاز ہے۔ مسلمانوں نے اپنی معاشیات کو بجا طور پر ''علم الاقتصاد'' کا نام دیا ہے کیونکہ اقتصاد و مرافقہ اسلامی معیشت کی اصل بنیاد اور اساس ہیں۔ اس لحاظ سے اسلامی معاشیات کو اقتصادیات کہنا درست ہے لیکن مغربی مفکرین نے اپنے علم اکتساب زر کو خواہ مخواہ Economics کا نام دے رکھا ہے۔

۲۔ غیر اسلامی معاشیات کے ایک بڑے حصے کی بنیاد محض تخمین وظن ہے اور اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں جن سے محکم اور ناقابلِ تردید نتائج اخذ کرنا ممکن نہیں لیکن اسلامی معاشیات کی بنیاد چونکہ وحی الٰہی پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کی ہر چیز پر حاوی ہے، اس لئے اس کے اصول حتمی اور یقینی ہیں۔

۳۔ اسلامی معاشیات میں کاروبار کرتے وقت انسان کو شریعت کے مقرر کردہ حلال وحرام کے اصولوں کا پابند ہونا چاہیے۔ اکتناز اور ارتکاز کو مذموم سمجھنا چاہیے۔ خیرات و زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے دولت کی گردش کا انتظام کرنا چاہیے۔ ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹنگ نیز ملاوٹ وغیرہ کے خلاف اسلام میں سخت وعید آئی ہے، جوا شیطانی فعل ہے لیکن مغربی معاشیات انہیں Redistribution of Wealth کے ضمنی اعمال قرار دیتی ہے۔ اسلامی معاشیات میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے جبکہ جدید معاشیات اس لعنت کو مائکرو اکنامکس میں شامل کر کے سندِ جواز عطا کرتی ہے۔

۴۔ مغربی معاشیات ذاتی تسکین کا تصور پیش کرتی ہے۔ ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ذاتی تسکین حاصل کرے اور جس طرح چاہے اپنے وسائل کو استعمال کرے، اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے اس فعل سے معاشرے پر کیا اثرات مرتب ہوں گے جبکہ اسلامی معاشیات میں انسان کو اس امر کا پابند ہونا پڑتا ہے کہ وہ معاشرے کی فلاح کو مقدم رکھے۔

۵۔ مغربی معاشیات کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ انسان فطری طور پر خود غرض ہے۔ اسلام کی رو سے انسان فطرت حسنہ پر پیدا ہوا ہے، صرف ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وہ خود غرض بن جاتا ہے۔ اس لیے تمام انسانوں کو خود غرض تسلیم کر لینا درست نہیں۔ اسلامی معاشیات انسان کی تربیت اس طریقے سے کرتی ہے کہ وہ ذاتی مفاد پر دوسروں کو ترجیح دینے میں راحت محسوس کرے۔

۶۔ مغربی معاشیات کے تصور کے مطابق انسان معاشی حیوان ہے جس کا کام دن رات محنت کرنا ہے، جیسا کہ کسی مفکر نے کہا ہے کہ انسان صرف معدہ دار جانور ہے اس کے دل و دماغ کی حیثیت ثانوی ہے۔ لیکن اسلامی معاشیات میں اصل مقصدِ زندگی کی معاشی سرگرمیاں نہیں ہیں بلکہ یہ زندگی کا ایک حصہ ہیں۔

۷۔ اسلامی معاشیات میں اخلاق اور معاش میں باہمی ربط موجود ہے۔ اسلامی معاشیات انسان سے حسد، حرصِ مال اور طبقاتی دشمنی کو ختم کرتی ہے جبکہ مغربی معاشیات میں اخلاقی اقدار کا فقدان ہے اور حرصِ مال، حبِ جاہ، حسد اور انتقام جیسے رزائل میں انسان کو منہمک کرتی ہے۔

۸۔ اسلامی معاشیات فطرتِ انسانی کے عین مطابق اور عدلِ عمرانی کے تمام تقاضے پورے کرتی ہے۔ یہ معاشرے میں مہمان نوازی، باہمی محبت، اخوت، مشاورت، ہمدردی جیسے افعال پیدا کرتی ہے لیکن غیر اسلامی معاشیات کے ذریعے ایسی پسندیدہ اقدار کبھی پروان نہیں چڑھ سکتیں۔

دورِ جدید میں علم معاشیات کی ضرورت و اہمیت

(Need & Importance of Economics in Modern Age)

عصر حاضر میں معیشت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح

آج کا دور معیشت کا دور بلکہ نظامہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی و سائنسی ترقی نے اس کشمکش کو تند و تیز کر دیا ہے۔

اس علم کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے۔ اس لیے ایک کامیاب شہری بننے کے لئے اس علم کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس علم کے مطالعہ سے صنعت و حرفت اور تجارت کے معاملات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ٹیکسوں کے نظام کو سمجھنے کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ معاشرہ میں منصفانہ تقسیمِ دولت کے لئے اسلامی معاشیات ناگزیر ہے۔

آمدنی اور خرچ میں توازن قائم رکھنے کے لئے اسلامی معاشیات کا مطالعہ مفید ہے۔ اسلامی معاشیات میں فضول خرچی اور بخل دو انتہائی رویئے ہیں اور بہترین راہ اعتدال کی ہے جس کی صحیح راہنمائی اور نشاندہی اسلامی معاشیات ہی کرتی ہے۔

اسلامی معاشیات فلاحی پہلو کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اس لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

بین الاقوامی تجارت، غیر ملکی قرضے اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے معاملات کو جاننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

اسلامی معاشیات کی روشنی میں جدید دنیا کے تمام معاشی مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔

علم معاشیات کا مطالعہ اپنے اندر متعدد فوائد لیے ہوئے ہے۔ انہی فوائد کو یہ علم اجاگر کرتا ہے جس سے اس کی ضرورت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس علم سے مندرجہ ذیل علمی و عملی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) ذہنی تعمیر و ترقی میں مدد

معاشیات کا مطالعہ معاشی مسائل پر غور و فکر کرنے، ان کا تجزیہ کرنے اور ان

سے اہم نتائج اخذ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے ذہن میں تجسس وتحقیق کا مادہ پیدا ہوتا ہے جو ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اس کی تعمیر و ترقی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(۲) تعمیری اور ٹھوس اندازِ فکر کے لئے راہنمائی

کسی شخص کی تعلیم معاشیات کا علم حاصل کیے بغیر نامکمل ہے۔ روزمرہ کے عام واقعات سے لے کر قومی اور بین الاقوامی مسائل تک کا معاشیات سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اگر کہا جائے کہ دور حاضر میں معاشیات تمام قوموں کا مشترکہ مذہب بن کر رہ گیا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں اگر کوئی معاشی تبدیلی رونما ہو جائے تو پوری دنیا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، چنانچہ معاشیات کا مطالعہ تعمیری اور ٹھوس اندازِ فکر میں راہنمائی کرتا ہے۔

(۳) خطرات سے آگاہی

معاشیات کے علم سے آگاہی کی بدولت انسان اپنی معاشی سرگرمی شروع کرنے سے قبل ہی اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ اس کاروبار میں اس کو کیا کیا نقصان ہو سکتے ہیں اور ان نقصانات سے بچنے کی تدابیر وہ کیسے کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ان فوائد کے بارے میں بھی کافی حد تک درست اندازہ کر سکتا ہے جو اس کو سرمایہ کاری کے بعد حاصل ہوں گے۔

(۴) وسائل کا بہترین استعمال

اسی علم کی بدولت ہم وسائل کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سے ہمیں پتہ چلے گا کہ ہم اپنے مقاصد کو کس طرح کم خرچ پر اور تھوڑے وسائل استعمال کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ گویا یہ انسان کو وسائل کا بہترین استعمال کرنا سکھاتا ہے۔ اس علم کی بدولت صارفین اپنی محدود آمدنی کو مختلف اشیاء و خدمات پر خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ منافع

فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

(۵) ذمہ دار اور باشعور شہری کی تخلیق

موجودہ دور کے شہریوں کی ذمہ داریاں اور فرائض کا حلقہ ماضی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ آج کا شہری اپنے فرائض بخوبی سر انجام دینے کے قابل نہیں بن سکتا تاوقتیکہ وہ ملک کے معاشی مسائل کی نوعیت کو جاننے اور ان کو حل کرنے کے اصول اور طریقوں سے واقف نہ ہو۔ مثلاً آج تقریباً ہر ملک معاشی منصوبہ بندی، معاشی بحران، کساد بازاری، افراط زر، قیمتوں کے اتار چڑھاؤ، بجٹ کی تیاری، بے روزگاری اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم جیسے مسائل سے دو چار ہے اور یہ مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک کہ حکومت کے علاوہ عام شہری بھی ان کی نوعیت و اہمیت سے باخبر نہ ہوں۔

(٦) حکومت کی راہنمائی

معاشیات کا مطالعہ حکومت کے لئے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ حکومت اس علم کے اصولوں کی روشنی میں ٹیکسوں کا نظام مرتب کرتی ہے، نئے ٹیکس عائد کرتی ہے، درآمدی و برآمدی تجارت کی پالیسی کو وضع کرتی ہے، نظام زر کو چلاتی ہے، اسی طرح بعض قومی اہمیت کی حامل صنعتوں کو اپنی تحویل میں لیتی ہے نیز افراط زر اور تفریط زر کے مسائل کو حل کرنے میں مدد لیتی ہے۔ غرضیکہ حکومت کو تمام تر معاشی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے لئے علمِ معاشیات کے اصولوں کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔

(۷) سیاسی لیڈروں کی راہنمائی

معاشیات کے علم کے بغیر سیاسی لیڈر بھی اپنے فرائض احسن طریقے سے انجام نہیں دے سکتے کیونکہ سیاسی استحکام اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ملک کا معاشی نظام مستحکم نہ ہو۔ ماضی کے بڑے بڑے سیاسی انقلابات اس بات کے گواہ ہیں

کہ جس حکومت نے بھی معاشی مسائل کی طرف توجہ نہ دی عوام نے اس کا تختہ الٹ دیا اور موجودہ دور میں بھی مضبوط سیاسی راہنما وہی ہو سکتا ہے جو سیاسی سمجھ بوجھ کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل کی نوعیت کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کی اہلیت سے بھی بہرہ ور ہو۔

(۸) باہمی ہم آہنگی

اس علم کی بدولت کاروباری افراد میں ہم آہنگی پیدا ہو گی۔ یہ کاروباری افراد میں ہی نہیں بلکہ ممالک کے مابین بھی ہم آہنگی کا ذریعہ بنے گا اور ان کو شعور ہو گا کہ جس طرح ایک فرد دوسرے کاروباری افراد سے تعلق قائم کیے بغیر ترقی نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح کوئی ایک ملک دوسرے ممالک سے کٹ کر اپنی معاشی حالت کو بہتر طور پر قائم نہیں رکھ سکتا۔

(۹) مزدوروں کی راہنمائی

اسی علم کی بدولت مزدور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے بہترین اقدامات کر سکتے ہیں اور وہ اپنی مختلف Trade Unions کا قیام عمل میں لا سکتے ہیں اور اپنی کی گئی محنت کا معقول معاوضہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱۰) افلاس و غربت سے نجات

افلاس و غربت کی بڑی وجہ ملکی ذرائع و وسائل کے مقابلے میں ضروریات کا زائد ہونا ہے۔ اس صورتحال پر قابو پانے کے لئے معاشیات کے اصول و ضوابط بڑی مدد کرتے ہیں اور اس طرح ضروریات کا پلڑا وسائل کے برابر لا کر افلاس و غربت کا خاتمہ ممکن ہے۔

(۱۱) دولت کی مساویانہ تقسیم

ملکی سالمیت و استحکام کا ضامن صرف ایسا معاشی نظام ہو سکتا ہے جس میں ہر طبقہ کو بلا امتیاز معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور ملکی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کی بجائے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچ جائے اور دولت کی اس تقسیم کے لئے معاشیات کے اصول بہترین راہنمائی مہیا کرتے ہیں۔

(۱۲) سرمایہ اور محنت میں توازن

سرمایہ اور محنت میں توازن برقرار رکھنا کسی بھی ملک کے معاشی استحکام و ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔ اگر سرمایہ اور محنت میں توازن برقرار نہ رہ پائے تو ملکی معیشت تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔ ان دونوں میں توازن علم معاشیات کے اصولوں کی بدولت ہی قائم رہ سکتا ہے۔ گویا ان دونوں میں توازن کو قائم رکھنے کے لئے علم معاشیات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

(۱۳) بین الاقوامی معیشت سے واقفیت

اس علم کی بدولت بین الاقوامی معیشت سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی بین الاقوامی معیشت کے تجربات سے ہم فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ علم معاشیات سے ہی ممکن ہے اور اسی کے ذریعے دنیا کے تمام کاروبار سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۴) اصول و نظریات سے واقفیت

معاشیات کا علم اصول و ضوابط اور نظریات کے متعلق واقفیت دلاتا ہے۔ یہ اصول و نظریات کاروباری دنیا میں ترقی کرنے میں کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ اگر انہی اصول و نظریات کو مدنظر رکھ کر کاروبار چلایا جائے تو یقینی طور پر فائدہ اور ترقی حاصل ہو جائے گی۔

باب دوم

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجاً

(المائدۃ، ۵:۴۸)

اِسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی اُصول وضوابط

کسی تصور سے متعلق قواعد وضوابط کی آپس میں اس طرح کی ترتیب وتشکیل کہ ان میں گہرا ربط قائم ہو جائے نظام کہلاتا ہے۔ لغوی و اصطلاحی اعتبار سے کسی تصور کے اجزائے ترکیبی اور اصول وضوابط کو اس طرح مرتب کرنا کہ ان میں وحدت کا عنصر نمایاں ہو جائے نظام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کسی بھی نظام کو کامیابی سے چلانے کے لئے اس کے اصول وضوابط ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جن کی غیر موجودگی میں اس نظام کے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے اور وہ نظام بیکار ثابت ہوتا ہے۔ دورِ حاضر میں کئی نظامِ معیشت رائج ہیں لیکن ''اسلامی نظامِ معیشت'' کے سوا باقی تمام نظام انسان کا معاشی مسئلہ حل کرنے سے قاصر رہے ہیں، کہیں افراط وتفریط ہے تو کہیں انسان کو محض مشینی پرزہ (Cog of Machine) بنا دیا گیا ہے یا پھر اس کی اخروی زندگی کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت ایک ایسا منصفانہ نظام ہے جس میں ہر شخص کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی بہبود کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظام کا متبادل کوئی اور نظام ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی کسی اور نظام کو اس کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظام ہر لحاظ سے یکتا، امتیازی حیثیت کا حامل اور انتہائی جامع ہے۔ چنانچہ اس نظام اور اس کی عملی تنفیذ کے لئے اس کی تعلیمات کا ادراک بہت ضروری ہے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آج کے انسان کا اصل مسئلہ محض صنعتی ترقی کا حصول یا پیداوار میں اضافہ ہے۔ بلاشبہ صنعتی ترقی اور معاشی پیداوار میں اضافہ بڑی ضروری چیز ہے مگر اس سے بھی زیادہ ضروری مسئلہ پورے معاشی نظام کا ہے اور درحقیقت خود معاشی ترقی

(Economic Development) کا انحصار بھی اسی مجموعی نظام پر ہے جس کی وجہ سے معاشی ترقی کا حصول ممکن ہوتا ہے کیونکہ اس سے ہٹ کر معاشی ترقی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ زرعی پیداوار، صنعتی اشیاء اور خدمات میں اضافہ معاشی ترقی اور خوشحالی کا مقصود و منتہا تو ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک خوشحال، بہترین اور پرامن معاشرے کا قیام بھی ضروری ہے۔ پروفیسر وی۔ اے۔ ڈیمنٹ کے الفاظ میں:

> Industrial development enriches a community which is sound in its agriculture, its domestic and craft life, and in its spiritual robustness.(1)

> ''صنعتی ترقی اسی معاشرے کی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے جس کی زرعی بنیادیں مستحکم ہوں، بنیادی اور گھریلو حرفت مضبوط ہو اور جس میں روحانی قوت بھی پائی جاتی ہو۔''

اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ای۔ ڈی۔ ڈومر کہتے ہیں:

> ''معاشی ترقی کا انحصار معاشرے کی روح پر ہوتا ہے اور ترقی کے کسی بھی تشریحی نظریئے کو اپنے اندر معاشرے کے طبعی ماحول، سیاسی ڈھانچے، ترغیبات، تعلیمی نظام اور قانونی نظام کو جگہ دینی چاہیے نیز اس کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اس معاشرے کے افراد کا سائنس، معاشرتی تبدیلیوں اور ارتکازِ دولت کے بارے میں کیا رویہ ہے۔''(۲)

ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم دورِ حاضر میں مستعمل اور رائج معاشی نظام کو تبدیل کر کے ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالیں جو ہماری معاشی ضروریات کو پورا کر سکے نیز ہمارے

(1) Prof. V.A. Demant, *Religion and Decline of Capitalism* , Newyork, USA, 1952, p.147

(2) E.D.Domar, Economic Growth: An Economic Approach, American Economic Review, Vol.XVII, No.2, May,1952, p.481

تمدن، ہماری اقدارِ حیات اور ہمارے نظریۂ زندگی کے مطابق ہو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نیا نظام کیا ہو؟ ہماری یہ ضرورت صرف اسلامی نظامِ معیشت ہی پوری کر سکتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اسلام کے معاشی اصولوں، معاشی زندگی کے اصولوں کی ترغیب و تہذیب اور عملی زندگی میں ان کی تنفیذ سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کے اصولوں کو عام فہم انداز میں بیان کیا جائے۔ معاشیات کی اصطلاحی زبان کے ساتھ ساتھ عام قارئین کی سہولت کے لئے بالکل سادہ اندازِ بیاں اختیار کیا گیا ہے۔

اِسلامی معیشت کے بنیادی اصول وضوابط

(Fundamental Principles Of Islamic Economics)

اسلامی معاشی تعلیمات کی روح کو نظام میں ڈھالنے والے بنیادی اصول و ضوابط درج ذیل ہیں:

۱۔ ملکیتِ اموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے۔

۲۔ زمین اور اس کی پیداوار میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر ہے۔

۳۔ جملہ اموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے۔

۴۔ اصل رزق اور بنیادی حقِ معاش میں تمام انسان برابر ہیں۔

۵۔ بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۶۔ حرام ذرائع معیشت کا انسداد۔

۷۔ صرف اور خرچ میں اقتصاد قائم رکھنا شرعی فریضہ ہے۔

۸۔ ہر شہری کے لئے حتی المقدور کسب معاش ضروری ہے۔

۹۔ کفالتِ عامہ کے نظام کا اجراء و تنفیذ ریاست کا فریضہ ہے۔

۱۰۔ احتکار و اکتناز کا انسداد۔

۱۱۔ اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح حاصل ہے۔

۱۲۔ غیر سودی معیشت کا قیام۔

مذکورہ بالا بنیادی معاشی اور اقتصادی تصورات وہ لازمی عناصر ہیں جن سے اسلام کا نظامِ معیشت تشکیل پاتا ہے۔ اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تصورات اور اصولوں پر روشنی ڈالیں گے۔

فصل اَوّل

ملکیتِ اَموال سے مراد صرف امانت و نیابت ہے

ملکیت عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ''مِلْک'' ہے جو اپنے اندر مالک ہونے کے معنی لئے ہوئے ہے۔ کائنات، انسان اور حیات کا مطالعہ کیا جائے تو ملکیت کا تصور سامنے آتا ہے۔ اسلام اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے اسی لئے اس ضمن میں درج ذیل حقائق کی نشاندہی کرتا ہے:

ا۔ ملکیتِ خداوندی

دینِ اسلام میں سب سے پہلے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت اور تصرف میں ہے یہاں تک کہ انسان کے معاشی وسائل جن پر اس کی روزی کا انحصار ہے وہ سب کے سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، ارشادِ ربّانی ہے:

ا۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ○(۱)

''(ان سے) فرمایئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں (رہ رہا) ہے (سب) کس کی مِلک ہے، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟○ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے○ (ان سے

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۸۴۔ ۸۹

دریافت) فرمائیے کہ ساتوں آسمانوں کا اورعرشِ عظیم (یعنی ساری کائنات کے اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک کون ہے؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب کچھ) اللہ کا ہے (تو) آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو؟o آپ (ان سے) فرمائیے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟o وہ فوراً کہیں گے: یہ (سب شانیں) اللہ ہی کے لئے ہیں (تو) آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے (جادو کی طرح) فریب دیا جا رہا ہے؟o‘‘

۲۔ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَo ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَo لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَo اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَo بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَo اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَo ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَo لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡ لَا تَشۡكُرُوۡنَo اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَo ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَo نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِيۡنَo[1]

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہوo تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤo (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیاo بلکہ ہم بے نصیب ہوگئےo بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہوo کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟o بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہو۔ کیا

(۱) الواقعة، ۵۶: ۶۳۔ ۷۲

اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟o ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہے o‘‘

۳۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ.(۱)

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے۔‘‘

۲۔ملکیتِ اَموال کا مفہوم

ملکیتِ اموال کے باب میں پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ اس سے مراد محض ملکیت نہیں بلکہ امانت و نیابت ہے۔ یہاں ’’مالک‘‘ کا لفظ حقیقی معنی میں نہیں فقط امین اور نائب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں ’’ملکیت‘‘ کا یہ اضافی مفہوم سب سے زیادہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس تصور کی وضاحت کے بغیر بقیہ اصول و ضوابط پر گفتگو لا حاصل اور خلطِ مبحث کے سوا کچھ نہ ہو گی۔ اس لئے سب سے پہلے نظامِ معیشت میں ’’ملکیت‘‘ کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کے لئے اس کی توضیح کی جاتی ہے۔

ملکیت سے مراد

ملکیت کا یہ تصور انسان کے اندر کسی مال کی نسبت صرف دو حقوق کے مجموعے سے عبارت ہے:

۱۔ حقِ قبضہ (Right of Possession)

۲۔ حقِ تصرف (Right of Disposition)

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۴

لہٰذا کسی مال پر جب ایک شخص کو شرعاً اور قانوناً اپنا قبضہ قائم کرنے اور اس میں حسبِ منشا تصرف کرنے کا حق مل جائے تو اس حق کو ''ملکیت'' کہتے ہیں۔ جہاں تک اس مال کے منفعتی اور افادیتی پہلو سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے اور جسے ہم اصطلاحاً ''انتفاع'' اور ''تمتع'' کہتے ہیں۔ وہ فی نفسہٖ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت ہے۔ بعض اہلِ علم اور ماہرین معاشیات نے انتفاع کو عین ملکیت یا داخلِ ملکیت قرار دیا ہے، جس سے نظامِ معیشت کا ایسا راستہ متعین ہوتا ہے جو حتمی طور پر استحصال پر منتج ہوتا ہے۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ جو صفحۂ ہستی پر پیغمبرِ انقلاب بن کر مبعوث ہوئے اور جنہوں نے ہر قسم کے استحصالی، باطل، جاہ پرستانہ اور جاگیردارانہ مفادات کے بتوں کو پاش پاش کر دیا، آپ ﷺ نے انسانیت کو ایک منفرد و ممتاز اور منصفانہ تصورِ ملکیت عطا فرمایا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے معاشی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے انتفاع کو داخلِ ملکیت نہیں بلکہ ضرورتِ ملکیت اور علتِ جوازِ ملکیت قرار دیا ہے۔

۳۔ مال انسانی زندگی کی بقا و اِستحکام کا ضامن ہے

اللہ تعالیٰ نے مال کو زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا.(۱)

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔''

اس آیہ کریمہ سے اس نکتے کا استنباط ہوا کہ مال کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں طبعاً زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن ہونا ودیعت کر دیا گیا ہے۔ گویا فی الحقیقت مال وہی ہے جس کے اندر طبعاً انسانوں کے لئے نفع کا سامان موجود ہو۔ باری تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف اشیاء و اموال پر ملکیت (یعنی قبضہ و تصرف) کا حق اس لئے عطا فرمایا

(۱) النساء، ۴: ۵

ہے کہ اسے بروئے کار لا کر وہ ان اموال پر محنت صرف کریں اور ان کے اندر تخلیق کی گئی خوابیدہ منفعتوں اور افادیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔ کیونکہ مال کو جب تک کسی کے قبضہ و تصرف میں نہ دیا جائے اس کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں نہیں بدلا جا سکتا۔ اگر اس مال کے خلقی اور طبعی فوائد و ثمرات یونہی بے جان دور از کار اور عملاً غیر سود مند ہوکر پڑے رہیں اور خلقِ خدا ان سے صحیح فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس مملوکہ شے یا مال کی تخلیق کا مقصد گویا پورا ہی نہ ہوا جبکہ باری تعالیٰ نے ہر شے کا مقصدِ تخلیق ہی خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانا قرار دیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

۲۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

۳۔ لَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَ o(۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو o''

۴۔ آباد کار ہی مردہ زمین کا مالک ہوگا

اس آیہ کریمہ سے یہ مترشح ہوا کہ زمین کی مالک فی الواقعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ زمین میں اسبابِ زندگی پیدا کرنے کی جو بالقوہ صلاحیت رکھی گئی ہے وہ

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

طبقاتی ونسلی امتیازات سے ماوراء تمام انسانوں کو اس لیے عطا کی گئی کہ وہ محنت کر کے اس کے مخفی خزانوں کو سب کے فائدے کے لئے بروئے کار لائیں۔

اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مردہ اور غیر آباد زمینوں پر ان کے آباد کرنے والے کو حقِ ملکیت عطا فرمایا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من أحيا أرضاً ميتةً فهي له. (۱)

''جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ دراصل اس زمین کے اندر خوابیدہ صلاحیت تو تھی لیکن اس نے ابھی تک حقیقی صورت اختیار نہ کی تھی۔ اب جس نے اسے زندہ کر کے قابلِ کاشت بنا دیا، یعنی اس کی مخفی صلاحیت کو حقیقی صورت دے کر فعال کر دیا وہی اس کا مالک متصور ہو گا۔ گویا نفع اٹھانا اور دوسروں کو نفع اٹھانے دینا ہی حقِ ملکیت کے جواز کی بنیاد ہے۔ اگر کوئی شخص خود تو اس سے نفع اٹھائے لیکن خلقِ خدا کو نفع حاصل نہ کرنے دے تو اس نے ملکیت کے مقصد کو فوت کر دیا اور اس نے اپنے حقِ ملکیت کی بنیاد کی اپنے عمل سے نفی کر دی۔

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۶۱۶، رقم: ۵۲۰۵

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۲، رقم: ۱۱۵۵۲

۶۔ بخاري، التاريخ الكبير، ۵: ۳۸۹

۷۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۳: ۲۹۷، رقم: ۱۰۹۶

۸۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۲۷۸، رقم: ۱۱۳۶

۵۔ ملکیتِ مال کے دو پہلو

قرآنی تصورِ ملکیت کے تحت ہر شے اور مال کے دو پہلو متعین ہوئے جو اس طرح ہیں:

۱۔ منفعتی پہلو (Beneficial Aspect): یہ نفع اٹھانے کا پہلو ہے۔

۲۔ مقبضتی پہلو (Possessive Aspect): یہ قبضہ رکھنے کا پہلو ہے۔

قرآن حکیم کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ انقلابی تصورِ ملکیت کے مطابق انسان کو اپنی مملوکہ اشیاء کی صرف ملکیتی حیثیت کا مختار بنایا گیا ہے۔ منفعتی حیثیت کا نہیں۔ یعنی اموال کے قبضہ وتصرف کے ضمن میں اس کے حقوق جائز حدود کے اندر مطلق اور بلاشرکتِ غیر تسلیم کئے گئے ہیں۔ گویا اموال کے قبضہ وتصرّف میں ممکن ہے کہ صرف ایک ہی شخص نجی حق رکھتا ہو، کسی اور کی اس میں کوئی شرکت نہ ہو مگر ان ہی اموال کے منفعتی پہلو پر اسلام اس کے محض بلاشرکتِ غیر نجی حق کو گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس میں معاشرے کے دوسرے افراد بھی شریک ہوں۔ اگر مالک اپنے مملوکہ اموال کے منفعتی پہلو میں دوسروں کے حقوق پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کرے گا تو اس کی اپنی ملکیت بھی جائز قرار پائے گی۔ بصورت دیگر اگر دوسروں کے منفعتی حقوق کا استحصال کرے گا تو اس کی اپنی ملکیت کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ اگر مخلوق کے نفع اٹھانے کا حق ہی جوازِ ملکیت کی بنیاد نہ ہوتا تو جن لوگوں نے جائز ذرائع سے دولت حاصل کی اور پھر اسے مستحقین اور غرباء پر خرچ نہ کیا تو زیادہ سے زیادہ ان پر خرچ کی اخلاقاً ترغیب ہی دی جاسکتی تھی اور خرچ نہ کرنے کے عمل کو گناہ، جرم اور سزاوارِ عذابِ جہنم قرار نہ دیا جا سکتا تھا۔

اس عمل کو مستوجبِ عذابِ جہنم قرار دیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ محض ایک اخلاقی حق کو سلب نہیں کر رہا بلکہ دوسرے کے شرعی اور قانونی حق کو سلب کرتے

ہوئے ظلم و استحصال کا مرتکب ہو رہا ہے۔

۶۔ اِحتکار و اِکتناز عذابِ اِلٰہی کا باعث ہے

قرآن و سنت سے ماخوذ تصورِ ملکیت کے تحت اگر مملوکہ مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں، پورے طور پر ادا نہ کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہو جاتی ہے بلکہ وہ عذابِ آخرت کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَo (۱)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیںo جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےo‘‘

۱۔ حدیث مبارکہ میں بھی ضرورت سے زائد مال کو مستحقین پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ ابو امامہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) التوبۃ، ۹: ۳۴، ۳۵

يا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خيرلک وأن تمسکه شرلک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول.(۱)

’’اے ابن آدم! ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا تیرے لیے زیادہ اچھا ہے۔ اور اگر تو اس مال کو خرچ کرنے سے روک لے گا تو یہ تیرے لیے باعث شر ہوگا۔ البتہ بقدرِ ضرورت بچا کر رکھنا تمہارے لیے باعث عار نہیں ہوگا اور انفاق کا آغاز اپنے قرابت داروں سے کر۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس باب میں جو تصور اپنے عمل مبارک سے واضح فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو کان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.(۲)

’’اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو (ایسی صورت میں بھی) میرے لیے یہی بات باعث راحت ہوتی کہ میں تین راتیں گزرنے تک اسے راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اس مال میں سے اسی قدر بچا کر رکھتا جو قرض کی ادائیگی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ بيهقي، السنن، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزکاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

کے لئے ضروری ہوتا۔‘‘

مراد یہ کہ احد پہاڑ جتنا سونا بھی ہوتا تو سوائے قرض کی ادائیگی جیسی ضرورت کے باقی تین دن کے اندر اندر تقسیم کر دینا ہی میرے لیے باعثِ مسرت امر ہوتا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ دولت خواہ جائز ذرائع سے ہی کمائی گئی ہو لیکن اگر اسے جمع کر کے رکھ دیا جائے اور وہ افرادِ معاشرہ کے درمیان گردش نہ کرے تو اس ذخیرہ اندوزی (hoarding) پر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۷۔ ملکیتِ اَموال حقیقت میں معاشی خلافت ہے

اب ہم قرآن مجید کے حوالے سے ملکیتِ اموال میں امانت و نیابت کا مفہوم واضح کرنا چاہتے ہیں کیونکہ کسی بھی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ نیابت اور امانت کا یہ تصور اخلاقاً تو شاید درست ہو لیکن اس کے پیچھے کوئی قرآنی استدلال نہیں اور اس کی کوئی شرعی و قانونی حیثیت بھی موجود نہیں۔ یاد رہے کہ کسی حکم کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لینے اور قانونی و شرعی حق تسلیم کرنے میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر امانت و نیابت کو محض ایک اخلاقی تصور سمجھ لیا جائے تو اس پر نظامِ معیشت قائم نہیں ہوسکتا کیونکہ مجرد اخلاقی تصورات اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کی بنیاد پر کوئی نظام قائم کیا جا سکے، جب تک ان تصورات کو قانونی وجوب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے۔

۱۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ○[1]

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے

(۱) الحدید، ۵۷:۷

خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اَجر ہے o''

یہاں واضح طور پر ملکیت کو ''استخلاف في المال'' قرار دے دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ.(۱)

''اللہ نے ایسے لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے (جس کا ایفا اور تعمیل امت پر لازم ہے) جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ ضرور انہی کو زمین میں خلافت (یعنی امانت اقتدار کا حق) عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو (حقِ) حکومت بخشا تھا جو ان سے پہلے تھے۔''

اس آیت میں یہ نکتہ کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ اسلامی نظامِ سیاست میں حکومت اور اقتدار میں ''استخلاف في الأرض'' کا اصول کارفرما ہے۔ اسی طرح نظامِ معیشت میں ملکیتِ اموال کو استخلاف في المال کا درجہ دیا گیا ہے۔

اس سے مستنبط ہوا کہ نہ تو اسلامی نظامِ سیاست میں کوئی حکمران روئے زمین پر اپنے آپ کو حاکمِ مطلق کہلا سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی نظامِ معیشت میں کوئی شخص مطلقاً ملکیت کا دعوی کر سکتا ہے۔ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر محض امین اور نائب ہیں لہٰذا دونوں مالکِ حقیقی کے حکم کے پابند ہیں اور کسی کو من مانی کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

۳۔ قرآن مجید نے اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.(۲)

(۱) النور، ۲۴: ۵۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۰

’’اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری ملکیت اللہ ہی کی ہے (تم فقط اس مالک کے نائب ہو)۔‘‘

اندازِ استدلال سے واضح ہے کہ مال خرچ کرنے کے معاملے میں مال کے امین کا متذبذب ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ فکر تو مالک کو ہونی چاہیے۔ قرآن استفسار کر رہا ہے۔ لوگو! تم خرچ کیوں نہیں کرتے اور مال کو کیوں روک رکھتے ہو جبکہ تم مالک ہی نہیں ہو بلکہ تمہاری حیثیت فقط نائب و امین کی ہے۔ نائب و امین ہمیشہ اپنے مالک کے حکم کا پابند ہوتا ہے۔ جب مالک خود فرما رہا ہے: ’’میرے نادار بندوں پر خرچ کر دو‘‘ پھر تمہیں خرچ نہ کرنے کا اختیار کس نے دیا ہے؟

ہماری رائے میں انفرادی اور اجتماعی ملکیت کے یہ سارے بحث مباحثے اور سرمایہ دارانہ یا اشتراکی نظامہائے معیشت کے سارے جھگڑے اسلام نے فقط ’’نیابت و خلافت‘‘ کہنے سے ختم کر دیئے ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تصورِ نیابت و امانت پر استوار ہونے والا معاشی ڈھانچہ کلیتًا اشتراکی اور سرمایہ دارانہ، دونوں نظاموں کے پیش کردہ تصورات سے یکسر جدا ہے اور اس میں افراط و تفریط سے پاک ایک متوازن عادلانہ نظامِ معیشت کی ضمانت دی گئی ہے۔ اسی اصول کو ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے:

۴۔ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰـكُمْ.(۱)

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتًا) عطا کر رکھی ہیں۔‘‘

(۱) الانعام، ۶: ۱۶۶

یہاں بھی انسان کی حیثیت، اموالِ دنیا کی بابت خلافت و نیابت ہی کی بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ آزمائش کے لئے ہے۔ یعنی ان اموال کے ساتھ کچھ شرائط وضوابط اور مصالح وابستہ ہیں اور تمہیں نائب و امین بنایا ہی اس لئے گیا ہے کہ تمہیں پرکھا اور آزمایا جائے کہ آیا تم اس امانت کے جملہ حقوق اور مصالح کی رعایت کرتے ہو یا نہیں؟ اس لئے معلوم ہوا کہ اسلامی نظامِ معیشت میں "ملکیت علی الاطلاق" کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ اس نظام کے احکام وقوانین اپنی ماہیت اور مزاج کے اعتبار سے مطلقاً دوسرے نظاموں سے مختلف ہیں۔

ایک اور مقام پر یہی تصور ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ مال تو فی الحقیقت اللہ ﷻ کا ہے اور وہ تمہیں فقط برتنے کے لئے دیا گیا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ تم اس پر اس طرح قابض ہو رہے ہو کہ دوسروں کو ان کا حق بھی نہیں دینا چاہتے۔

۵۔ ارشادِ الٰہی ہے:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ (۱)

"ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لئے) ممنوع اور بند نہیں ہے ○"

یہاں بھی واضح طور پر اموال واسباب کو فقط عطائے الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ پھر انسان اس کا مالکِ مطلق کیسے بن سکتا ہے۔ واضح رہے کہ اس کی حیثیت فقط محافظ اور امین ہی کی ہوگی اور اس میں ہر فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مقبوضہ اور زیرِ تصرف مال سے جس طرح خود فائدہ اٹھا رہا ہے، دوسروں کو بھی اٹھانے دے۔ تب ہی وہ امانت میں

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

سچا ہے ورنہ خائن اور غاصب ٹھہرے گا کیونکہ آیتِ کریمہ نے دونوں صورتوں میں یہ شرط عائد کر دی ہے:

۱۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ

۲۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا

پہلی شق کا مفہوم یہ ہے کہ اموال و اسبابِ دنیا پر قابض و متصرف لوگوں کو یہ جان لینا چاہئے کہ جس طرح ہم نے ان اموال کے ذریعے ان کی مدد کی ہے اسی طرح ہم دوسروں کی بھی مدد کرتے ہیں۔ یعنی بلا امتیاز اوروں کی مدد کرنا بھی ہم نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ پس کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اوروں تک اس مدد و نصرتِ الٰہی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنے، بلکہ اسے تو محض واسطہ بنایا گیا ہے۔ پس اسے اپنا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے تاکہ ہر ایک کو یہ نعمت برابر پہنچتی رہے۔

دوسری شق کا مفہوم انسانوں کو یہ بتلا رہا ہے کہ تمہارے رب کی عطاء و بخشش کسی کے لئے بھی بند نہیں ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم جو تم نے قائم کر رکھی ہے، جس کا تم برملا اظہار یہ سوچ کر کرتے ہو کہ اللہ نے ہمیں دیا ہے، دوسروں کو محروم رکھا ہے سو ہم انہیں کیوں دیں؟ اس سوچ کا کوئی جواز نہیں۔ اس ناروا طبقاتی تقسیم کا خاتمہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی عطا کردہ تقسیم ہی فطری تقسیم ہے جو قائم رہنی چاہیے۔ اس طرح معاشرے میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔

ارشادِ ربّانی کہ ’’تمہارے رب کی عطا و بخشش ہر ایک کے لئے ہے اور وہ کسی پر بھی بند نہیں‘‘ ایک عادلانہ معاشرے کے قیام کا ضامن ہے مگر اس کا نظام یہ ہے کہ بعضوں کو آزمانے کے لئے بعضوں کو واسطۂ معاش اور وسیلۂ امداد بنا دیتا ہے۔ اب اگر کچھ لوگ معاشرے میں محروم اور معاشی تعطل کا شکار نظر آ رہے ہیں تو وہ مشیت الٰہی سے نہیں بلکہ اربابِ اقتدار و اختیار کے ظلم و استحصال کے سبب سے ہیں، جو ان کے راستے میں رکاوٹ بن

گئے ہیں۔ پس استحصالی نظامِ معیشت کی اس رکاوٹ کو راستے سے دور کرنا ہی حقیقت میں مشیّتِ الٰہی ہے اور قرآنی احکامِ انفاق اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اتارے گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) بھی ملکیتِ اموال کا یہی معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

معنى الملک في حق الآدمي کونه أحق بالانتفاع من غيره.[1]

''انسان کے حق میں ملکیت کا معنی فقط یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کے مقابلے میں فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے زیادہ حق رکھتا ہے۔''

یعنی ملکیت کا معنی ومفہوم فقط یہ ہے کہ مالک کا اس شے سے متمتع ہونے اور نفع اٹھانے کا حق پہلے اور غیر مالک کا بعد میں ہوگا۔ مگر وہ کسی شخص کو نفع اٹھانے سے روک نہیں سکتا، کیونکہ از روئے شرع اس کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین اور نائب کی ہے۔

الغرض ان تمام ارشاداتِ قرآنیہ سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسانی ملکیت فقط امانت اور نیابت و خلافت کے حکم میں آتی ہے اور اس کا جواز صرف مقررہ شرائط اور مصالح کے قائم رہنے پر منحصر ہے۔

۸۔ ملکیت میں اِنسان کا اَمانتی کردار

ملکیت کا مسئلہ واضح کرنے کے بعد اسلام نے بنی نوع انسان کو بتایا کہ جملہ تمام اشیاء خواہ وہ خود اس کی جان ہی ہو، مال و املاک، خوراک وغیرہ سب اللہ کی طرف سے عطا کردہ امانتیں ہیں، انسان محض نائب کے طور پر ان اشیاء کے تصرف کا مجاز ہے اور یہ بات واضح رہے کہ نائب کا تصرف انہی حدود و قیود کے اندر اور انہی مقاصد کے تحت ہونا چاہیے جو اس کے مالکِ حقیقی (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے مقرر کردہ ہیں۔ یعنی نائب کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جن کی نشاندہی مالکِ حقیقی نے کر دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

۱۔ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ. (۱)

''اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (وامین) بنایا ہے۔''

۲۔ اسی طرح ارشاد فرمایا:

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللهِ الَّذِیْ اٰتٰـكُمْ. (۲)

''اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔''

اسلام نے انسان کی زندگی کا مقصد واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اسے ہر حال اور ہر شعبۂ زندگی میں ''عبدیت'' کا مظاہرہ کرنا ہے۔ چنانچہ مال و املاک کی ملکیت کو مقصدِ حیات بنانا غلط ہے یہ تو مقصدِ زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حقوق ملکیت کا بے قید ہونا، انانیت، احکامِ خداوندی سے انحراف اور الٰہامی اوامر ونواہی سے اجتناب شرک کے مترادف ہے اور استکبار کی یہ روش انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

---

(۱) الحدید، ۵۷:۷

(۲) النور، ۲۴:۳۳

فصل دوم

زمین اور اُس کی پیداوار میں اَصلاً تمام اِنسانوں کا حق ہے

زمین بلا شبہ قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے جو نہایت فراخی سے بنی نوع انسان کو عطا کیا گیا ہے مگر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر جاگیرداری اور وڈیرا شاہی کا استحصالی زمیندارانہ نظامِ قارونیت اور فرعونیت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ نتیجتاً بڑے بڑے اجارہ دار جو وسیع قطعاتِ اراضی پر جعلی قبضے (Absentee-Landlordism) کے ذریعے قابض ہیں، خود کو سردار، نواب اور وڈیرا کہتے ہیں، اپنے تابع کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور ہنرمندوں کو بنگاہِ تحقیر ''کی'' پکارتے ہیں اور وہ بزعمِ خویش اپنے آپ کو ان کا رازق اور روزی رساں سمجھ بیٹھے ہیں۔

زمین معاشی پیداوار کا بے بہا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حقِ معاش برابر ہے۔ مگر جو اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو اور اس میں اپنا سرمایہ یا محنت صرف کرے وہ حقِ انتفاع اور استعمال میں دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصلاً سب انسان برابر ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ ''لکم (تم سب کے لیے)'' سے واضح ہے کہ زمین اور اس کے اندر موجود خزانے بنیادی طور پر تمام انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ سو اس حق کو اصولاً کسی خاص طبقے تک محدود کر دینا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنا منشائے ایزدی کے خلاف ہے۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

۲۔ دوسرے مقام پر سورۃ الاعراف میں فرمایا:

وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ۝(۱)

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن وتصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہو۝‘‘

اس آیت کریمہ میں تمام انسانوں کے لئے زمین کے اندر پائے جانے والے اسبابِ معاش مذکور ہیں اور یہ کہ انہیں زمین پر قابض ومتصرف ہونے کا حق دیا گیا ہے

۳۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ۝ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا ۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ۝ وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّنَخۡلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ۝(۲)

’’پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالا۝ پھر ہم نے اس میں اناج اگایا۝ اور انگور اور ترکاری۝ اور زیتون اور کھجور۝ اور گھنے گھنے باغات۝ اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہ۝ خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)۝‘‘

محولہ بالا آیات میں عموم ملکیت یا عموم انتفاع کا ذکر اشارتاً کیا گیا ہے۔ اب قرآن مجید کا وہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس میں بصراحت تخلیق ارضی کے اندر اصلاً سب کا حق برابر ہونا مذکور ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

۴۔ وَجَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ بٰرَكَ فِيۡهَا وَ قَدَّرَ فِيۡهَآ

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) عبس، ۸۰: ۲۶۔۳۲

اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○[١]

''اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

امام ابن جریر طبری (جامع البيان في تفسير القرآن، ٢٤: ٩٧)، حافظ ابن کثیر نے (تفسير القرآن العظيم، ٤: ٩٤) اور زمخشری (الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، ٤: ٩٣) سمیت متعدد مفسرین نے اس کی تصریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ زمین، اس کی پیداوار اور اس کے اسبابِ معاش میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر رکھا گیا ہے اور کسی کو بھی دوسرے پر کوئی تفوق اور برتری حاصل نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عہدِ رسالت مآب ﷺ میں اپنی ایک زمین وقف کرنا چاہی جس میں کھجور کے درخت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایک زمین ملی ہے جو بڑی نفیس ہے اور میں وہ خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تصدق بأصله لا يباع ولا يوهب ولا يورث ولكن ينفق ثمره فتصدق به عمر.[٢]

(١) حٰم السجده، ٤١: ١٠

(٢) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب وما للوصي أن يعمل في مال اليتيم وما يأكل منه بقدر عمالته، ٣: ١٠١٧، رقم: ٢٦١٣

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الوصية، باب الوقف، ٣: ١٢٥٥، رقم: ←

’’اصل زمین کو صدقہ کر دو تاکہ نہ اسے فروخت کیا جا سکے نہ ہبہ کی جا سکے اور نہ ورثہ بن سکے البتہ اس کا پھل راہِ خدا میں وقف کر دیا جائے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔‘‘

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الأرض كلها في الحقيقة بمنزلة المسجد أو رباط جعل وقفا على أبناء السبيل وهم شركاء فيه فيقدم الأسبق فالأسبق. (۱)

’’پوری زمین مسجد اور سرائے کی مانند ہے جو مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے بنائی جاتی ہے اور اس میں سارے لوگ ساجھی دار ہوتے ہیں پس اس کا حق دار جو پہلے سے ہے اس کو (انتفاع کا حق) پہلے ہے (اور بعد والے کو بعد میں)۔‘‘

۱۔ زمین کی تحدید اور تقسیم

زمین کی تحدید کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو لا آخر المسلمين ما حسنة قرية إلا قسمتها بين أهلها كما قسم النبي صلى الله عليه وآله وسلم خيبر. (۲)

...... ۱۶۳۲

۳۔ ابن خزيمة، كتاب الزكاة، الصحيح، ۴: ۱۱۸، رقم: ۲۴۸۵

۴۔ ابن حبان، الصحيح، كتاب الوقف، ۱۱: ۲۶۴، رقم: ۴۹۰۱

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم وأرض الخراج ومزارعتهم ومعاملتهم، ۲: ۸۲۲، رقم: ۲۲۰۹ ←

”اگر مجھے آئندہ جو لوگ مسلمان ہوں گے ان کا خیال نہ ہوتا تو میں جس بستی کو فتح کرتا اسے فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر کو تقسیم فرما دیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے تقسیم وتحدید اراضی کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ ضرورت سے زائد زمین پر حسبِ ضرورت حکومتی تصرف کا حق

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے غیر مزروعہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے عطا فرمائی تھی حالانکہ وہ اس پر رضامند نہ تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

إن رسول الله ﷺ لم يقطعك لتحجره عن الناس إنما أقطعك لتعمل، فخذ منها ما قدرت على عمارته ورد الباقي. (۱)

”یقین جانو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ بلکہ آپ ﷺ نے یہ علاقہ اس لئے عطا فرمایا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس حصے کی آبادکاری تم کر سکتے ہو وہ تم لے لو اور بقیہ واپس کر دو۔“

.... ۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۲۸۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۳۱۷، رقم: ۱۲۶۰۱

۴۔ أبو داود، المراسیل، ۳: ۱۶۱

(۱) ۱۔ أبو عبید، کتاب الأموال: ۳۶۸، رقم: ۷۱۳

۲۔ قرشي، کتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴

فصل سوم

جملہ اَموال میں حاجت مندوں کا شرعی حق ہے

اسلامی نظامِ معیشت کا تیسرا بنیادی تصور جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کے حق سے متعلق ہے۔ اسلام نے ہمارے کمائے ہوئے مال میں محروم المعیشت افراد کا باقاعدہ حق رکھ دیا ہے۔ جس کی حیثیت محض اخلاقی اور ترغیبی نہیں، شرعی و وجوبی اور قانونی ہے۔ اس کی ادائیگی محض نفلی نیکی نہیں، فرض ہے جسے پورا نہ کرنا حرام بلکہ جرم ہے۔ اگر اہلِ ثروت از خود حاجت مندوں کے حقوق اپنے مال سے ادا نہ کریں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بذریعہ قانون ان واجب الادا حقوق کی ادائیگی کا جبری اہتمام کرے ورنہ یہ حق تلفی، استحصال اور صریحاً ظلم و زیادتی متصور ہوگی۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۱)

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo''

۲۔ دوسرے مقام پر اسی حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۲)

''اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo''

یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اس ضمن میں جس کسی کو بھی اپنے اموال کے منافع میں

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

شریک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کے لئے ایتائے حق (حق ادا کرنے) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن سے ان حقداروں کی قانونی و شرعی حیثیت اجاگر ہوتی ہے جس کی رو سے وہ اسلامی ریاست سے اس حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ.(۱)

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔‘‘

اس پر مستزاد یہ کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور قابلِ احترام قرار دیا گیا ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق۔ اس میں مالک کو بلحاظِ مقدار (Quantitatively) ترجیح تو بہرحال حاصل ہے لیکن بلحاظِ معیار (Qualitatively) دینے والے اور لینے والے دونوں برابر کے حقدار ہیں اور شریک فی المنافع (Beneficiary) کا حق کسی لحاظ سے بھی مالک یعنی قابض و متصرف (Owner) کے حق سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔

۴۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ.(۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

یعنی دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔

۱۔ مالِ وراثت میں غرباء کا شرعی حق

قرآن حکیم نے غرباء و مساکین کا حق ہر دوسرے حق پر مقدم رکھا ہے۔ حتی کہ وراثت میں جس پر ورثاء کا مکمل طور پر نجی حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے نادار اور غریب لوگوں کو وہاں بھی محروم نہیں رہنے دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا۝(۱)

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو۝‘‘

اس آیت سے دو اصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ یہ کہ اسی مال میں سے یتامیٰ و مساکین (مستحقین) کو دو جو ورثاء میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ورثاء تو بہتر مال لے جائیں لیکن مستحقین کو گھٹیا مال دے دیا جائے۔ یہاں ’’منہ‘‘ کا مفہوم اور اس حصہ آیت کا افادہ کلام یہی ظاہر کر رہا ہے۔

۲۔ مزید برآں یہ کہ وراثت میں غرباء مستحقین کے حق کا شرعی وجوب بھی ثابت ہو رہا ہے کیونکہ ’’فارزقوھم‘‘ امر کا صیغہ ہے یعنی حکم دیا جا رہا ہے کہ مال وراثت میں غرباء اور مساکین کو شریک کیا جائے۔

یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ مالِ وراثت بلا شرکتِ غیر ورثاء کا حق ہوتا ہے لیکن اس میں بھی مستحقین کو شریک کرنے کا حکم ان کے حق کے شرعی وجوب اور اہمیت پر دلالت کر

(۱) النساء، ۴: ۸

رہا ہے۔ اس امر کی وضاحت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی درج ذیل قول سے ہوتی ہے:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم ويتاماهم ومساكينهم من الوصية فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث.(۱)

”اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ جب مالِ وراثت تقسیم ہونے لگے تو رشتہ داروں کے ساتھ یتامیٰ و مساکین کو بھی وصیت میں شامل کریں اور اگر ان کے حق میں وصیت نہ کی گئی ہو تو پھر انہیں وراثت میں شریک کیا جائے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ مستحق غرباء و مساکین یعنی ناداروں کو حصہ ملکیتِ وراثت میں سے بہرصورت دیا جائے گا خواہ وہ وصیت کے طور پر ہو یا مالِ وراثت میں سے۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ سے حکمِ اِنفاق ساقط نہیں ہوتا

اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إن في المال لحقًا سوى الزكاة.(۲)

”بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔“

---

(۱) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹
۲۔ طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۴: ۲۶۲
۳۔ شافعي، أحكام القرآن، ۱: ۱۴۷

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن المال لحقاً سوى الزكاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹
۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اڑھائی فیصد (۲.۵%) زکوٰۃ ادا کر دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مال کا حق ادا ہو گیا بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں سے مستحقین کے ایسے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا فرض کا درجہ رکھتا ہے۔

مستحقین کے حقوق کی ادائیگی اس قدر اہم ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اسے نظر انداز کرنے کی صورت میں کوئی بھی عمل عملِ صالح نہیں قرار پاتا۔ قرآن مجید اس تصور کی نفی کرتے ہوئے بڑی صراحت کے ساتھ ''نیکی کے تصور'' کو یوں بیان کرتا ہے:

۱۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ.[۱]

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔''

یہاں یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ'' اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے وہاں ''انفاق فی المال'' کی صفت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس صفت کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا متقین کا جزو لاینفک معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلے ''متقین'' کی اصطلاح اور ان کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں وارد ہوئی ہے اور اس میں ان کے لئے ''وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' [البقرة، ۲: ۳] کی شرط پوری کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یعنی انہیں اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے محتاجوں اور ناداروں کا معاشی تعطل دور کرنے کے لئے خرچ کرنا ہو گا۔ دوسرے مقام پر ایجابی انداز سے بِرّ (نیکی) کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

۲۔ وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

وَالۡمَسٰکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَالسَّآئِلِیۡنَ وَ فِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ.(۱)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔‘‘

گویا برّ، صدق اور تقویٰ تمام تصورات کا تقاضائے اوّلین اسی حق کی ادائیگی ہے۔ اس کے بغیر انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

۳۔ غرباء کے معاشی حق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہو یہی عملاً اصل دین ہے۔

۱۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدۡرٰکَ مَا الۡعَقَبَۃُo فَکُّ رَقَبَۃٍo اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍo یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍo اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ o ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِo اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِo وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَاھُمۡ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِo(۲)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) البلد، ۹۰: ۱۲۔ ۱۹

(غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے ○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے) ○ قرابت دار یتیم کو ○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے ○ پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیں ○ یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیں ○ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب) ہیں ○''

مذکورہ بالا آیات نے ''العقبة'' (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کہ عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جدوجہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو ''اصل دیندار اور جنتی'' قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو لادین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

یہ ہے ''اصل دینداری کی قرآنی تعبیر'' جس کو ہم نے اپنے مزعومہ مفادات کی خاطر محض نفل، نیکی اور فعلِ مستحب کے کھاتے میں ڈال کر حقائقِ قرآنی سے صرفِ نظر کر لیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قومِ ثمود کی تباہی و ہلاکت کا بیان کرتے ہوئے قرآن مجید ''سورة الماعون'' کے مضمون کو پھر دہراتا ہے۔ جس سے ''بے دینی'' کے قرآنی تصور کا اندازہ

ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝[1]

''یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے ۝ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو ۝ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے) ۝ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو ۝''

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا باعث قرار دیا ہے۔

۴۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت قرآنی فکر سے متصادم ہے

اسلام میں اہلِ حرفہ اور محنت کش طبقے کو طبقاتی و گروہی کشمکش سے ماوراء، جس قدر بنیادی معاشی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے کسی دوسرے مذہب اور نظام میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں لیکن یہ حقوق اس وقت تک میسر نہیں ہو سکتے جب تک مسلم معاشرے کو حقیقی طور پر اسلامی خطوط پر استوار نہ کیا جائے۔ پس اسلام کی روح کے مطابق قائم کردہ فلاحی معاشرے میں ہی افلاس و احتیاج، ظلم و زیادتی، استحصال، جہالت و ناخواندگی اور پسماندگی و نکبت کو دور کیا جا سکتا ہے۔ متداول سرمایہ دارانہ نظام (Capitalistic System) اور اشتراکی نظام (Socialistic System) کی کوئی نوعیت اپنی کسی بھی شکل میں مذکورہ بالا خرابیوں سے عہدہ براء نہیں ہو سکتی۔

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

یہاں ہم ایک نہایت ہی اہم نکتہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ ثروت، محروم المعیشت افراد کو اپنے مال اور منافع میں شریک کرنے سے اس دلیل کی بناء پر انکار نہیں کر سکتے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ ہے کہ انہیں محروم رکھا جائے اور وہ مالدار نہ ہوں تو ہم یہ ذمہ داری کیوں نبھائیں؟ قرآن مجید نے اس استدلال کو کافرانہ سوچ گردانتے ہوئے مسترد کر دیا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطۡعَمَهٗۤ ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ○(۱)

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہوگئے ہو ○‘‘

متذکرہ آیت کریمہ نے اس سرمایہ پرستانہ اور کافرانہ ذہنیت کی واضح طور پر نفی کر دی ہے کہ اہلِ ثروت (Haves) اور نادار و مفلس (Have Nots) طبقات خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور اس کی مشیت بھی یہی ہے کہ اس صورتحال کو جوں کا توں (Status Quo) برقرار رکھا جائے۔ واضح ہو کہ ایسی سوچ قرآن حکیم کے سرچشمۂ ہدایت کا کھلم کھلا انکار ہے۔ قرآن مجید اسے ملحدانہ سوچ اور کافرانہ ذہنیت قرار دے رہا ہے جبکہ الوہی مشیت تو وہی ہے جس کا قرآن مجید میں حکم ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر مستحقین کے حق کی نفی کرنے والوں کی سوچ کو قارون کے استدلال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ سب کچھ میرے علم و ہنر کا نتیجہ ہے۔

(۱) یٰسٓ، ۳۶: ۴۷

اس میں کسی اور کا کیا حق ہے؟ قرآن حکیم نے قارونی ذہنیت بیان کی کہ جب قوم نے قارون سے کہا کہ وہ غرور و تکبر کو چھوڑ کر بارگاہِ الوہیت میں جھک جائے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے خزانوں میں سے معاشرے کے مستحق افراد کی مدد کرے تو وہ جو کہ سرمایہ و دولت کے نشہ میں بدمست تھا۔ اس نصیحت کے جواب میں کہنے لگا:

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا. (۱)

’’وہ کہنے لگا: (میں یہ مال معاشرے اور عوام پر کیوں خرچ کروں) مجھے تو یہ مال صرف اس (کسبی) علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعۃً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور (مال و دولت اور افرادی قوت کے) جمع کرنے میں کہیں زیادہ (آگے) تھیں۔‘‘

ان آیات نے سرمایہ پرستانہ قارونی فکر اور اسلامی فکر میں واضح حدِ فاصل (Line of Distinction) قائم کر دی ہے۔ قارونی فکر، اپنے سرمایہ و دولت کو نہ تو اللہ کی دین تصور کرتی ہے، نہ خود کو نائب و امین سمجھتی ہے اور نہ ہی اس میں دوسروں کے حق کو تسلیم کرتی ہے جسے مستحقین پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو۔

اس کے برعکس اسلامی فکر میں سرمایہ و دولت، انسانی علم کی پیداوار نہیں بلکہ محض اللہ کی دین ہے انسان اس کا مالک نہیں بلکہ محض نائب و امین ہے اور اس میں دوسرے مستحق افراد کا بھی اسی طرح حق ہے جیسے خود مالک کا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن مجید نے ایک اور مقام پر یہ پیغام اس قدر بلیغ انداز میں واضح فرمایا ہے کہ اگر اس اُلوہی پیغام کی معنویت اور روح انسان کے قلب و ذہن میں اتر جائے تو مفاد

(۱) القصص، ۲۸: ۷۸

پرستانہ ذہنیت کا کلیتًا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ ساری طبقاتی کشمکش اپنی موت مر جائے گی۔ قرآن حکیم نے فرمایا:

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَo ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَo لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰـهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَo اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَo بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَo اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَo لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰـهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَo اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَo ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَo نَحْنُ جَعَلْنٰـهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَo [1]

’’بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہوo تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤo (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیاo بلکہ ہم بے نصیب ہو گئےo بھلا یہ بتاؤ جو پانی تم پیتے ہوo کیا اسے تم نے بادل سے اتارا ہے یا ہم اتارنے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں، پھر تم شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟o بھلا یہ بتاؤ جو آگ تم سُلگاتے ہوo کیا اِس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم (اسے) پیدا فرمانے والے ہیں؟o ہم ہی نے اِس (درخت کی آگ) کو (آتشِ جہنّم کی) یاد دلانے والی (نصیحت وعبرت) اور جنگلوں کے مسافروں کے لئے باعثِ منفعت بنایا ہےo‘‘

قرآن حکیم کے ان ارشادات اور احکامات کی روشنی میں یہ حقائق واضح ہو جاتے ہیں کہ:

۱۔ جملہ اموال میں تمام بنی آدم کا حق برابری کی بنیاد پر رکھا گیا ہے۔

(۱) الواقعة، ۵۶: ۶۳۔ ۷۳

۲۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس مال کو صرف اپنی ملکیت سمجھتے ہوئے دوسروں کو اس سے متمتع ہونے سے روک لے۔

فصل چہارُم

اَصل رزق اور بنیادی حق المعاش میں تمام اِنسان برابر ہیں

اسلامی نظامِ معیشت اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات میں انسان کی معاشی ضروریات کی کفیل اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے اور اسی کے پیدا کردہ اسبابِ معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا مساوی حق حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں اس بات کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.[۱]

’’وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔‘‘

۲۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ.[۲]

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے۔‘‘

۳۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ○[۳]

’’اور آسمان میں تمہارا رِزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے○‘‘

۴۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ.[۴]

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الذاریات، ۵۱: ۲۲

(۴) الجاثیة، ۴۵: ۱۳

''اور اُس نے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے (نظام کے تحت) مسخر کر دیا ہے۔''

۵۔ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّائِلِيْنَ ○(۱)

''اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

مذکورہ بالا اور ایسی کئی دوسری آیات کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

(ا) زمین و آسمان میں جو خزانے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہیں اور یہ سب کے لیے ہیں یعنی تمام بنی نوع انسان ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

(ب) وسائلِ رزق کسی خاص گروہ یا قوم کے لیے نہیں۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام مقرر کیا ہے کہ حقِ معیشت کے حصول میں کوئی محروم نہ رہے۔

(د) تمام انسان حقِ معیشت میں برابر ہیں۔

(ر) ہر انسان کو اپنی صلاحیت، ضرورت اور خواہش کے مطابق پیشہ اختیار کر کے ان

(۱) حٰم السجدۃ، ۴۱: ۱۰

وسائل سے استفادہ کا حق ہے اور ترقی کرنے کے مواقع سب کے لیے ہیں۔

اَصل رزق میں برابری اور درجاتِ رزق میں تفاوت

اسلام نے حقِ معیشت میں ’’برابری‘‘ کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کا معنی و مفہوم معاشی مساوات یا معیشت میں برابری نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہو۔ معاشی جدوجہد اور ترقی کے راستے سب کے لیے یکساں ہوں اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ اپنی کمائی ہوئی دولت کو استعمال کر کے اپنی معیشت میں ترقی کر سکے۔ اسلام دولت کی مساوی تقسیم (Equal Distribution of Wealth) کا قائل نہیں بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم (Equitable Distribution of Wealth) چاہتا ہے۔ محنت، قابلیت، حافظہ، کام کرنے کی اعلیٰ اور جداگانہ اہلیت، طاقت اور صحت وغیرہ یہ سب صلاحیتیں ان کو یکساں نہیں ملتیں اسی لیے دولت کا کسی کے پاس کم یا زیادہ ہونا ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام درجاتِ معیشت اور رزق میں تفاوت کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ یہ ایک فطری عمل اور حقیقت ہے۔ ارشاداتِ قرآنی کی رو سے تمام افراد کو حقِ معیشت یعنی ضروریاتِ زندگی کے مہیا کئے جانے کے بنیادی حق میں برابر رکھا گیا ہے۔ لیکن بنیادی حقِ معیشت کی یہ مساوات رزق میں تفاوت اور کمی بیشی کے تصور کے منافی نہیں لہٰذا قرآن مجید کی ان تمام آیات میں جہاں کسی کو زیادہ اور کسی کو کم رزق عطا کیے جانے کا ذکر ہے وہ بنیادی حقِ معیشت میں مساوات کے تصور سے ہرگز متصادم نہیں اس سے فقط درجاتِ رزق میں تفاوت مراد ہے۔

تفاوتِ معیشت اور رزق میں کمی بیشی میں حکمتِ خداوندی یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے اس دنیا کے تقسیم کار کے نظام کو اس طرح چلانا پسند فرمایا کہ ہر انسان دوسرے انسان سے وابستہ اور اس کا مددگار ہو اور ایک دوسرے کے کام آئے تاکہ اجتماعی معاشرتی زندگی کا ظہور ہو اور بہترین معاشی نظام قائم رہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا.[1]

’’ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں۔‘‘

۲۔ وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰـکُمۡ.[2]

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔‘‘

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے انسان کو بھرپور معاشی جدوجہد (Economic Activity) کی تلقین کی اور فیصلہ دیا:

۳۔ وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo[3]

’’اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہوگی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o‘‘

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۵

(۳) النجم، ۵۳: ۳۹

۴۔ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا.[۱]

’’اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔‘‘

۵۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○[۲]

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○‘‘

۶۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.[۳]

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۷۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○[۴]

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے○‘‘

۸۔ وَاللهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ.[۵]

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے۔‘‘

(۱) القصص، ۲۸: ۷۷
(۲) الجمعه، ۶۲: ۱۰
(۳) المزمل، ۷۳: ۲۰
(۴) العنکبوت، ۲۹: ۱۷
(۵) النحل، ۱۶: ۷۱

۹۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ.[۱]

’’اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔‘‘

۱۰۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ.[۲]

’’دیکھئے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے۔‘‘

۱۱۔ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○[۳]

’’اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق (وعطا) سے نوازتا ہے ○‘‘

مندرجہ بالا آزمائش یہ جاننے کے لیے ہے کہ انسان حکمِ الٰہی کے مطابق دوسروں کے حق میں اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتا ہے۔ اگر وہ یہ ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ایسے جرم کی سنگینی کے مطابق سزا کا حقدار ہے۔

حاصلِ کلام

اسلامی معاشرے میں جہاں تمام افراد کے لیے بنیادی حقِ معاش میں مساوات کا حکم دیا گیا ہے وہاں درجاتِ رزق میں تفاوت کا تصور بھی موجود ہے لیکن یہ تفاوت صرف مراتبِ رزق میں روا ہے بنیادی حق میں نہیں۔ تفاوتِ رزق میں یہ تفاوت تقاضائے ربوبیت اور حکمتِ احتسابِ الٰہیہ پر مبنی ہے۔ جبکہ انسانوں کی طرف سے مستحقین کو بنیادی حقِ معیشت سے محروم رکھنا باری تعالیٰ کی خالقیت، ربوبیت اور رحمانیت کے منافی ہے۔ اس لیے اسلام ایسے نظام کو رد کرتا ہے جس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جائے۔

الغرض اسلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر

(۱) الرعد، ۱۳: ۲۶

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۱

(۳) النور، ۲۴: ۳۸

قائم رہے کہ کسی صورت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجۂ ظلم و استحصال نہ بن سکے یعنی تفاوتِ درجات تو ہو لیکن یہ تفاوت ایسا نہ ہو کہ معیشت انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

فصل پنجم

بنیادی حق المعاش کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے

گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں تمام انسانوں کو حق المعاش کے مساوی حقوق دیئے گئے ہیں۔ اس میں بحیثیت انسان مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

مرّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بباب قوم وعليه سائل يسأل، شيخ كبير ضرير البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من أي أهل الكتاب أنت؟ فقال: يهودي. قال: فما ألجاک إلى ما رأى؟ قال أسئل الجزية والحاجة والسن. قال: فأخذ عمر بيده وذهب إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل. ثم أرسل إلى خازن بيت المال فقال: انظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذله عند الهرم ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ والفقراءهم المسلمون، وهذا من المساكين من أهل الكتاب ووضع عنه الجزية وعن ضربائه. (۱)

’’حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سے کسی شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے وہاں ایک سائل سوال کر رہا تھا جو نہایت ضعیف اور اندھا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بازو پر پیچھے سے مارا اور کہا کہ تم کون سے اہلِ کتاب میں سے ہو؟ اس نے کہا کہ یہودی ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے اس امر پر کس

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

نے مجبور کیا جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اس نے کہا کہ میں جزیہ کی ادائیگی، حاجات کی تکمیل اور عمر رسیدگی کی وجہ سے سوال کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے گئے اور اسے اپنے گھر سے کچھ مال دیا پھر اسے بیت المال کے خازن کی طرف بھیجا اور کہا کہ اسے اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کو دیکھو۔ خدا کی قسم! ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا کہا کہ ہم نے اس کی جوانی سے تو خوب فائدہ اٹھایا اور بڑھاپے میں اسے رسوا کر دیا (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی) ﴿بے شک صدقات فقراء اور مساکین کے لئے ہیں﴾ (اور فرمایا:) فقراء سے مراد مسلمان ہیں اور یہ اہلِ کتاب مساکین میں سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اور اس جیسے دیگر کمزور لوگوں سے جزیہ ساقط کر دیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رعایا کو حق المعاش کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ صاحبانِ اقتدار پر لازم ہے کہ اس امر کا انتظام کریں کہ کوئی بھی شخص حقِ معیشت سے محروم نہ ہو۔ بلکہ ہر فرد کو حصولِ معیشت کا مساوی حق دیا جائے تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں اور کاوشوں کو بروئے کار لا کر باعزت اور حلال طریقے سے اپنی روزی کما سکیں۔ نیز اہلِ ثروت پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ضرورت مندوں، غرباء اور محتاجوں کی معاشی ضروریات بدرجہ کفایت پورا کریں تاکہ معاشرے کا کوئی بھی فرد اپنی بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ رہے۔ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اگر معاشرہ میں غریب اور نادار لوگ زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہوں اور دوسری طرف امراء عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہوں تو اسلامی حکومت ان امیر لوگوں سے جبراً مال وصول کر کے غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن مقامات پر اپنے بندوں کو رزق فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان میں اسلامی ریاست کو اس کی بنیادی ذمہ داری سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ

قرآنی احکام اس منشاء ایزدی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لٰہذا اسلامی ریاست پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو پورا کرے کہ ایسا کرنے سے ہی اس کے قیام و بقا کا جواز ہے۔

۱۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا.(۱)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔''

اب اس وعدۂ الٰہی کے بعد اگر کوئی شخص بنیادی حق المعاش سے محروم ہے تو اس کی ذمہ داری براہ راست ریاست اور حکومتِ اسلامی پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حقوق اللہ کی تنفیذ اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا من جانب اللہ اسلامی ریاست ہی کا حق ہے۔ جیسے حدود کا اجراء، حقوق اللہ میں سے ہے مگر اس کو تعزیری شکل میں ریاست نافذ کرتی ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت میں حکمران اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہوتا ہے۔ جب کوئی اسلامی حکومت خلافتِ الٰہیہ ہونے کے ناتے بندوں سے وہ حقوق حاصل کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں (مثلاً حدود، قصاص، عشر، زکوٰۃ وغیرہ) تو پھر اسے لازماً وہ فرائض بھی ادا کرنا ہوں گے جو اللہ رب العزت نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ پس ''اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا'' کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہر فرد کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا اسلامی ریاست کا فرضِ منصبی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

۲۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُo(۲)

(۱) ہود، ۱۱:۶

(۲) العنکبوت، ۲۹:۶۰

’’اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

یہاں بھی ’’یَرْزُقُهَا وَ اِیَّاکُمْ‘‘ کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں جو حق المعاش کی یکساں فراہمی کی ذمہ داری کا واشگاف اعلان کر رہے ہیں۔

۳۔ ایک اور مقام پر ہر فرد کو حق المعاش کی یکساں فراہمی کا وعدہ اس طرح کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ.(۱)

’’اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔‘‘

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس امر کا اعلان فرما رہے ہیں کہ ہر ایک کو بنیادی طور پر رزق مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے جس سے یہ امر ثابت ہے کہ باری تعالیٰ ایسے تمام مقاصد، معاشرتی زندگی میں افراد کے قائم کردہ نظام کے ذریعے سے ہی پورا کرنے کا حکم صادر فرما رہا ہے اس لئے کہ یہ عالمِ اسباب ہے اور ’’**نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ**‘‘ کا مفہوم یہی ہے کہ جس طرح تمہارے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے اسی طرح جو تمہارے زیرِ کفالت ہیں ان کے رزق کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔

ا۔ بنیادی حق المعاش کیا ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا بنیادی حق المعاش ہے جس کی فراہمی اسلامی معاشرے اور ریاست کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

ا۔ عن عثمان قال: قال رسول الله ﷺ: ليس لابن آدم حق في سوى

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز.[۱]

’’حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی (یعنی یہ بنیادی حقِ معاش ہے، جب تک یہ ہر ایک کو میسر نہ آجائے اس سے زائد کا حق کسی کو نہیں)۔‘‘

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حقِ معیشت (ضروریاتِ زندگی) سے زیادہ کو اپنا بنیادی حق سمجھنا اور دوسروں کو محرومی سے دوچار کر کے بھی حقِ معیشت سے زائد تحفظ کا مطالبہ کرنا اسلامی شریعت کے لئے ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے۔ مزید برآں مال واسباب کے باب میں ایسی بنیادی ضروریات کا فراہم کیا جانا لوگوں کا بنیادی حق ہے جسے ہر ایک کو یکساں طور پر ادا کیا جانا چاہیے۔

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی اس بنیادی تصور کی وضاحت کر رہا ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں کہ لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں تو مالدار لوگوں کے مال سے غریبوں کا حق زبردستی چھین کر بھی ان کو دیا جا سکتا ہے:

فوالله لو أن الله لم يفرجها ما تركت أهل بيت من المسلمين لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام على ما يقيم واحدًا.[۲]

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸۶۷
۳۔ المقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۴۵۵، رقم: ۳۲۹
(۲) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲
۲۔ تميمي، الجرح والتعديل، ۱: ۱۹۲

’’(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) خدا کی قسم اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں حکماً داخل کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقیناً دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول مبارک بھی ملاحظہ ہو:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين.(۱)

’’اگر مجھے اس امر کا خیال پہلے آ جاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لے کر فقراءِ مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔‘‘

۲۔ بنیادی حق المعاش کی مساوی فراہمی کا حکم

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی حق المعاش میں مساوات ملحوظ رکھنے کا حکم صادر فرمایا اور محروم المعیشت افراد کی کفالت کا باقاعدہ انتظام بھی فرمایا جس کا اندازہ درج ذیل احادیث مبارکہ سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.(۲)

---

(۱) ۱۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
←

’’جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کی سواری نہیں۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانا اور سامان ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس ضرورت کا کھانا نہیں۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے متعدد اصنافِ مال کا ذکر فرمایا۔ صحابہ فرماتے ہیں: حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ زائد از ضرورت کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں ہے۔‘‘

فلیعد به کا انقلابی فلسفہ

مذکورہ حدیث طیبہ میں قابلِ توجہ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ’’**فلیعد به**‘‘ یعنی لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ غرباء کو عطا کر دو۔ دینے اور لوٹانے میں بڑا واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے ذاتی حق میں سے کسی کو کچھ دے دیں تو یہ عطا ہوگی لیکن اگر معاشرے کے ظالمانہ استحصالی نظام کے تحت کسی غریب کا حق بھی آپ نے سلب کر کے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور آپ اسے اس کے حقیقی حقدار تک پہنچا دیں تو یہ دینا نہیں بلکہ لوٹانا ہوگا۔

۲۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے تو آپ ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا:

من ضحی منکم فلا یصبحن بعد ثالثة وفي بیته منه شيء. (۱)

...... ۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۱

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۴: ۲۰۰، رقم: ۶۴۹۰

۶۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۳۸۳، رقم: ۱۲۸۳

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب ما یؤکل من لحوم ــــ

’’تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو وہ تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر میں گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح عمل کیا اور گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا۔ اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! نفعل کما فعلنا عام الماضي قال: کلوا وأطعموا وادّخروا فإن ذلک العام کان بالناس جهد فاردت أن تعینوا فیها.(۱)

...... الأضاحي وما یتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب بیان ما کان النهي عن أکل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبیان نسخه وإباحة إلی متی شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۹: ۲۹۲

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۵: ۸۲، رقم: ۷۸۷۸

۶۔ ابن حزم، المحلی، ۷: ۳۸۳، رقم: ۹۸۵

۷۔ شوکاني، نیل الأوطار شرح منتقي الأخبار، ۵: ۲۱۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأضاحي، باب ما یؤکل من لحوم الأضاحي وما یتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأضحی، باب بیان ما کان النهي عن أکل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبیان نسخه وإباحة إلی متی شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۹: ۲۹۲، رقم: ۱۹۲۱۸

←

’’یا رسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح (سارا گوشت تقسیم) کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس سال کھاؤ، کھلاؤ اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھو۔ پچھلے سال لوگ پریشان حال تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔‘‘

۳۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اپنا باغ اپنے مستحق رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا:

فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه. (۱)

’’پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔‘‘

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹

۵۔ أبي عوانه، المسند، ۵: ۸۲، رقم: ۷۸۲۸

۶۔ ابن حزم، المحلی، ۷: ۳۸۳، رقم: ۹۸۵

۷۔ شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقي الأخبار، ۵: ۲۱۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقاربين والزوج والأولاد والوالدين ولو كانوا مشركين، ۲: ۶۹۳، رقم: ۹۹۸

۳۔ مالك، الموطأ، كتاب الصدقة، باب الترغيب في الصدقة، ۲: ۹۹۵، رقم: ۱۸۰۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۱، رقم: ۱۲۴۶۱

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۶: ۱۵۰، رقم: ۷۱۸۲

۶۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۶۴، رقم: ۱۱۷۰۰

آج ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں مال اور رزق کی تقسیم کا عادلانہ نظام انسان کی پیدا کردہ ناہمواریوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ نانِ شبینہ جیسی بنیادی ضرورتِ زندگی کو ترس گئے ہیں اور کچھ لوگ وسائلِ رزق پر قابض ہونے کے باعث پُرتعیش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر کا حق المعاش عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر اسلامی استحصالی اور ظالمانہ نظام نے معاشرے کے بعض افراد کا حق چھین کر جن متمول صاحبِ ثروت افراد کی جھولی میں ڈال دیا ہے ان سے واپس لے کر معاشرے کے محروم المعیشت اور مفلوج الحال لوگوں کو دلایا جائے اور ایسا کرتے ہوئے اگر طاقت کا استعمال بھی ناگزیر ہو تو دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ یعنی اسلامی ریاست کو یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ ہر صاحبِ ثروت از خود ان کا یہ حق ادا کر دے یا حکومت بذریعہ حکم اس سے لے کر اصل حقدار کو لوٹا دے۔

۳۔ حق المعاش کی فراہمی تقاضائے ایمان ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع.(۱)

’’وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتا جو خود تو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۳

۲۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۴: ۱۸۴، رقم: ۷۳۰۷

۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۱: ۱۵۴، رقم: ۱۲۷۴۱

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹

۵۔ ابن حمید، المسند، ۱: ۲۳۱، رقم: ۶۹۴

۶۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷

اس حدیث مبارکہ کی رو سے بنیادی ضروریات کا ہر فردِ معاشرہ کو بہم پہنچانا شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے اور کم سے کم ذمہ داری ہر ایک پڑوسی کی دوسرے پڑوسی کے حوالے سے یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کسی بنیادی ضرورت سے محروم نہ رہے۔ چونکہ تمام افرادِ معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ پڑوسی کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اس لئے یہ ذمہ داری پورے معاشرے کی ہے کہ اپنے کسی فرد کو بھی بنیادی حق المعاش سے محروم نہ رہنے دے۔ اسلامی حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی تنفیذ کا اہتمام کرے۔

۴۔ معاشی مساوات اور نیک حکمران

حضور نبی اکرم ﷺ نے قربِ قیامت کے آخری زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے ایک صالح حکمران (حضرت امام مہدی) کے بارے میں پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں میں معاشی مساوات قائم کرے گا۔

۱۔ حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: أبشركم بالمهدي يبعث في أمتي على اختلاف من الناس وزلازل فيملأ الأرض قسطاً وعدلاً كما ملئت جوراً وظلماً يرضى عنه ساكن السماء وساكن الأرض يقسم المال صحاحاً. قال له رجل: ما صحاحاً؟ قال: بالسوية بين الناس ويملأ الله قلوب أمة محمد ﷺ غنى فلا يحتاج أحد إلى أحد. (۱)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۲، رقم: ۱۱۵۰۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۷، رقم: ۱۱۳۴۴
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۳۱۳

نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں امام مہدی کی بشارت دیتا ہوں وہ ایسے دور میں مبعوث ہوں گے جب لوگ باہم اختلاف کا شکار ہوں گے اور وہ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں گے جیسا کہ پہلے ظلم جاری ہوگا۔ زمین و آسمان کے ساکنین ان سے خوش ہوں گے۔ وہ صحیح طریقہ پر مال تقسیم کریں گے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا: وہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کریں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے دلوں کو استغناء سے مالا مال کر دے گا اور کوئی کسی کا محتاج نہ ہوگا۔‘‘

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دولت کی برابر تقسیم نہ تو عملاً ممکن ہے اور نہ شرعاً اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس ’’تقسیم‘‘ سے مراد بنیادی ضروریات کی مساوی تقسیم ہی ہوسکتی ہے کہ بنیادی معاش ہر ایک میں اس طرح برابر تقسیم ہوگا کہ معاشرے میں معاشی تعطل نہ رہے اور کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہنے پائے گا۔

۲۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مال و دولت کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے دو بنیادی باتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت دی:

أربع من عمل بهن استوجب العدل الأمانة في المال والتسوية في القسم والوفاء بالعدة والخروج من العيوب. (۱)

’’چار امور کو ان کے لئے لازمی قرار دیا گیا: مالی معاملات میں عدل و انصاف پر مبنی امانت داری، تقسیمِ اموال میں برابری، ایفائے عہد اور عیبوں کو ترک کرنا۔‘‘

یہاں بھی ’’التسویه‘‘ سے مراد حق المعاش کی برابری ہے۔ جو معاشرے کے تمام افراد کو بنیادی ضروریات اور حاجات مساوی طور پر ادا کرنے کی ضامن ہو۔

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۴۹۰

۵۔ موجودہ حالات میں سنگین معاشی صورت حال اور اس کا تدارک

آج کوئی شخص کیا یہ بات کہہ سکتا ہے کہ معاشرے میں کوئی شخص بھوک سے نہیں مرتا حالانکہ معیشت کی بنیاد غیر عادلانہ معاشی نظام پر استوار کی گئی ہے۔ جب ہر شخص کو بنیادی حق المعاش بہرحال میسر ہے تو ایسے میں دولت کی مساوی تقسیم پر اس قدر زور اور اصرار کیوں؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ اگر آج آپ کو کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرتا دکھائی نہیں دیتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو معاشرے نے حق المعاش دے دیا ہے اور وہ معاشی جبر کا شکار نہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے ظلم و استحصال اور اربابِ اقتدار کے ظالمانہ رویئے سے مایوس ہو کر لوگوں نے اپنی جان اور تن کا رشتہ برقرار رکھنے کی خاطر ضمیر فروخت کرنا شروع کر دیئے ہیں اور وہ بھوک سے مرنے کی بجائے انسانی وقار سے محروم ہو کر اور حرام کھا کر زندہ رہنا سیکھ چکے ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ اگر خودکشی کی حرام موت مرنے والے معاشرے کے مجبور اور نادار لوگوں نے حالات سے سمجھوتا نہ کر لیا ہوتا، وہ محض رزقِ حلال پر اکتفاء کرنے والے ہوتے اور رشوت اور دیگر ناجائز ذرائع سے اولاد کے پیٹ میں رزقِ حرام نہ ڈالتے، دھوکہ دہی اور لوٹ کھسوٹ سے اہلِ خانہ کی معاشی ضروریات پوری نہ کرتے تو ہم دیکھتے کہ ان لوگوں کے لئے عزت و توقیر سے زندہ رہنا تقریباً ناممکن ہوتا۔ معاشی انحطاط سے ہمارے معاشرے کو اس نوبت تک پہنچا دیا ہے کہ رزقِ حرام سے منہ موڑ کر ہزاروں لوگ بھوک سے مر رہے ہوتے اور سینکڑوں جنازے صبح و شام سڑکوں پر اٹھتے دکھائی دیتے۔

وائے افسوس کہ موت کے بھیانک تصور سے گھبرا کر اکثر لوگوں نے مجبوراً اپنے ضمیر کا سودا کر لیا ہے۔ سفید پوشی کی حالت میں موت کے خوف سے مجبور و مقہور لوگوں نے

اپنی عصمت اور ایمان فروخت کرنا قبول کرلیا ہے اور لاکھوں لوگ بھکاری بن کر زندگی کے شب و روز گزار رہے ہیں۔ لہٰذا آج ہمیں ضمیر کے ہاتھوں صبح و شام معاشی قتل ہونے والے لاکھوں انسانوں کا خون معاشرے کے ہاتھ پر دکھائی نہیں دیتا اور ہم اپنے دل کو یہ تسلی دیئے ہوئے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش کے ماحول میں کوئی شخص بھوک سے مرنے والا موجود نہیں۔

یہ حالت تو ان لوگوں کی ہے جن کے پاس ایسے اختیارات اور وسائل موجود ہیں کہ وہ رزقِ حرام حاصل کر لیتے ہیں، اس وقت حالت اس سے بھی بدتر ہو چکی ہے، اب تو بے روزگاری، غربت اور مہنگائی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آئے روز اخبارات میں خودکشیوں اور خودسوزیوں کی خبریں چھپ رہی ہیں۔

اس ناگفتہ بہ گھمبیر صورتحال کے ازالہ کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں بنیادی حق المعاش کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے جس کے نتیجے میں کوئی بھی شخص محروم المعاش نہ رہے اور نہ کوئی معاشی تعطل کے ہاتھوں حرام ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہو۔

۶۔ قرض چھوڑ کر مرنے والے کی ریاست پر ذمہ داری

زندگی میں بنیادی ضرورت کی فراہمی کی طرح اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مر جائے اور اس کے ورثاء قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے ادا کرنا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے:

أنا أولی بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينًا فعليّ قضاؤه ومن ترک مالاً فلورثته.(۱)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الکفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

←

’’میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے قریب تر ہوں اہلِ ایمان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو مال وہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔‘‘

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول وعمل سے ان کا وجوب اور لزوم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتصادی اصلاحات کی چند مثالیں

۱۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خزانہ (بیت المال) کے مصارف کے بارے میں حکومتی سطح پر حکمِ اقتصاد پر بڑی سختی سے عمل درآمد کرایا اور سرکاری سطح پر ہر قسم کے اسراف کو ختم کر دیا کیونکہ اس کے بغیر عوام کو صرفِ مال کے بارے میں اقتصاد کا عامل نہیں بنایا جا سکتا۔ اس باب میں امام بخاری روایت کرتے ہیں:

إن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله أن لا تطيلوا بنائكم فإنه من شر أيامكم.(۱)

...... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۸۴۷

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۶۱، رقم: ۴۵۲

۲۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۸: ۴۸۶

۳۔ مزي، تهذيب الكمال، ۳۵: ۳۶۹، رقم: ۷۹۸۸

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت کے امراء اور افسروں کو یہ تحریری ہدایت جاری فرمائی کہ وہ اپنی رہائش گاہیں بلند و بالا نہ بنائیں کہ ایسا عمل بدترین دور کی علامت ہے۔‘‘

۲۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک اور حکمنامہ (Directive) تمام حکام اور افسران کے نام جاری فرمایا۔ اس حکم نامہ میں درج ذیل نکات (Points) شامل تھے:

۱۔ أن لا یأکل نقیاً

’’کہ وہ غیر معمولی کھانے نہ کھائیں‘‘

۲۔ ولا یلبس ثوباً رقیقاً

’’اور نہ اعلیٰ، زیادہ قیمتی اور نفیس کپڑا پہنیں‘‘

۳۔ ولا یرکب برذوناً

’’اور نہ ہی اعلیٰ گھوڑوں (سواریوں) پر سواری کریں‘‘

۴۔ ولا یغلق بابہ دون حوائج الناس. (۱)

’’اور ضرورت مندوں کے لئے اپنا دروازہ بند نہ کرے۔‘‘

۳۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں کو قیمتی لباس پہننے سے منع فرمایا۔ اگر کوئی افسر قیمتی لباس پہنتا تو آپ رضی اللہ عنہ اسے سزا دیتے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ آپ کا ایک اعلیٰ افسر

۴۔ عسقلاني، تهذیب التهذیب، ۱۲: ۴۹۹، رقم: ۲۹۵۸

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۶۱، رقم: ۳۲۹۲۰

۲۔ طبري، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۵۶۹

۳۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۵

۴۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۲۴، رقم: ۷۳۹۴

عیاض بن غنم قیمتی لباس پہنتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک ایلچی محمد بن مسلمہ کو بھیجا اور اسے فوراً طلب فرمایا۔ ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) آپ ﷺ کا قول ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ائتني به على الحال التي تجده عليها. قال: فأتاه فوجد على به حاجبًا فإذا عليه قميص رقيق. قال: أجب أمير المؤمنين. فقال: دعني أطرح علي قبائي. فقال: لا، إلا على حالک هذه. قال: فقدم به عليه، فلما رآه عمر قال: انزع قميصک ودعا بمدرعة صوف وبريضة من غنم وعصا فقال: البس هذه المدرعة وخذ هذه العصا وارع هذه الغنم.(۱)

’’اس (عیاض بن غنم) کو جس حال میں پاؤ اسی حالت میں میرے پاس لے آؤ۔ راوی کہتا ہے: محمد بن مسلمہ نے اس حال میں پایا کہ وہ پردہ گرائے ہوئے تھا اور قیمتی قمیص پہنے ہوئے تھا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین (کے بلاوے کا) جواب دو (یعنی امیر المومنین نے بلایا ہے) تو اس نے کہا کہ ٹھہرو میں اپنی قبا پہن لوں۔ اس (محمد بن مسلمہ) نے کہا: نہیں بلکہ اسی حال میں ہی (بلایا ہے) راوی کہتا ہے: وہ حضرت عمر ﷺ کے پاس آیا۔ جب حضرت عمر ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اپنی قمیص اتار دے اور صوف کا ایک جبہ، بھیڑوں کا ایک ریوڑ اور ایک چھڑی منگوائی اور (اس سے) کہا کہ یہ جبہ پہن اور یہ چھڑی لے اور ان بھیڑوں کو چرا۔‘‘

الغرض اپنی دور رس حکمتِ عملیوں سے حضرت عمر فاروق ﷺ نے ریاست میں ایسا عظیم اقتصادی و معاشرتی نظام قائم فرمایا جس سے معاشرے میں ہر سطح پر ظلم و جبر اور

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۶

تعیش پرستی کا کلیتاً خاتمہ ہو گیا اور ایک صحیح اسلامی فلاحی ریاست معرض وجود میں آ گئی، تاریخ جس کی مثال آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

فصل ششم

حرام ذرائع معیشت کا اِنسداد

اِسلام مال کمانے سے نہیں روکتا لیکن وہ اس ضمن میں انسان کو شترِ بے مہار کی طرح نہیں چھوڑتا بلکہ اکتسابِ مال میں جائز اور ناجائز کی نشاندہی کرتا، وسائل مال میں حلال و حرام میں تمیز کرنے کا سبق دیتا اور حرام سے اجتناب اور حلال کو اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام کسی بھی شخص کو مال کمانے کی غیر مشروط اجازت نہیں دیتا بلکہ اکتسابِ مال کے بعض ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے اور بعض کو ناجائز، معاشی معاملات میں جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی اساس یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری، سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو، وہ تمام وسائل اور ذرائع شریعت میں ممنوع اور خلافِ قانون ہیں۔

اسلام نے اکتسابِ مال کے ان تمام ذرائع کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے جن سے احکامِ خداوندی اور اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو نیز وہ امور جن سے دوسرے افراد یا من جملہ اجتماعی طور پر پوری قوم وملت، وطنِ عزیز یا معاشرے کو مادی یا اخلاقی نقصان پہنچ سکتا ہو یا ایسے تجارتی طریقے جن سے دوسرے فریق کا استحصال ہو حرام ذرائع معاش کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلامی نظامِ معیشت میں اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے باب میں جن پابندیوں کی نشاندہی کی ہے وہ اس لئے بھی ہیں کہ یہاں نظامِ معاش کے ساتھ ساتھ معاد اور اخلاق کا عملی تصور بھی موجود ہے۔ یہاں معاشی جدوجہد صرف دنیاوی جاہ وعزت، آرام وسکون یا عیش وعشرت کے لئے نہیں بلکہ اس جدوجہد کے ذریعے آخرت کی تیاری، حصولِ رضائے خداوندی اور پیروئ پیغمبرِ اسلام ﷺ

بھی مقصود ہے۔

دینِ اسلام نے جہاں ایک طرف جائز اور حلال ذرائع معیشت کی نشاندہی کی ہے وہاں دوسری طرف ناجائز اور حرام ذرائع معیشت کو واضح طور پر بیان کیا ہے، ذیل میں اہم حرام ذرائع معیشت درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ اَکلِ حرام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﻗﻒ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ (۱)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے ○‘‘

۲۔ خیانت

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (۲)

’’اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (ﷺ) سے (ان کے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہو ○‘‘

(۱) النساء، ۴: ۲۹

(۲) الانفال، ۸: ۲۷

۲۔ اِنَّ اللهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا.(۱)

’’بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں۔‘‘

۳۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.(۲)

’’اور جوکوئی (کسی کا حق) چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے وہ لانا پڑے گا جو اس نے چھپایا تھا۔‘‘

۳۔ رشوت

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo(۳)

’’اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)o‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ الراشي والمرتشي في النار.(۴)

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) آل عمران، ۳: ۱۶۱

(۳) البقرة، ۲: ۱۸۸

(۴) ۱۔ طبراني، المعجم الصغير، ۱: ۵۷، رقم: ۵۸

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۹۶، رقم: ۲۰۲۶

۲۔ ديلمي، الفردوس مأثور الخطاب، ۲: ۲۸۴، رقم: ۳۳۱۴

’’رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا (دونوں) جہنمی ہیں۔‘‘

۲۔ لعنة الله على الراشي والمرتشي.[1]

’’رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے (دونوں) پر اللہ کی لعنت ہے۔‘‘

۳۔ لعن الله الراشي والمرتشي.[2]

’’اللہ تعالیٰ نے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘

۴۔ لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي.[3]

’’رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأحكام، باب التلغيظ في الحيف والرشوة، ۲: ۷۷۵، رقم: ۲۳۱۳
۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۸، رقم: ۱۴۶۶۹
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۱۲، رقم: ۶۹۸۴

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۷، رقم: ۹۰۱۱
۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۸، رقم: ۱۴۶۶۸
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۳: ۳۹۸، رقم: ۹۵۱

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، ۳: ۶۲۳، رقم: ۱۳۳۷
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأقضيه، باب في كراهية الرشوة، ۳: ۳۰۰، رقم: ۳۵۸۰

۴۔ اُمراء و حکام کو تحائف

کوئی کام کروانے کے لئے امراء و حکام کو تحائف دینا یا ان کا وصول کرنا حرام ہے کیونکہ یہ بھی درحقیقت رشوت ہی کی ایک شکل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو سختی سے ناپسند فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **الهدايا للأمراء غلول.** (۱)

’’امراء کے لئے تحائف خیانت ہیں۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

يا أيها الناس من عمل منكم لنا على عمل فكتمنا منه مخيطاً فما فوقه فهو غل يأتي به يوم القيامة. فقام رجل من الأنصار أسود كأني أنظر إليه، فقال: يا رسول الله! اقبل عني عملک، قال: وما ذاک؟ قال: سمعتک تقول كذا و كذا، قال: و أنا أقول ذلک من استعملناه على عمل فليأت بقليله و كثيره فما أوتي منه أخذه وما نهي عنه انتهى. (۲)

’’اے لوگو! تم میں سے کوئی ہمارے کام پر عامل بنایا گیا پھر اس میں سے سوئی یا اس سے اوپر کوئی چیز ہم سے چھپائی تو وہ خائن سے قیامت کے دن وہ لائے گا، ایک سیاہ رنگ والے انصاری صحابی کھڑے ہو کر بولے: یا رسول اللہ! مجھ

---

(۱) عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۱۴۷، رقم: ۱۴۶۶۵

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأقضيه، باب في هدايا العمال، ۳: ۳۰۰، رقم: ۳۵۸۱

۲۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۵۳، رقم: ۲۳۳۸

سے اپنا عمل (نوکری) لے لیجئے۔ فرمایا: کیا ہوا؟ عرض کی کہ میں نے آپ کو یہ یہ کہتے سنا۔ فرمایا: یہ تو میں کہتا ہوں کہ ہم جسے کسی کام پر عامل بنائیں تو وہ تھوڑا اور بہت حاضر کر دے پھر اس سے اسے جو دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔‘‘

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

من شفّع لأحد بشفاعة فأهدى له هدية عليها فقبلها فقد أتى باباً عظيماً من أبواب الربا. (۱)

’’جو کسی شخص کی سفارش کر دے پھر اسے وہ اس سفارش پر ہدیہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے دروازوں میں سے بڑے دروازے پر آ گیا۔‘‘

۵۔ سودی لین دین

۱۔ حرمتِ سود بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَی اللهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (۲)

’’جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الاجاره، باب الهدية لقضاء الحاجة، ۳: ۲۹۱، رقم: ۳۵۴۱

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۶۲، رقم: ۳۹۸۷

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۵

شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید وفروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○''

۲۔ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ○ (۱)

''اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا○''

۳۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (۲)

''اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ○''

۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ○ (۳)

(۱) البقرة، ۲: ۲۷٦

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۳) البقرة، ۲: ۲۷۸-۲۷۹

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہو ○ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے ○"

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں بھی سود کی حرمت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا ومؤکله وکاتبه وشاهديه وقال: هم سواء.[۱]

"رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: گناہ میں یہ سب برابر ہیں۔"

۲۔ ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الربا سبعون حوبًا أيسرها أن ينكح الرجل أمه.[۲]

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۴

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۶، رقم: ۲۵۸۴

''سود کے ستر (۷۰) جز ہیں سب سے کم درجہ کے جز کا گناہ اس قدر ہے جیسے آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔''

قرآن و حدیث میں مذکورہ بالا حرمتِ سود اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ سود ایک بہت بڑی لعنت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اس کے علاوہ سود اپنے اندر اخلاقی، روحانی، معاشرتی اور دیگر بے شمار برائیاں لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام الاقتصاد میں سود حرام ذرائع معاش میں شامل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں نہ صرف افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ سود یا سودی کاروبار سے چشم پوشی کریں بلکہ اسلامی ریاست کے حکمران اور مقتدر حضرات اس کے انسداد کے لئے آگے بڑھیں۔ ایسے قوانین اور ان کا سختی سے نفاذ ہو جو سود کی بیخ کنی کر سکیں۔

٦۔ معاشرتی برائیاں

جوأ، شراب، دیگر منشیات، اخلاق سوز رقص، گانے، فلمیں، فال گیری وغیرہ جس معاشرے میں مذکورہ بالا برائیاں ہوں وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے اور بے شمار معاشی برائیاں (Economic Evils) بھی جنم لے لیتی ہیں۔ ایسی تمام برائیوں سے قرآن مجید میں شدت سے منع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝(۱)

''اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوأ اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۝''

(۱) المائدۃ، ۵: ۹۰

۷۔ قحبہ گری و عصمت فروشی

اسلام نے قحبہ گری و عصمت فروشی کو حرام قرار دیا ہے اس طرح اس سے حاصل کردہ آمدنی بھی حرام ہے۔ قران مجید میں اس کی ممانعت کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللهِ الَّذِيْٓ اٰتٰـكُمْ ط وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○[۱]

''اور ایسے لوگوں کو پاکدامنی اختیار کرنا چاہئے جو نکاح (کی استطاعت) نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دے، اور تمہارے زیرِ دست (غلاموں اور باندیوں) میں سے جو مکاتب (کچھ مال کما کر دینے کی شرط پر آزاد) ہونا چاہیں تو انہیں مکاتب (مذکورہ شرط پر آزاد) کر دو اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو، اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے، اور تم اپنی باندیوں کو دنیوی زندگی کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاکدامن (یا حفاظتِ نکاح میں) رہنا چاہتی ہیں، اور جو شخص انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہو جانے کے بعد (بھی) بڑا بخشنے والا مہربان ہے○''

۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ○[۲]

(۱) النور، ۲۴: ۳۳

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۲

’’تم زنا (بدکاری) کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہےo‘‘

۸۔ چوری، لوٹ مار، دھوکہ اور ظلم وغصب

یہ بھی سماجی برائیاں ہیں جو کہ کسی بھی معیشت پر منفی اثرات ڈالتی ہیں۔ اسی لئے ان سے حاصل شدہ آمدنی کو حرام قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًم بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ ط وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo[1]

’’اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس (جرم) کی پاداش میں جو انہوں نے کمایا ہے۔ (یہ) اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا (ہے)، اور اللہ بڑا غالب ہے بڑی حکمت والا ہےo‘‘

۹۔ اخسارِ میزان اور احتکار

ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں اور زیادہ نفع حاصل کرنے کی غرض سے ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَo الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَo وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَo[2]

’’بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئےo یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیںo اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیںo‘‘

---

(۱) المائدۃ، ۵: ۳۸

(۲) المطففین، ۸۳: ۱۔۳

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من احتكر فهو خاطئ.[1]

’’احتکار (ذخیرہ اندوزی) کرنے والا گنہگار ہے۔‘‘

۱۰۔ گداگری

یہ ایک ایسا فعل ہے جو انسان کو کام چور، معاشی جدوجہد سے دور اور قناعت سے روگردانی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سے اخلاقی، سماجی اور معاشی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں گداگری کی مذمت کی گئی ہے۔ احادیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

۱۔ **اليد العليا خير من اليد السفلى.**[2]

’’اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔‘‘

۲۔ **ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في**

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، ۳: ۱۲۲۷، رقم: ۱۶۰۵

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۴۴۵، رقم: ۱۰۸۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۹، رقم: ۱۰۹۳۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى وأن اليد العليا هي منفعة وأن اليد السفلى هي الآخذة، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۳

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في الاستعفاف، ۲: ۱۲۲، رقم: ۱۶۴۸

وجهه مزعة لحم.(۱)

''ہمیشہ آدمی لوگوں سے مانگتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت کا دن آ جائے گا اور اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔''

۳۔ لأن يحتزم أحدكم حزمة من حطب فيحملها على ظهره فيبيعها خير له من أن يسأل رجلاً فيعطيه أو يمنعه.(۲)

''اگر تم میں سے کوئی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لادے پھر ان کو بیچ دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اس بات سے کہ وہ لوگوں سے مانگے، معلوم نہیں کہ وہ دیں یا نہ دیں۔''

مذکورہ بالا اور اس نوع کے دوسرے ذرائع جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں حصول دولت کے حرام ذرائع ہیں جن کا انسداد ضروری ہے ان کے قلع قمع اور حوصلہ شکنی میں فرد اور ریاست دونوں ذمہ دار ہیں۔

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثراً، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۰، رقم: ۱۰۴۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب المسألة، ۵: ۹۴، رقم: ۲۵۸۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۱، رقم: ۱۰۴۲

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب المسألة، ۵: ۹۳، رقم: ۲۵۸۴

فصل ہفتم

صرف اور خرچ میں اِعتدال قائم رکھنا شرعی فریضہ ہے

جس طرح ''کسبِ معاش'' میں اسلامی نظامِ معیشت یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ حاصل کردہ شے ''حلال'' ہو ''حرام'' نہ ہو اور ''طیّب'' ہو ''خبیث'' نہ ہو اسی طرح کسبِ معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف اور خرچ کرنے کا ہے۔ اس باب میں تین مسائل زیرِ بحث آتے ہیں:

۱۔ کیا خرچ کیا جائے؟

۲۔ کس قدر خرچ کیا جائے؟

۳۔ کن مدّات پر خرچ کیا جائے؟

کیا خرچ کیا جائے؟ اس کا جواب تو ابھی کسبِ معاش کی بحث میں دیا جا چکا یعنی ایک شخص نے حلال اور طیّب سے جو کچھ کمایا ہے وہی اس کا سرمایۂ معیشت ہے اور وہی اس قابل ہے کہ زندگی کی نشو ونما میں کام آئے۔

کس قدر خرچ کیا جائے؟ اس دوسرے سوال کا جواب قرآن مجید نے جو دیا ہے۔ وہ دو حصوں میں منقسم ہے جن میں سے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. (۱)

''کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔''

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ. (۲)

---

(۱) الاعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

''اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

ان دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ ''اسراف'' نہ ہو اور دوسری یہ کہ ''تبذیر'' نہ ہو۔ اسراف اور تبذیر کے باہمی فرق کو اس طرح بھی واضح کیا جا سکتا ہے:

''خرچ کی مقدار میں حد سے تجاوز کرنا ''اسراف'' ہے اور یہ ان عائدشدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا ثبوت ہے جو اس کے ذمہ ہیں اور مواقع اخراجات میں حد سے تجاوز کا نام ''تبذیر'' ہے اور یہ ان مواقع صرف سے نادان بننے کی شہادت ہے جو صحیح اور حق ہیں۔''

الغرض خرچ کرنے میں اسراف اور تبذیر معیشتِ فاسدہ کی علامات ہیں اس لئے ''اقتصاد'' اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے مثلاً عام حالات میں یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے کہ خرچ آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت براری کے لیے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہیے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں، اپنی اور اہل وعیال کی حاجات وضروریات کے لئے کچھ نہ کچھ پس انداز کرے نیز اس سے بھی احتراز ہونا چاہیے کہ بخل اور تقتیر کو کام میں لانے اور خود اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے عطائے الٰہی کے باوجود دائرۂ معیشت کو تنگ کرے چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

۱۔ الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة.(۱)

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰

۴۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۱۸۷

۵۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۱۷۹، رقم: ۴۷۶

''(آمدن وصرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔''

۲۔ قال رسول الله ﷺ: أمسک علیک بعض مالک فهو خیرلک قلت: فإني أمسک سهمي الذي بخیبر.[۱]

''(حضرت عبد اللہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے اپنے کل مال کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو) حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے مال میں سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ تب میں نے عرض کیا: خیبر (کی زمین) میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا لیا ہے۔''

۳۔ (قال رسول الله ﷺ:) أن تدع ورثتک أغنیاء خیر من أن تدعهم عالة یتکففون الناس في أیدیهم.[۲]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالك، ۴: ۱۶۰۷، رقم: ۴۱۵۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة التوبة، ۵: ۲۸۱، رقم: ۳۱۰۲

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الإیمان والنذور، باب فیمن نذر أن یتصدق بماله، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الأیمان والنذور، باب إذا أهدی ماله علی وجه نذر، ۷: ۲۲، رقم: ۳۸۲۴

۵۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۷۴، رقم: ۱۶۳۹۵

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۵۴، رقم: ۱۵۷۷۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۹

←

’’(حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں بذریعہ وصیت دے ڈالوں؟) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے ورثاء کو صاحبِ مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں (اس لئے تہائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے)۔‘‘

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo (۱)

’’اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے o‘‘

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

فشرع اللہ عدل بين الغالي فيه والجافي عنه لا إفراط ولا تفريط. (۲)

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الوصية بالثلث، ۴: ۴۳۰، رقم: ۲۱۱۶

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، ۶: ۲۴۲، رقم: ۳۶۲۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۷۳، ۱۷۶، رقم: ۱۴۸۸، ۱۵۲۴

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۳۳، رقم: ۱۱۴۷

۶۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۶۸، رقم: ۱۲۳۴۵

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۷

(۲) ۱۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۲: ۸۸

۲۔ طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۷

۳۔ سيوطي، تفسير جلالين، ۱: ۴۷۸

’’پس اللہ تعالیٰ نے اس میں غلو کرنے والے اور اس سے اعراض کرنے والے کے درمیان عدل قائم کر دیا بغیر افراط و تفریط کے یعنی اس میں نہ افراط رہا اور نہ تفریط۔‘‘

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فخر الدین رازی (۵۴۳۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

ذكر المفسرون في الإسراف والتقتير وجوها (أحدهما) وهو الأقوى أنه تعالى وصفهم بالقصد الذي هو بين الغلو والتقصير. (۱)

’’اسراف و تقتیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہوئے نہ بے جا غلو کرتے ہیں، نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں **وكان بين ذلك قواما** سے مراد عدل اور میانہ روی ہے۔ امام رازی (۵۴۳۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

القوام: العدل بين الشئين لاستقامة الطرفين واعتدالهما. (۲)

’’القوام سے دو چیزوں کے درمیان عدل، دونوں کناروں میں استقامت اور ان میں اعتدال مراد ہے۔‘‘

۲۔ اسی لئے قرآن مجید میں دوسری جگہ تعلیمِ امت کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ. (۳)

---

(۱) رازي، التفسير الكبير، ۲۴: ۱۰۹

(۲) رازی، التفسير الكبير، ۲۴: ۱۱۰

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

''اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو)۔''

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذر کو شیطان کا ہمسر بنایا اور اسی قسم کی اور بھی آیات ممانعتِ تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه. (۱)

''حق کے خلاف ہر قسم کے خرچ کا نام ''تبذیر'' ہے۔''

امام مالک (م ۱۷۹ھ) کہتے ہیں:

التبذير: هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه. (۲)

''تبذیر یہ ہے کہ آدمی جائز اور حق طریقے سے مال کمائے اور اس کو ناجائز اور ناحق طریقوں سے خرچ کر دے۔''

امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) کہتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه، ولا تبذير في عمل الخير. (۳)

''حق کے خلاف ہر قسم کا خرچ تبذیر کہلاتا ہے لیکن عملِ خیر میں کوئی تبذیر نہیں۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أنه قال: أتى رجل من بني تميم إلى رسول الله ﷺ. فقال: يا

---

(۱) آلوسي، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ۱۵: ۶۳

(۲) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

(۳) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

رسول الله! إني ذو مال كثير وذو أهل وولد وحاضرة فأخبرني كيف أنفق وكيف أصنع؟ فقال رسول الله ﷺ: تخرج الزكاة من مالك فإنها طهرة تطهرك وتصل أقربائك وتعرف حق السائل والجار والمسكين. فقال: يا رسول الله! أقلل لي قال ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾[1] فقال: حسبي يا رسول الله![2]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل وعیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی ہوتی رہتی ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں اور اس معاملے میں کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مال سے پہلے زکوٰۃ نکال اس لئے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلہ رحمی کر اور سائل، مسافر اور مسکین کے حقوق کی ادائیگی کر۔ اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے (کہ میں اس کو دستورِ زندگی بنا لوں) تب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی: ﴿اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کر اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ﴾ سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لئے کافی ہے۔''

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۶، رقم: ۱۲۴۱۷

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۳۸، رقم: ۸۸۰۲

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳: ۳۷

عن أبي الدرداء عن النبي ﷺ من فقه الرجل رفقه في معيشة.[1]

’’حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کی دانائی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔‘‘

ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ نصوص قرآن و حدیث نے ’’معیشت‘‘ میں صرف وخرچ کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضروری قرار دی ہیں:

۱۔ صرفِ مال میں نہ ’’اسراف‘‘ درست ہے نہ ’’تبذیر‘‘ اور نہ ’’تقتیر‘‘ اور تینوں الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔

۲۔ میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظامِ معیشت کے لئے ایک ذریعہ۔

۳۔ ’’فرد‘‘ چونکہ جسمِ جماعت کا ایک عضو ہے اس لئے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اسی نسبت سے یہ حقوق اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام ’’انفاق فی سبیل اللہ‘‘ ہے۔

۴۔ انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قوت لا یموت اور ساتر عورت،

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲
۲۔ ابن أبي شيبه، المصنف، ۷: ۱۲۴، رقم: ۳۴۶۸۸
۳۔ طبراني، مسند الشاميين، ۲: ۳۵۲، رقم: ۱۴۸۲
۴۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۴: ۶، رقم: ۶۰۱۰
۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴

لباس اور ضرورتِ رہائش کے مطابق مکان، تمام حقوق سے مقدم اور فرضِ اوّلین ہے۔ اس کے بعد دیگر تفاصیل ہیں جن کی اجمالی وضاحت یہ ہے:

(ا) اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس کے ذمے فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

(ب) صدقات واجبہ کی ادائیگی کے باوجود ''انفرادی مال'' پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق عائد ہیں۔ اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إن في المال لحقًا سوى الزكاة. (۱)

''بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔''

مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لئے پورا نہ ہو سکے تو ''خلیفہ'' جبراً اہلِ دولت سے مال حاصل کر کے اس کمی کو پورا کرسکتا ہے اگرچہ وہ اربابِ دولت، صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔

(ج) عام انسانی حالات میں صدقاتِ نافلہ یعنی ''حقوقِ ثانوی'' ایسی حالت میں ادا کئے جائیں کہ اپنے اور اہل وعیال کے لئے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ مفلس و قلاش ہوکر نہ رہ جائیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لئے اپنے اور اہل وعیال کے لئے کچھ پس انداز کر رکھنا مناسب ہے اس حدیث

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء أن المال حقاً سوى الزكاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۵۹

۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۸۴، رقم: ۷۰۳۴

۴۔ سيوطي، شرح سنن ابن ماجه، ۱: ۱۲۸، رقم: ۱۷۸۹

۵۔ مناوي، فيض القدير، ۲: ۴۷۲

میں اسی جانب اشارہ ہے:

خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی و ابدأ بمن تعول.[(۱)]

''بہترین صدقہ یہ ہے کہ مالداری قائم رہے اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں سے ابتداء کرے۔''

(د) خاص انسانی حالات میں ''ایثار علی النفس'' اولیٰ اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفوس ضبطِ نفس اور صبر کے درجۂ کمال پر فائز ہیں تو انفاق فی سبیل اللہ میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے۔ چنانچہ آیت ﴿**يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ**﴾[(۲)] کی رُو سے ان کو اگر ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے تب بھی وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں۔ حدیث ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ میں جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے بارے میں پوچھا:

فأيها أفضل؟ قال: جُهد من مقل.[(۳)]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الزکاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنی، ۲: ۵۱۸، رقم: ۱۳۶۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلی وأن اليد العليا هي منفعة وأن اليد السفلی هي الآخذة، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

۳۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۶، رقم: ۱۶۵۱

۴۔ ابن خزيمه، الصحيح، ۴: ۹۶، رقم: ۲۴۳۶

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۱۴۹، رقم: ۳۳۶۳

(۲) الحشر، ۵۹: ۹

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۷۹، رقم: ۲۱۵۹۲

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۷۷، رقم: ۴۷۲۱

←

’’(حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا) بہترین صدقہ کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین صدقہ اسی شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے۔‘‘

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک موقعہ پر تمام مال خدا کی راہ میں پیش کر دینا اسی مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔ انفرادی معیشت میں ’’اقتصاد‘‘ (میانہ روی) مطلوب ہے اور ’’اکتناز‘‘ (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے دولت جمع کر کے خزانہ بنانا) اور ’’احتکار‘‘ (ناجائز وسائلِ معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت، اجتماعی دولت کے لئے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لئے سنگِ راہ۔

نظامِ مصارف کی درجہ بندی

یہ سوال کہ اسلامی نظامِ معیشت میں اخراجات کی صورت کیا ہوں گی؟ انہیں ہم درج ذیل حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) حاجات (Absolute Needs)

ان کے پورا کئے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔

(۲) ضروریات (Indispensible Necessities)

ان کے بغیر زندگی نہایت تکلیف دہ ہے۔

...... ۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۸۰، رقم: ۷۵۶۲

۴۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰

۵۔ عسقلاني، فتح الباری، ۳: ۲۹۶،

۶۔ مناوي، فیض القدیر، ۲: ۴۰

(۳) تسہیلات (Facilities)

ان سے زندگی کو راحت، سہولت اور آسائش ملتی ہے۔

(۴) تحسینات وتزئینات (Decorationes)

یہ ایسے مصارفِ حیات ہیں جو انسانی زندگی میں محض آسائش اور آرام کا باعث ہوتے ہیں۔ دیگر حقوق ادا کرنے کے بعد ان کا اختیار کرنا مباح ہے۔

(۵) اسرافات وتعیّشات (Luxuries)

اصل صرف جائز ہو اس پر خرچ اتنا زیادہ کرنا کہ ناجائز ہو جائے یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف کے زمرے میں آتا ہے۔

(۶) تبذیرات (Extravagancies)

یہ محض تعیّشات ہیں اور مال کے غیر شرعی، غیر قانونی و غیر اخلاقی مصرف اس میں آ جاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت میں جائز و مباح خرچ کی مدات صِرف اوّل الذکر چار صورتیں ہی ہیں جبکہ مؤخر الذکر دو صورتوں میں خرچ کرنا کسی طور پر بھی جائز نہیں ہو گا۔

فصل ہشتم

ہر شہری کے لئے حتی المقدور کسبِ معاش ضروری ہے

اسلام کے دیئے ہوئے تصورِ معیشت کے تحت ہر شخص حتی المقدور کسبِ معاش کا پابند ہے۔ بلا عذرِ شرعی تساہل، غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور اس امر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی یہ فضیلت اور مقام تب ہی میسر آئے گا جب افرادِ معاشرہ حتی المقدور اپنی تمام تر توانائیوں کو حصولِ رزقِ حلال کے لئے بروئے کار لائیں گے۔ کیونکہ ایک ایسا معاشرہ جہاں تخلیقی سرگرمیوں کے فقدان کے باعث افرادِ معاشرہ عضو معطل بن جائیں، کسی طور ایک فلاحی اور اہلِ انفاق کا معاشرہ نہیں بن سکتا سو ایسے افراد کو اسلامی معاشرہ قطعاً گوارا نہیں کرتا۔ ''کسبِ معیشت'' اور ''ابتغاءِ رزق'' کی اہمیت کو قرآن حکیم نے جا بجا بیان کیا ہے:

۱۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.(۱)

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔''

۲۔ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○(۲)

''اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

(۲) النجم، ۵۳: ۳۹

گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o‘‘

۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ.[1]

’’بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو۔‘‘

۴۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ.[2]

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۵۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo[3]

’’اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہےo‘‘

۶۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ط وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ.[4]

’’مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، اور عورتوں کے

---

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۶۸

(۴) النساء، ۴: ۳۲

لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا۔‘‘

احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی کسبِ معاش کی اہمیت بیان کی گئی ہے:

۱۔ قال رسول اللہ ﷺ: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة. (۱)

’’رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رزق حلال کی تلاش فرض عبادات کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

۲۔ إن أطیب ما أکلتم من کسبکم. (۲)

’’بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔‘‘

۳۔ لا تناموا عن طلب أرزاقکم فیما بین صلاة الفجر إلی طلوع

---

(۱) ۱۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۷۵

۲۔ بیهقی، شعب الإیمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۳۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱

۴۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الأحکام، باب ما جاء أن الوالد یأخذ من مال ولده، ۳: ۶۳۹، رقم: ۱۳۵۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۹۰

۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۷: ۲۹۴، رقم: ۳۶۲۱۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۸

۵۔ أحمدبن حنبل، المسند، ۶: ۱۶۲، رقم: ۲۵۳۳۵

الشمس.(۱)

’’فجر کی نماز سے لے کر طلوعِ شمس تک رزق کی جدوجہد کئے بغیر نیند نہ کرو۔‘‘

۴۔ إن من الذنوب ذنبًا لا يكفرها إلا الهم في طلب المعيشة.(۲)

’’گناہوں میں سے بعض ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلبِ معیشت کی فکر اور جدوجہد ہی سے ہو سکتا ہے۔‘‘

۵۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.(۳)

’’تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ديلمي، الفردوس بماثور الخطاب، ۵: ۳۵۳، رقم: ۷۳۸۰
۲۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸
۳۔ عسقلاني، القول المسدود، ۱: ۶۳

(۲) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۴
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۳۸، رقم: ۱۰۲
۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۶: ۳۳۵
۴۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۲۹۷، رقم: ۷۸۳
۵۔ عسقلاني، لسان الميزان، ۵: ۱۸۳، رقم: ۶۳۲

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، ۱: ۳۱۳، رقم: ۴۳۱
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۴، رقم: ۸۹۵
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۷، رقم: ۱۲۳۴
۵۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۴۰۴، رقم: ۶۹۴
۶۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۱: ۸۰، رقم: ۲۴۳
۷۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳

۶۔ قال رسول الله ﷺ: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء.[۱]

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

۷۔ عن النبي ﷺ قال: إن التجار يبعثون يوم القيامة فجارًا إلا من اتقى وبر وصدق.[۲]

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اٹھیں گے مگر یہ کہ انہوں نے پرہیزگاری، بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا ہو۔''

۸۔ خير الكسب كسب يد العامل إذا نصح.[۳]

''بہترین کمائی مزدور کے ہاتھ کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام والے کا کام انجام دے۔''

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحين، ۲: ۷، رقم: ۲۱۴۲
۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۲۹۹، رقم: ۹۶۶
۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۶۵، رقم: ۲۷۴۵

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۱۰
۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۳۸
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۵: ۴۴، رقم: ۴۵۴۰
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۲۱۹، رقم: ۴۸۴۸

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳۴، رقم: ۸۳۹۳

۹۔ أعط الأجير أجره قبل أن يجف عرقه.(۱)

’’مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔‘‘

……۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۷، رقم: ۱۲۳۶

۳۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۴۴۳

۲۔ أبو يعلی، المسند، ۱۲: ۳۵، رقم: ۶۶۸۳

۳۔ طبراني، المعجم الصغير، ۱: ۴۳، رقم: ۳۴

۴۔ بيهقي، السنن الكبری، ۶: ۱۲۱، رقم: ۱۱۴۳۹

۵۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب ۱: ۱۰۶، رقم: ۳۵۴

۶۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۷

فصل نہم

کفالتِ عامہ کے نظام کا اِجراء و تنفیذ ریاست کا فریضہ ہے

قرآن مجید کے حکم ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾[1] کا اہم ترین عنصر معاشی زندگی میں امدادِ باہمی ہے جو کفالتِ عامہ کے نظام پر منتج ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست مدینہ کے قیام کے بعد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ کا پہلا قدم ہی یہی اٹھایا جو تاریخ میں ''مواخاتِ مدینہ'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حدود وتعزیرات یا دیگر بہت سے اسلامی احکام کا اِجراء عمل میں نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ سود اور بہت سے دیگر محرمات کی نہی کا بھی اجراء نہ ہوا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ شریعت، اسلامی انقلاب کا آغاز معاشرے میں سزاؤں کے نفاذ سے نہیں کرتی۔ سزاؤں کے نفاذ کا مرحلہ بعد میں ہے کیونکہ سزائیں احکامِ وضعی (Declaratory Laws) ہیں تکلیفی (Primary) نہیں، اس لئے یہ مقصود بالذات بھی نہیں ہیں۔ اصل مقصود تو معاشرے کے غیر اسلامی استحصالی اور فاسقانہ ڈھانچے کو بدلنا اور افراد معاشرہ کے فکر و عمل کی سمتوں کو از سرِ نو متعین کرنا ہے اس اہتمام کے ساتھ کہ بعد میں اگر کوئی ان اسلامی معاشرتی قدروں کو پامال کرنا چاہے تو اسے سزا کے ذریعے روکا جا سکے۔

امدادِ باہمی اور کفالتِ عامہ کے تصور کے تحت اسلام نے پورے معاشرے اور اس کے حوالے سے یہ ریاست کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ جو افراد محض اپنے وسائل سے اپنی جائز ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتے ان کا بوجھ معاشرہ ان کے ساتھ مل کر اٹھائے۔

۱۔ اس کی ایک مثال حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل ہے:

---

(۱) المائدة، ۵: ۲

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.[1]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کھانا تناول نہیں فرماتے تھے جب تک کوئی حاجت مند آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔''

۲۔ یہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام أربعة فليذهب بخامس أو سادس.[2]

''جس شخص کے پاس دو نفوس کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ ملا لے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچویں یا چھٹے کو ساتھ ملا لے۔''

۳۔ بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اصول وضع فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۲، رقم: ۵۶۲۹

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۳۰۵۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۱۷۰۴

۵۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۸۳۹۸

طعام الواحد يكفي الاثنين وطعام الاثنين يكفي الأربعة وطعام الأربعة يكفي الثمانية. (۱)

''ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہے اور دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہے۔''

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایام قحط میں دعا فرمائی اور قحط رفع ہو گیا اور بعد ازاں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فواللہ لو أن اللہ لم يفرجها ما تركت أهل بيت من المسلمين لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء فلم يكن اثنان يهلكان من الطعام على ما يقيم واحدًا. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل وأن طعام الاثنين يكفي الثلاثة ونحو ذلك، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في طعام الواحد يكفي الاثنين، ۴: ۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

۴۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۲: ۱۰۸۴، رقم: ۳۲۵۴

۵۔ دارمي، السنن، ۲: ۱۳۶، رقم: ۲۰۴۴

۶۔ بزار، المسند، ۱: ۲۴۰، رقم: ۱۷۷

۷۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵۹، رقم: ۷۴۴۴

(۲) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ تميمي، الجرح التعديل، ۱: ۱۹۲

''خدا کی قسم اگر مالی تنگی کا یہ دور ختم نہ ہوتا تو میں مسلمانوں کا کوئی ایک گھر بھی ایسا نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہو مگر یہ کہ اس کے افراد کو گن کر اتنے ہی ضرورت مندوں کو حکماً اس میں داخل کر دیتا تاکہ وہ ان کے کھانوں میں شریک ہوں کیونکہ ایک شخص کا کھانا دو کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا ہے۔''

۵۔ یہ سب آثار و نظائر اس تصورِ کفالت کی تفصیلات و توضیحات ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنے عہدِ مبارک کے ایک قبیلے کی اس خصوصیت کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے کہ جب ان میں سے بعض کے پاس سامانِ خورد ونوش اور اسبابِ معیشت ختم ہو جاتے تو پھر ان کا معمول یہ ہوتا:

جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في أناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم. (۱)

''ان میں سے جس جس کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب ایک کپڑے میں اکٹھا کر لیتے ہیں اور ایک برتن کے ذریعے آپس میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ پس ان کے اسی عملی ایثار کے باعث میں ان کو اپنے میں سے اور خود کو ان میں سے تصور کرتا ہوں۔''

۶۔ مزید برآں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت سے بھی اسی تصورِ معیشت کی تائید ہوتی ہے، جس کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين رضي الله عنهم، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۳۲

۴۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۱: ۲۳۲، رقم: ۸۸۸

کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له. ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل. [۱]

’’تم میں جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زاد راہ ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

یہ حدیث ان حالات کی نشان دہی کر رہی ہے جب ﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ (آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ فرما دیجئے جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے زائد ہے، حق داروں پر خرچ کر دو)﴾ [۲] کے قرآنی حکم کا نفاذ معاشی حالات کی سنگینی کے خاتمہ کے لئے واجب ہو جاتا ہے۔ انفاق کا عمل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ تصورِ معیشت میں کس قدر موجزن تھا اس کا مظاہرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں قدم قدم پر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک جھلک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بھی آشکار ہوتی ہے۔ جب آپ نے ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (تم ہرگز

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۶۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۹

نیکی کونہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو﴾[1] کی قرآنی ترغیب پر اپنی سب سے بڑی اور قیمتی جائیداد مستحق اعزہ و اقارب میں تقسیم کر دی جس کی شہادت ''صحیح بخاری'' کے الفاظ یوں فراہم کر رہے ہیں:

۷۔ **فقسمها أبو طلحة في أقاربه وبني عمه.**[2]

''حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے (اپنے محبوب ترین مال کو) اپنے چچا زاد بھائیوں اور (دیگر قریبی) رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔''

۸۔ اسی کی ایک مثال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل انفاق میں دکھائی دیتی ہے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک کے موقع پر راہِ خدا میں سب کچھ لٹا چکے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا:

ما أبقيت لأهلك؟

''(اے ابو بکر!) اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟''

---

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الزكاة على الأقاب، ۲: ۵۳۰، رقم: ۱۳۹۲

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأشربة، باب استعذاب الماء، ۵: ۲۱۲۸

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين والزوج الأولاد والوالدين ولو كانوا مشركين، ۲: ۶۹۳، رقم: ۹۹۸

۴۔ مالك، الموطأ، كتاب الصدقة، باب الترغيب في الصدقة، ۲: ۹۹۵، رقم: ۱۸۰۷

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۴۱، رقم: ۱۲۴۶۱

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

أبقیت لهم اللہ ورسوله. (۱)

’’(یا رسول اللہ!) ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔‘‘

۹۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات اس تصور کی ریاستی سطح پر اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہیں:

فمن توفی من المؤمنین فترک دیناً فعليّ قضاءه ومن ترک مالاً فلورثته. (۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب في مناقب أبي بکر وعمر رضي الله عنهما كليهما، ۵: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب في الرخصة في ذلك، ۲: ۱۲۹، رقم: ۱۶۷۸

۳۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۸۰، رقم: ۱۶۶۰

۴۔ مقدسی، الأحادیث المختارة، ۱: ۱۷۳، رقم: ۸۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الکفالة، باب الدین، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة علی الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الفرائض، باب في میراث ذوي الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

۵۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۲۸۹، رقم: ۱۵۲۵۷

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۳

←

’’اہلِ ایمان میں سے جو شخص اپنے ذمے قرض چھوڑ کر مرے اس کی ادائیگی مجھ پر لازم ہے اور جو مال و دولت چھوڑ کر مرے گا اس پر ورثاء کا حق ہے۔‘‘

١٠۔ لوكان لي مثل أحد ذهبًا لسرني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.[1]

’’اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میری خوشی اس میں ہے کہ تین راتیں گزرنے سے بھی پہلے میرے پاس کچھ نہ بچے سوائے اس قدر مال کے جسے میں ادائیگی قرض کے لئے بچا رکھوں۔‘‘

١١۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ تصور امت کو صرف بصورتِ تعلیم ہی نہیں دیا بلکہ اس کی عملی شکل اپنے نمونۂ حیات سے مہیا فرما دی تھی۔ امام ترمذی کا

.... ٧۔ دارمي، السنن، ٢: ٣٤١، رقم: ٢٥٩٤

٨۔ ابن حبان، الصحيح، ٧: ٣٣٣، رقم: ٣٠٦٣

٩۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٧: ٥٣، رقم: ١٣١٢٣

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ: ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهباً، ٥: ٢٣٦٨، رقم: ٦٠٨٠

٢۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض، باب أداء الديون، ٢: ٨٤٢، رقم: ٢٢٥٩

٣۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب تغليظ العقوبة من لا يؤدي الزكاة، ٢: ٦٨٧، رقم: ٩٩١

٤۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٢: ٣١٦، رقم: ٨١٨٠

٥۔ ابن حبان، الصحيح، ٨: ٩، رقم: ٣٢١٤

٦۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٥: ٣٥٤، رقم: ١٠٧٣٨

٧۔ هيثمي، موارد الظمآن، ١: ٢٣، رقم: ١٠

٨۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ١٠: ٢٣٩

روایت کردہ یہ واقعہ اس حقیقت کی توضیح کے لئے کافی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) درہم کا ہدیہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں چٹائی پر ڈال دیا اور تمام کی تمام رقم حاجت مندوں میں تقسیم فرما دی۔ بعد ازاں ایک ضرورت مند نے آ کر سوال کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما عندي شيء ولكن ابتع عليّ فإذا جاءني شيء قضيته. (۱)

’’اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں بچا لیکن تو بازار سے ہمارے نام پر اپنی تمام ضرورتیں خرید لے۔ جب ہمارے پاس پیسے آ جائیں گے ہم اپنا ادھار چکا دیں گے۔‘‘

۱۲۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين. (۲)

’’جس بات کا مجھے اندازہ اب ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔‘‘

۱۳۔ وصح عن أبي عبيدة بن الجراح وثلاثمائة من الصحابة رضی اللہ عنہم

---

(۱) ۱۔ ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴، رقم: ۳۵۶
۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۸۱، رقم: ۸۸
۳۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱: ۲۵۲
۴۔ قاضي عياض، الشفاء بتعريف المصطفى، ۱: ۱۴۶

(۲) ۱۔ طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

أن زادهم فني فأمرهم أبو عبيدة فجمعوا أزوادهم في مزودين وجعل يقوتهم إياها على السواء.(۱)

’’حضرت ابو عبیدہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقعہ پر) ان کا سامان خورد و نوش قریب تھا کہ ختم ہو جاتا۔ پس حضرت ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کر دے اور پھر سب کو یکجا جمع کرتے ہوئے ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو قوت لا یموت کا سامان مہیا کر دیا۔‘‘

۱۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الله تعالى فرض على الأغنياء في أموالهم بقدر ما يكفي فقراءهم فإن جاعوا أو عروا أو جاهدوا فبمنع الأغنياء وحق على الله تعالى أن يحاسبهم يوم القيامة ويعذبهم عليه.(۲)

’’اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو محض اس لئے کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور ان کی معاشی کفالت نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن حزم، المحلى، ٦: ۱۵۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۷۹، رقم: ۲۳۵۱

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۴، رقم: ۸۷۹۲

(۲) ۱۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰٦، رقم: ۹۳۱

۲۔ ابن حزم، المحلى، ٦: ۱۵۸

۱۵۔ یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے ابن حزم (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

فرض علی الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقرائهم ويجبرهم السلطان على ذلک إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لابد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة.(۱)

’’ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر ان کی زکوٰۃ اور بیت المال کی آمدنی سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکمِ وقت) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

۱۶۔ کفالتِ عامہ کے تصور کی وضاحت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے بخوبی ہو جاتی ہے جسے ولید بن دینار روایت کرتے ہیں:

أنه سُئل عن الجار فقال: أربعين داراً أمامه وأربعين خلفه وأربعين عن يمينه وأربعين عن يساره.(۲)

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

(۲) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۵۱، رقم: ۱۰۹

۲۔ مزی، تهذيب الكمال، ۳۱: ۱۰، رقم: ۶۷۰۲

’’ان سے سوال کیا گیا کہ پڑوسی سے کیا مراد ہے (جسے بھوکا نہ رہنے دینے کا حکم ہے) آپ نے فرمایا: چالیس گھر سامنے، چالیس گھر پیچھے، چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں۔‘‘

اس ارشاد سے ہر شخص کے لئے اس کی حسبِ استطاعت ’’حیطۂ کفالت‘‘ کا تعین ہوتا ہے کہ اگر اس کے بالکل ساتھ والا پڑوسی حاجت مند نہیں ہے تو اس کی کفالت کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اسے اس قدر دور تک ذمہ داری نبھانی چاہیے۔ اس تصور کی صراحت قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ سے بھی ہوتی ہے۔

۱۷۔ ارشادِ ربانی ہے کہ دوزخیوں سے سوال ہوگا:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ○(۱)

’’(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی ○ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے ○ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے ○‘‘

۱۸۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى.(۲)

’’باہمی مودت، تراحم اور دلی وابستگی میں ہم ایمان کی مثال ایک جسم کی سی ہے

---

(۱) المدثر، ۷۴: ۴۲-۴۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶ ←

کہ اگر ایک عضو تکلیف میں ہو تو اس کے لئے سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔‘‘

۱۹۔ المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضاً. (۱)

’’ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔‘‘

...... ۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲٧۰

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴٦۹، رقم: ۲۳۳

۵۔ بیهقي، السنن الکبری، ۳: ۳۵۳، رقم: ٦۲۲۳

٦۔ عسقلاني، فتح الباري، ۱۰: ۴۳۹، رقم: ۵٦٦۴

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، أبواب المساجد، باب تشبیك الأصابع في المسجد وغیره، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴٦٧

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸٦۳، رقم: ۲۳۱۴

۳۔ بخاري، الصحیح، کتاب الأداب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضاً، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵٦۸۰

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۵۔ ترمذي، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم علی المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

٦۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ٦: ۱٦۳، رقم: ۳۰۳۴۸

٧۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۴، رقم: ۱۹٦۲۴

۸۔ أبو یعلی، المسند، ۱۳: ۲٧۹، رقم: ٧۲۹۵

۹۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۴٦٧، رقم: ۲۳۱

۱۰۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۸٧

۲۰۔ ليس بالمؤمن الذي يبيت شبعانًا و جاره جائع إلى جنبه.(۱)

''وہ مومن نہیں جس نے خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔''

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱

فصل دہم

اِحتکار و اِکتناز کا اِنسداد

اِحتکار (hoarding) ''حکر'' سے بنا ہے جس کے لفظی معنی ظلم و بد کے ہیں۔ ابن منظور افریقی (۶۳۰۔۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

الحکر: الظلم والتنقص وسوء العشرة. (۱)

''حکر سے مراد ظلم، (اشیائے ضرورت کی) بتدریج قلت پیدا کرنا اور برا معاشرہ (تخلیق کرنا) ہے۔''

اصطلاحی طور پر اس کا مفہوم یہ ہے کہ غلہ اور دوسری اشیاء کو اس غرض سے ذخیرہ کر لیا جائے کہ ان کی قیمتِ فروخت زیادہ ہو جائے اور من چاہی قیمت وصول کرنے کا موقع مل جائے۔ ابن منظور اس کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الاحتکار: جمع الطعام ونحوه مما يؤكل واحتباسه انتظار وقت الغلاء به. (۲)

''احتکار سے مراد ہے: کھانے، پینے (اور روزمرہ استعمال) کی اشیاء کو جمع کر کے روکے رکھنا تاکہ نرخ بڑھنے کا انتظار کیا جائے۔''

احتکار ایک لحاظ سے اشیاء کی رسد کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کرنا ہے۔ یہ ایک شدید معاشی برائی ہے جو کسی بھی معاشرہ میں زبردست معاشی بحران پیدا کرتی ہے۔

اِکتناز (Accumulation) کا مادہ ''کنز'' ہے جس کے لغوی معنی اس مال

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۲۰۸

(۲) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۲۰۸

کے ہیں جو کسی ظرف میں محفوظ کر کے رکھا گیا ہو یا زمین میں دفن کر دیا گیا ہو۔

لسان العرب میں ’’کنز‘‘ کا درج ذیل معنی ذکر کیا گیا ہے:

الكنز في الأصل المال المدفون تحت الأرض.(۱)

’’کنز اصل میں زمین کے نیچے دفن شدہ مال کو کہتے ہیں۔‘‘

قرآن مجید نے اس لفظ کو ’’بڑی دولت‘‘ کے معنی میں استعمال کیا ہے:

يَقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ.(۲)

’’کفار یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟‘‘

شرعی اصطلاح میں ’’کنز‘‘ وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كل مال لا تؤدى زكاته فهو كنز.(۳)

’’ہر مال جس کی زکوٰۃ نہیں دی گئی وہ کنز ہے۔‘‘

۲۔ دوسری روایت میں آتا ہے:

عن أم سلمة قالت: كنت ألبس أوضاحًا من ذهب. فقلت: يارسول الله! أكنز هو؟ فقال: ما بلغ أن تؤدى زكاته فزكي فليس

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۵: ۴۰۲

(۲) ہود، ۱۱: ۱۲

(۳) ۱۔ شافعي، المسند، ۱: ۸۷

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۸۲، رقم: ۷۰۲۲

بكنز.[1]

’’حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بیان مروی ہے کہ میں سونے کا بنا ہوا (زیور) اوضاع پہنا کرتی تھی۔ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کی کہ کیا یہ کنز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مال اس قدر ہو جائے کہ اس میں زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہو اور پھر اس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔‘‘

اسلامی نظامِ معیشت میں احتکار اور اکتناز دونوں کو مسترد کیا گیا ہے احتکار کے ضمن میں اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ تاجر حضرات، اپنا مال مارکیٹ میں لائیں اور اسے فروخت کریں۔ محتکر (ذخیرہ اندوزی کرنے والا) کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

۳۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من احتكر فهو خاطئ.[2]

’’جو غلہ روکے وہ خطا کار ہے۔‘‘

اسی طرح دوسرے ذرائع سے اشیائے تجارت کی گرانی کے لئے کوشش کرنا مذموم فعل ہے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

۴۔ من دخل في شيء أسعار المسلمين ليغلي عليهم كان حقًا

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب الزكاة، باب الكنز ما هو وزكاة الحلي، ۲: ۹۵، رقم: ۱۵۶۴

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحين، ۱: ۵۴۷، رقم: ۱۴۳۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، ۳: ۱۲۲۷، رقم: ۱۶۰۵

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ۲۹، رقم: ۱۰۹۳۰

على الله أن يقذفه في معظم جهنم رأسه أسفله.[1]

’’جو شخص مسلمانوں کے بازار کے نرخ میں اس لئے دخل دے کہ اسے گراں کرے تو رب تعالیٰ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اسے سر کے بل جہنم کی زبردست آگ میں جھونک دے۔‘‘

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احتكر طعامًا أربعين ليلة فقد بريء من الله وبريء الله منه.[2]

’’جو شخص چالیس دن تک غلہ روک کر رکھتا ہے (اور اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کرتا ہے) وہ اللہ کے ذمہ سے بری ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔‘‘

۶۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الجالب مرزوق والمحتكر ملعون.[3]

’’بازار میں مال لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔‘‘

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۸
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷: ۵۲۵، رقم: ۱۱۲۱۴

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۴، رقم: ۲۱۶۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳، رقم: ۴۸۸۰

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ۲: ۷۲۸، رقم: ۲۱۵۳
۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۴، رقم: ۲۵۴۴
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۰، رقم: ۱۰۹۳۴

ما من صاحب ذهب ولا فضة، لا يؤدي منها حقها، إلا إذا كان يوم القيامة صفحت له صفائح من نار فأحمي عليها في نار جهنم فيكوى بها جنبه وجبينه وظهره. (۱)

’’جو کوئی سونا اور چاندی جمع کرتا ہے پھر اس سے حق ادا نہیں کرتا۔ قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ انہیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا اور اس کے پہلو، پیشانی اور اس کی پیٹھ کو داغ دیا جائے گا۔‘‘

احتکار و اکتناز کا عمل اسلامی معیشت کی روح کے خلاف ہے۔ ان دونوں بڑے افعال سے ’’بخل‘‘ کی لعنت بھی جنم لیتی ہے جو بے شمار اخلاقی، سماجی، معاشرتی اور معاشی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ احتکار و اکتناز کا سدِباب کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں بخل سے اجتناب کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ **وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ○ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ○** (۲)

’’اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں○ جس دن اس (سونے،

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب إثم مانع الزکاة، ۲: ۶۸۰، رقم: ۹۸۷

۲۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۳۷، رقم: ۷۳۲۴

۳۔ منذري، الترغیب والترهیب، ۱: ۳۰۴، رقم: ۱۱۲۶

(۲) التوبة، ۹: ۳۴، ۳۵

چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھےo‘‘

۲۔ **كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ.**(۱)

’’(یہ نظامِ تقسیم اس لئے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔‘‘

ارشادِ ربّانی ہے:

۳۔ **لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًاo وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo**(۲)

’’مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہےo اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہوo‘‘

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(۲) النساء، ۴: ۷، ۸

۴۔ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ○ وَ مَا اَدْرٰکَ مَا الْحُطَمَةُ ○ نَارُ اللهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ ○ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ○(۱)

’’(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے○ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گی○ ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمه** (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گا○ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمه** (چورا چورا کر دینے والی آگ) کیا ہے؟○ (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے○ جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گی○ بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گی○ (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)○‘‘

۵۔ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط اِنَّ اللهَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ○ نِالَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰـهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ○ وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَهٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ○ وَمَاذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا

(۱) الهمزه، ۱۰۴: ۲۔۹

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًاo[1]

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہےo اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر، اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہوگیا تو وہ برا ساتھی ہےo اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا تھا اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے اور اللہ ان (کے حال) سے خوب واقف ہےo‘‘

قرآن حکیم نے نہ صرف احتکار و اکتناز کی ممانعت و مذمت کی بلکہ کئی مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کی بھی تاکید فرمائی:

۱۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى

(۱) النساء، ۴: ۳۶۔ ۳۹

الزَّکٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَO(۱)

”نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیںO“

۲۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَکِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُO(۲)

”آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

(۲) التوبة، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ٥ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے ٥"

۳۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ٥ وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ٥ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ٥ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ٥ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ٥ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ٥ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ٥ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ٥ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ٥[1]

"مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایا ٥ لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا ٥ یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتے ٥ اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو ٥ اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۵۔۲۳

(اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)○ اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہو○ یقیناً جب زمین پاش پاش کرکے ریزہ ریزہ کر دی جائے گی○ اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے قطار در قطار (اس کے حضور) حاضر ہوں گے○ اور اس دن دوزخ پیش کی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی مگر (اب) اسے نصیحت کہاں (فائدہ مند) ہو گی○‘‘

۴۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○[1]

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو○‘‘

۵۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○[2]

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○‘‘

۶۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○[3]

’’جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ

(۱) النساء، ۴: ۸

(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

(۳) البقرة، ۲: ۳

کرتے ہیں○‘‘

۷۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○ (۱)

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے○ یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے○‘‘

۸۔ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ○ فَكُّ رَقَبَةٍ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ○ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○ (۲)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے○ وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے○ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)○ قرابت دار یتیم کو○ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے○‘‘

۹۔ اٰمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳۔۱۳۴

(۲) البلد، ۹۰: ۱۲۔۱۶

فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَہُمۡ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ○ (۱)

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اَجر ہے○‘‘

۱۰۔ وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطۡعَمَہٗۤ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ○ (۲)

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہوگئے ہو○‘‘

۱۱۔ وَلَا یُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَۃً صَغِیۡرَۃً وَّلَا کَبِیۡرَۃً وَّلَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَہُمۡ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ○ (۳)

’’اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہِ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف وسفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے○‘‘

۱۲۔ وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ

(۱) الحدید، ۵۷: ۷

(۲) یٰس، ۳۶: ۴۷

(۳) التوبہ، ۹: ۱۲۱

تَبۡذِیۡرًا○(۱)

''اور قرابتداروں کو انکا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○''

۱۳۔ یَسۡئَلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ط قُلِ الۡعَفۡوَ. (۲)

''لوگ آپ یہ بھی سے پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔''

۱۴۔ فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّهٗ وَالۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ط ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللهِ ز وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ○(۳)

''پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں○''

۱۵۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ط وَالۡکٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ○(۴)

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہو گی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیں○''

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۱۹

(۳) الروم، ۳۰: ۳۸

(۴) البقرۃ، ۲: ۲۵۴

۱۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ص وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ط وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ (۱)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہے ○‘‘

۱۷۔ وَفِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (۲)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا ○‘‘

۱۸۔ وَالَّذِيْنَ فِيْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○ (۳)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○‘‘

احتکار واکتناز کی نفی اور انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کی اہمیت احادیث مبارکہ میں بھی متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له. ومن كان له

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۲) الذاريات، ۵۱: ۱۹

(۳) المعارج، ۷۰: ۲۴۔ ۲۵

فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.(۱)

’’تم میں جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زاد راہ ہے وہ اس کو لوٹا دے جس کے پاس نہیں ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ مختلف اصنافِ مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ ضرورت سے زائد کسی شے میں بھی ہمارا حق نہیں رہا۔‘‘

۲۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سال لوگ مالی تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے موقع پر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تیسری رات کے بعد اس حالت میں نہ اٹھے کہ اس کے گھر گوشت کی ایک بوٹی بھی ہو۔ (چنانچہ اس طرح عمل کیا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے بانٹ دیا) اگلے سال بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی تعمیل میں سارا گوشت تقسیم کر دیا اور آئندہ ضرورت کے لئے بچا کر نہ رکھا اور انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يا رسول الله! نفعل كما فعلنا عام الماضي. قال: كلوا وأطعموا وادخروا فإن ذلك العام كان بالناس جهد فأردت أن تعينوا فيها.(۲)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۴۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، ۵: ۲۱۱۵، رقم: ۵۲۴۹ ←

"یارسول اللہ! ہم اس مرتبہ بھی سابقہ سال کی طرح کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس سال کھاؤ بھی اور (حسبِ ضرورت) بچا کر بھی رکھ لو پچھلے سال لوگ پریشان تھے پس میں نے چاہا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

۳۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام أربعة فليذهب بخامس أو سادس. (۱)

"جس شخص کے پاس دو نفوس کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ ملا لے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچویں یا چھٹے کو ساتھ ملا لے۔"

۴۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے معمول کے بارے میں امام بخاری بیان کرتے ہیں:

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الاسلام وبيان نسخه وإباحة إلى متى شاء، ۳: ۱۵۶۳، رقم: ۱۹۷۴

۳۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۳

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۲۰۵۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۱۷۰۴

۵۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۴، رقم: ۸۳۹۸

کان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.[1]

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کھانا تناول نہیں فرماتے تھے جب تک کوئی حاجت مند آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔‘‘

۵۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنا نعد الماعون على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم همام الدلو والقدر.[2]

’’ہم عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈول اور ہنڈیا تک عاریۃً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔‘‘

۶۔ امتناعِ احتکار و اکتناز کے تصور کی وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمائی:

لو كان لي مثل أحد ذهبًا لسرني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.[3]

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۲، رقم: ۵۶۲۹

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۳: ۱۰، رقم: ۸۴۱۷

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۵۲۲، رقم: ۱۱۷۰۱

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۲۰۸، رقم: ۹۰۱۴

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۳، رقم: ۷۵۷۸

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۷: ۱۴۳، رقم: ۱۱۵۲۱

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما يسرني ←

”اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میری خوشی اس میں ہے کہ تین راتیں گزرنے سے بھی پہلے میرے پاس کچھ نہ بچے سوائے اس قدر مال کے جسے میں ادائیگی قرض کے لئے بچا رکھوں۔“

۷۔ فلما فتح اللہ علیه الفتوح قال: أنا أولی بالمؤمنین من أنفسهم فمن توفی من المؤمنین فترک دیناً فعليّ قضاءه ومن ترک مالاً فلورثته.(۱)

...... أن عندي مثل أحد هذا ذهباً، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الاستقراض، باب أداء الدیون، ۲: ۸۴۲، رقم: ۲۲۵۹

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب تغلیظ العقوبة من لا یؤدي الزکاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۶، رقم: ۸۱۸۰

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۹، رقم: ۳۲۱۴

۶۔ بیہقي، السنن الکبری، ۵: ۳۵۴، رقم: ۱۰۷۳۸

۷۔ ہیثمي، موارد الظمآن، ۱: ۳۲، رقم: ۱۰

۸۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۳۹

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الکفالة، باب الدین، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالًا فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة علی الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الفرائض، باب في میراث ذوي الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

’’جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں اہلِ ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی قریب تر ہوں ان میں سے جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے قرض ہو تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہے اور جو وہ مال چھوڑ کر مر جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔‘‘

۸۔ قحط کے زمانے میں لوگوں کی مشکلات رفع کرنے کے اہتمام کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

فواللہ لو أن اللہ لم یفرجھا ما ترکت أھل بیت من المسلمین لھم سعة إلا أدخلت معھم أعدادھم من الفقراء فلم یکن اثنان یھلکان من الطعام علی ما یقیم واحدًا. (۱)

’’خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجین کو اس میں کلیتًا داخل نہ کر دیتا کیونکہ ایک شخص کا کھانا یقینًا دو افراد کو ہلاک ہونے سے بچا لیتا۔‘‘

۹۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسی نوعیت کی ایک روایت امام طبری نے بیان کی ہے:

لو استقبلت من أمري ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنیاء

...... ۵۔ عبدالرزاق، المصنف، ۸: ۲۸۹، رقم: ۱۵۲۵۷

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۳

۷۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۴۱، رقم: ۲۵۹۴

۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۷: ۳۳۳، رقم: ۳۰۶۳

۹۔ بیھقي، السنن الکبری، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ تمیمي، الجرح والتعدیل، ۱: ۱۹۲

فقسمتها علی فقراء المهاجرین.(۱)

’’بے شک مجھے اس امر کا خیال پہلے آ جاتا تو میں مالداروں کی زائد دولت لے کر فقراء مہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔‘‘

۱۰۔ حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قطعۂ اراضی عطا فرمایا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے انہیں کہا:

یا بلال! إنک استقطعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أرضًا طویلة عریضة فقطعها لک، وأن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یکن یمنع شیئًا یسأله، وأنت لا تطیق ما في یدیک، فقال: أجل، فقال: فانظر ما قویت علیه منها فأمسکه، وما لم یطق وما لم تقو علیه فادفعه إلینا نقسمه بین المسلمین.(۲)

’’اے بلال! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل وعریض قطعہ اراضی طلب کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں یہ قطعہ اراضی عطا فرمایا ہے کیونکہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سوال لے کر آتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے خالی نہ لوٹاتے تھے مگر تمہیں یہ علاقہ اس لئے نہیں عطا کیا گیا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ بلکہ اس لئے عطا کیا تھا کہ تم اسے آباد کرو۔ لہٰذا جس قدر زمین کو تم آباد کر سکتے ہو رکھ لو اور باقی لوٹا دو تاکہ ہم اسے (غریب) مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ (اس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے زائد زمین واپس

---

(۱) ۱۔ طبري، تاریخ الأمم والملوك، ۲: ۵۷۹
۲۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ قرشي، کتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴
۲۔ أبو عبید، کتاب الأموال: ۳۶۶، رقم: ۷۱۰

لے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔)''

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے حاجت مندوں کی حاجت براری کے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کو کم کر کے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے۔ حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر قرآن حکیم میں زکوٰۃ اور انفاق کے احکام کا تقابلی جائزہ لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رب ذوالجلال نے انفاق فی سبیل اللہ کا تذکرہ زکوٰۃ کے تذکرے سے دوگنی مرتبہ کیا ہے جو زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کی راہ میں مال کے خرچ کرنے کی دیگر مدات کا پوری شرح و بسط سے احاطہ کرتا ہے۔ مذکورہ بالا آیات و احادیث سے انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا بڑا حصہ انہی احکام کی ترغیب و ترہیب اور ان سے متعلق احکام کی تفصیل پر مبنی ہے۔ ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت جمع و ذخیرہ اندوزی کے لئے نہیں بلکہ صرف اور خرچ کے لئے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

اس لئے ان آیات کی تفسیر میں ''جمہور'' کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور ''کنز'' سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت و ثروت کے حصول کا نام ''سرمایہ داری'' ہے۔ اسی طرح اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجاتِ اصلیہ اور مالی فرائض و واجبات کی ادائیگی کے بعد جو دولت بچ جائے اگرچہ اس کا پس انداز کرنا جائز ہے مگر اس ضمن میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ اس مال میں اجتماعی حقوق کی نشاندہی کرتے ہیں اور یہ مال اجتماعی حاجات پورا کرنے اور عوام الناس کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے کو اوّلیت دیتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آیات زکوٰۃ و صدقات اور منع احتکار و اکتناز کے علاوہ آیات میراث اور قانونِ وراثت بھی اسی حکمت پر مبنی ہیں کہ دولت و ثروت ''جمع و ذخیرہ'' کے لئے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور گردش کے لئے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

فصل یازدہم

اِجتماعی مفاد کو اِنفرادی مفادات پر ترجیح حاصل ہے

اسلام کے نظامِ معیشت میں انفرادی ملکیت کی نفی نہیں کی گئی بلکہ افراد کے اشیاء منقولہ کے علاوہ زمین اور ذرائع پیداوار پر بھی حقِ ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے جہاں جہاں بھی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے وہاں افرادِ معاشرہ کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ ترغیب بھی دی ہے:

وَ فِيۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ○(۱)

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○''

اس طرح کی دیگر آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام نے انفرادی حق پر مبنی مفاد کو تسلیم کیا اور اسے جائز قرار دیا ہے مگر:

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا.(۲)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

کے مصداق بنیادی حقِ معیشت کے حوالے سے **مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا** کو افرادِ معاشرہ کے لئے مباح قرار دیا۔ اس طرح کسی فردِ واحد یا افرادِ جماعت کو اسلامی معاشرے میں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ انہیں معاشی مفاد کے ایسے حقوق کا مالک بنا دیا جائے جو ''مفادِ عامہ'' کے خلاف ہو بلکہ جہاں بھی انفرادی مفاد کی وجہ سے اجتماعی مفاد پر زد پڑتی ہو وہاں اجتماعی مفاد کو انفرادی مفادات پر ترجیح دی جائے گی۔ اسلامی معیشت کے اس بنیادی

---

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) البقرة، ۲: ۲۹

اصول کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے:

۱۔ **عن أبيض بن حمال أنه وفد إلى رسول الله ﷺ فاستقطعه الملح. قال بن المتوكل الذي بمأرب فقطعه له فلما أن ولى قال رجل من المجلس: أ تدري ما قطعت له إنما قطعت له الماء العد قال: فانتزع منه.**(۱)

’’ابیض بن حمال کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مآرب میں نمک کی جو جھیل تھی اس کو عطیہ کے طور پر مانگا۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ایک شخص نے یہ دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ آپ ﷺ نے نمک کا ہمیشہ جاری رہنے والا خزانہ کیوں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی اصل حقیقت سے آگاہی کے بعد واپس لے لیا اور دینے سے انکار فرما دیا۔‘‘

۲۔ **أن النبي ﷺ أقطع بلال بن الحارث المزني معادن القبلية جلسيها وغوريها وحيث يصلح الزرع من قدس ولم يعطه حق مسلم وكتب له النبي ﷺ كتابًا.**(۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے بلال بن حارث کو مقام قبلیہ کے پست و بلند حصوں

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۴، رقم: ۳۰۶۴

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۹، رقم: ۱۱۶۰۸

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والامارة والفئ، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۳، رقم: ۳۰۶۲

۲۔ بيهقي،السنن الكبرى، ۶: ۱۴۵، رقم: ۱۱۵۷۷

کی کانیں عطیہ کے طور پر دے دیں اور مقام قدس کے ان حصوں کو بھی دیا جو کھیتی کے قابل تھے۔ اور آپ ﷺ نے اس عطیہ میں کسی مسلمان کا حق ان کو نہیں دیا اور اس کے لئے ان کو فرمان لکھ دیا۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب دور آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے زائد از ضرورت زمین لے کر غریبوں میں تقسیم کر دی۔ یحيٰ بن آدم قرشی (م ۲۰۳ھ) لکھتے ہیں:

فأخذ منه ما عجز عن عمارته، فقسمه بين المسلمين.(۱)

’’جس زمین کو وہ (بلال) کاشت نہیں کر سکتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وہ زمین واپس لے لی اور (غریب) مسلمانوں میں تقسیم کر دی۔‘‘

ان روایات کی روشنی میں یہ اصول طے پایا کہ جہاں عامۃ الناس کے مفادات کا معاملہ ہو وہاں کسی فردِ واحد یا واحد مخصوص جماعت کو حقِ ملکیت نہیں دیا جا سکتا۔

انفرادی مفادات پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کے اصول پر عمل ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی نظر آتا ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق اور شام کے علاقے فتح ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا کہ ان علاقوں کی زمینوں کو ہم پر تقسیم کر کے ہمیں ان کا مالک بنا دیا جائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خصوصیت کے ساتھ اس پر مصر تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں ہی تقسیم کر دی گئیں تو سرحدوں کے انتظامات، شہروں اور ملکوں کے انتظامات، لشکروں کی ضروریات، بعد میں آنے والے مسلمانوں کی حاجات اور دیگر مستحق غرباء کی ضروریات کے لئے آمدنی کہاں سے آئے گی۔ اس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفِ اوّل کے

(۱) ۱۔ قرشي، كتاب الخراج: ۹۳، رقم: ۲۹۴

۲۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۶۶، رقم: ۷۱۰

جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلسِ مشاورت منعقد کی اور اس معاملے کو ان کے سامنے پیش کر کے ان کی رائے طلب کی۔ آپ کے دلائل سن کر سب نے آپ رضی اللہ عنہ سے اتفاق کیا۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) فرماتے ہیں:

والذي رأى عمر رضی اللہ عنہ من الامتناع من قسمة الأرضين بين من افتتحها عند ما عرفه الله ما كان في كتابه من بيان ذلك توفيقًا من الله كان له فيما صنع، وفيه كانت الخيرة لجميع المسلمين، وفيما رأه من جمع خراج ذلك وقسمته بين المسلمين عموم النفع لجماعتهم.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ انہوں نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان اراضی کو تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی رائے کی موافقت میں قرآن مجید کے دلائل پیش کیے یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھا اور دراصل اس میں ہی تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی اور خراج کا جمع ہونا اور اس کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیمِ اراضی کے مقابلے میں بدرجہا مفید تھا۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے تصورِ معیشت اور قرآن مجید کی انسانی فلاح اور عملِ احسان کی تعلیم کی رو سے اسلامی معاشرہ میں اصولی طور پر انفرادی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دی جائے گی۔

متذکرہ بالا بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں اسلام کے معاشی نظام کے خدو خال واضح ہو جاتے ہیں جس سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کے دیگر نظام ہائے معیشت کے مقابل صرف اسلام ہی ایک مثالی اور فلاحی معاشرے کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۲۹

فصل دوازدہم

غیر سودی معیشت کا قیام

ا۔ سودی معیشت کی شرعی ممانعت

سود کو عربی زبان میں رِبٰو / رِبا کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے اس کا معنی کسی چیز کا زیادہ ہونا اور بڑھنا مراد ہے۔ اصطلاحاً رِبا سے مراد مال میں وہ زیادتی ہے جو سرمایہ دار اپنے مقروض کو قرض کی ادائیگی کی مہلت دے کر حاصل کرتا ہے۔

اسلام نے سود کو کسی بڑی یا چھوٹی حالت میں قطعی طور پر مسترد کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربّانی ہے:

ا۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○[1]

’’جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس جس کے پاس اس کے رب کی جانب سے نصیحت پہنچی سو وہ (سود سے) باز آ گیا تو جو پہلے گزر چکا وہ اسی کا ہے، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جس نے

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۵

پھر بھی لیا سو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے o‘‘

۲۔ يَمْحَقُ اللهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍo[1]

’’اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتاo‘‘

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَo[2]

’’اے ایمان والو! دوگنا اور چوگنا کر کے سود مت کھایا کرو، اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ ج وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَo[3]

’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ بھی سود میں سے باقی رہ گیا ہے چھوڑ دو اگر تم (صدقِ دل سے) ایمان رکھتے ہوo پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائےo‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۶

(۲) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۳) البقرة، ۲: ۲۷۸۔ ۲۷۹

احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں بھی سود اور سود خوری کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبي ﷺ قال: الربا بضع وسبعون باباً والشرک مثل ذلک.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر سے زائد درجے ہیں اور شرک بھی اسی طرح ہے (گناہ میں اس کے برابر ہے)۔‘‘

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا ومؤکله وکاتبه وشاهديه وقال: هم سواء.(۲)

’’رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ

---

(۱) ۱۔ بزّار، المسند، ۵: ۳۱۸، رقم: ۱۹۳۵
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۵، رقم: ۲۸۴۶
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۱۱۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب لعن آکل الربا ومؤکله، ۳: ۱۲۱۹، رقم: ۱۵۹۸
۲۔ ترمذي، السنن، کتاب البيوع، باب ما جاء في أکل الربا، ۳: ۵۱۲، رقم: ۱۲۰۶
۳۔ أبو داود، السنن، کتاب البيوع، باب في آکل الربا ومؤکله، ۳: ۲۴۴، رقم: ۳۳۳۳
۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ۲: ۷۶۴، رقم: ۲۲۷۷

سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الربا سبعون باباً أدناها كالذي يقع على أمه. (۱)

’’سود کے ستر دروازے (ستر قسمیں) ہیں ان میں سے ادنیٰ ترین (قسم کا گناہ) ایسا ہے کہ جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔‘‘

۴۔ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، جن کو شہید ہونے کے بعد فرشتوں نے غسل دیا تھا، نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية. (۲)

’’سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ شدید (جرم) ہے بشرطیکہ کھانے والے کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔‘‘

دورِ حاضر میں یہ حقیقت بین الاقوامی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ سود ایک شدید معاشی برائی (economic evil) ہے۔ اس کے برے اثرات و نتائج انسانی زندگی کے ہر شعبے میں سامنے آئے ہیں۔ گویا سود اپنے اندر روحانی و اخلاقی، معاشی و تمدنی، سیاسی اور معاشی نقصانات لیے ہوئے ہے۔ ذیل میں سود کے ان مفسدات و نقصانات کا تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے:

---

(۱) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۴، رقم: ۵۵۲۰
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۵، رقم: ۲۸۴۷

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۲۵، رقم: ۲۲۰۰۷
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۱۲۵، رقم: ۲۶۸۲
۳۔ دارقطني، السنن، ۳: ۱۶، رقم: ۴۸

۲۔ سودی معیشت کے روحانی و اخلاقی نقصانات

اخلاق انسان کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ روح اور اخلاق انسانیت کے جوہرِ عظیم ہیں، سود ان دونوں پر ضربِ کاری لگاتا ہے۔ سود یا سودی کاروبار میں ملوث ہونے سے انسان میں اخلاقی پستی پیدا ہوجاتی ہے اور خود غرضی، حرص و ہوس پرستی، بخل، سنگدلی اور تنگ نظری جیسی برائیاں زبردستی اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ وہ انسان جس میں محامدِ بشری، فیاضی، ہمدردی، اخوت، فراخدلی، ایثار، اعلیٰ ظرفی اور خیر اندیشی جیسی صفاتِ عالیہ ہونی چاہیے تھیں اپنی بیمار روح کے سبب غضب و شہوت، اضافہ در اضافہ مال اور قساوتِ قلبی کا شکار ہو جاتا ہے۔ غرض سود انسان کو صفاتِ عالیہ سے محروم کر کے صفاتِ مذمومہ کی طرف لے جاتا ہے جو انفرادی اور اجتماعی گراوٹ و تنزل کا باعث بنتی ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ عدم اطمینانی اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور اس طرح اخلاقِ حسنہ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ سودی معیشت کے معاشرتی وتمدنی نقصانات

مختلف ممالک اپنا نظامِ مملکت چلانے کے لیے معاہدات کرتے ہیں جن میں مالی امداد اور قرضے وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سود کا عنصر شامل ہو جائے تو معاہد ممالک میں منافرت، خود غرضی، عناد اور حسد و رقابت کے جذبات فروغ پانے سے ایک سرد جنگ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ قرض خواہ اور مقروض ملک ایک دوسرے سے تعاون تو کرتے ہیں لیکن ان میں ایک معاندانہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ چونکہ سود کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں اس لیے مقروض ملک کی رعایا میں قرض خواہ ملک کے لیے نفرت و حقارت کے جذبات سر اٹھانے لگتے ہیں جس کا اکثر نتیجہ جنگ اور امن کی پامالی کی صورت میں نکلتا ہے۔ تاریخ اس ضمن میں بہت سے شواہد پیش کرتی ہے۔

۴۔ سودی معیشت کے سیاسی نقصانات

نسلِ انسانی کی تاریخ گواہ ہے کہ جب معاشرے میں سود داخل ہوتا ہے تو ملکی اور بین الاقوامی سیاسی فضا میں کشیدگی اور تناؤ کی سی کیفیت اپنے عروج کو پہنچتی ہے۔ سود ہی کی وجہ سے تعلقاتِ عامہ متاثر ہوتے ہیں، سیاسی معاہدات خسارے میں پڑ جاتے ہیں اور بین الاقوامی تعلقات میں بگاڑ کے باعث قوموں اور ممالک میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ سیاسی برتری سود خور ملک حاصل کرتا ہے جبکہ مقروض ملک سود کے بوجھ تلے محکومی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ ناپسند کرتے ہوئے بھی قرض خواہ ملک سے سیاسی احکام (Political Dictates) لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح سود سیاسی میدان میں بھی اپنے مفسدات کی وجہ سے سیاسی عدم استحکام (Political Instability)، نفرت، جنگ اور فقدانِ امن کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

۵۔ سودی معیشت کے معاشی نقصانات

روحانی، اخلاقی، معاشرتی و تمدنی شعبہ ہائے زندگی میں سود کی تباہ کاریاں اظہر من الشّمس ہیں ان کے علاوہ سود معاشی میدان میں سب سے زیادہ نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ سود کے اہم معاشی نقصانات حسبِ ذیل ہیں:

☆ غریب طبقہ کی مصیبتوں میں اضافہ

☆ عوام الناس کی قوتِ خرید میں کمی

☆ اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ

☆ ارتکازِ دولت

☆ گردشِ دولت (Circulation of Money) میں کمی

☆ تجارتی چکر اور کساد بازاری

☆ قرضِ حسنہ کا خاتمہ

☆ وسیع پیمانے پر معاشی استحصال

☆ سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی

☆ بچتوں (Savings) کا فقدان

☆ بیروزگاری میں اضافہ

☆ ماہرین کی تخلیقی صلاحیتوں سے بے اعتنائی اور مفت خوری کا اجراء

☆ تعیّشات اور عیش پرست زندگی سے محبت جس سے سماجی برائیاں (SocialEvils) جنم لیتی ہیں

☆ اقتصادی ترقی میں رکاوٹ

غرضیکہ سود کے معاشی شعبہ (Economic Sector) میں اتنے دور رس مفسدات اور نقصانات ہیں جن کو تفصیل سے بیان کرنا یہاں طوالت کا باعث بنے گا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج کے سائنسی اور علمی ترقی کے دور میں بھی اصحابِ عقل و دانش سود کی برائیوں سے صرفِ نظر نہیں کر سکے جبکہ تاریخ اور حالاتِ زمانہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سود پر مبنی معیشت جلد یا بدیر انحطاط، تنزل اور تباہی کا شکار ہوتی ہے۔

اسلام نے مذکورہ بالا امور کا آج سے تقریباً ۱۵۰۰ سال پہلے ہی ادراک کیا۔ اپنی الہامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عملی میدان میں بھی سود کے خاتمے کی طرف رغبت دلائی۔

اسلامی معاشیات کے ماہرین نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو اصول وضوابط مدون کیے ان میں سود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اربابِ اقتدار کے لئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ انقلابی اقدامات کے ذریعے سود سے پاک معیشت کا قیام عمل میں لائیں۔

باب سوم

وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللهِ الَّذِیْٓ اٰتٰـكُمْ

(النور، ۲۴: ۳۳)

اِسلام کا تصورِ ’’مال‘‘

لغوی معنی

مال کے لغوی معنی جھکنے، ایک طرف مڑ جانے اور خم کھانے کے ہیں، علاوہ ازیں یہ لفظ کئی اور مفاہیم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ لفظ مال کی تعریف کرتے ہوئے امام راغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

العدول عن الوسط إلی أحد الجانبين والمال سُمّي بذلک.[۱]

’’وسط سے ایک جانب کو مڑ جانا اور (مال) کو مال بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں۔‘‘

۲۔ مال کی تعریف عام طور پر فقہاء کرام نے ان الفاظ میں کی ہے:

المال: ما يميل إليه الطبع ويمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت بتمول الناس کافة أو بعضهم.[۲]

’’مال وہ چیز ہے جس کی طرف انسانی طبیعت مائل ہو اور اس کا مشکل وقت کے لئے جمع کیا جانا بھی ممکن ہو اور مالیت تمام لوگوں یا بعض لوگوں کے متمول ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔‘‘

۳۔ بعض فقہاء نے اس کی تعریف درج ذیل الفاظ سے کی ہے:

المال: کل ما يملک وينتفع به وسمي مالاً لميل الطبع إليه.[۳]

(۱) اصفهاني، مفردات الفاظ القرآن: ۷۸۳
(۲) ابن عابدين، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳
(۳) السيد سابق، فقه السنة، ۳: ۴۶

''ہر وہ چیز جس کی ملکیت ممکن ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے مال کہلاتی ہے۔ اسے مال اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی طرف انسانی طبیعت کا میلان ہوتا ہے۔''

۴۔ امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے نزدیک ہر اس شے کو جسے عند الضرورۃ فائدہ حاصل کرنے کے لئے ذخیرہ (جمع) کیا جا سکے، مال کہتے ہیں اور آپ کے قول کے مطابق کسی شے کا قیمتی ہونا از خود اس کی مالیت کو ثابت کرتا ہے جبکہ امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) کے نزدیک محض امکانِ ملکیت سے مالیت ثابت ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی حنفی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ) کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

المال: ما من شأنه أن يدّخر للانتقاع وقت الحاجة والتقويم يستلزم المالية عند الإمام والملك عند الشافعي.(۱)

''مال وہ شے ہے جسے حاجت کے لئے جمع کیا جا سکے امام اعظم کے نزدیک شے کا قیمتی ہونا اور امام شافعی کے نزدیک امکانِ ملکیت سے مالیت کا ثبوت ہوتا ہے۔''

۵۔ ابن عابدین شامی مزید لکھتے ہیں:

المال اسم لغير الآدمي خلق لمصالح الآدمي وأمكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار.(۲)

''آدمی کے سوا ہر وہ چیز جو انسان کے فائدے کے لئے تخلیق کی گئی ہے مزید برآں اس کا محفوظ کرنا اور اس میں اختیاری طور پر تصرف کرنا بھی ممکن ہو مال کہلاتی ہے۔''

(۱) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

(۲) ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ۴: ۳

لفظ مال بمعنی مالیات، دولت، علم (معاشیات)، بیت المال، ذھب، دینار، درہم وغیرہ بھی مستعمل ہے۔ قدیم عربی زبان میں اس کے معنی کوئی مقبوضہ یا مملوکہ چیز کے ہیں۔ بدویوں کے ہاں اس سے خاص طور پر اونٹ مراد ہوتے تھے۔ لیکن اس لفظ کا اطلاق جائیداد اور روپے پیسے پر بھی ہوتا ہے، اس طرح اس کا اطلاق کسی قسم کی بھی مادی اشیاء پر ہوسکتا ہے (جو منفعت اور ضرورت کے نقطۂ نظر سے وسیلہ بن سکیں) یہ لفظ "ما" اور "ل" کا مجموعہ ہے اور اس کا صحیح مفہوم یہ ہے: ’’کوئی ایسی شے جو کسی کی ملکیت ہو۔‘‘ بحیثیت اسم اسے قدرتی طور پر مادہ ’’م۔و۔ل‘‘ سے مشتق قرار دے کر اس سے فعل ’’تَمَوُّل‘‘ بنتا ہے۔ نقدی کے مفہوم میں اس لفظ کو ’’مالِ صامت‘‘ (گونگا مال) کی شکل میں استعمال کیا جاتا ہے، برعکس ’’مال ناطق‘‘ (بولنے والا مال) کے جو غلاموں اور مویشیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۶۔ مال کے مفہوم میں ’’ملکیت‘‘ شامل ہے النھایہ میں ابنِ اثیر (۵۴۴۔۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

المال في الأصل ما يملک من الذهب والفضة ثم أطلق على کل ما يقتنى ويملک من الأعيان. (۱)

’’اصل مال سے مراد سونا چاندی ہے پھر اس کا اِطلاق ہر اس شے پر ہوتا ہے جسے کمایا جائے اور مادی چیزوں میں سے باقاعدہ ملکیت میں رکھا جائے۔‘‘

قرآن مجید میں لفظ ’’مال‘‘ مختلف لفظی شکلوں کے ساتھ ۸۶ بار آیا ہے۔ علاوہ ازیں احادیثِ نبوی ﷺ میں متعدد جگہوں پر یہ لفظ مذکور ہے۔ متعلقہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ میں مال کی ماہیت، مال کمانا اور خرچ کرنا، اکتسابِ مال میں حلال و حرام کی تمیز، مالداروں کی نفسیات، ان کے اوصاف، عادات و خصائل اور ان کا انجام کار اور

(۱) ابن اثیر، النهاية في غريب الحديث والأثر، ۴: ۳۷۳

صرفِ مال کے اسلامی اصول وضوابط وغیرہ بیان ہوئے ہیں۔

معاشیات کی دنیا میں لفظ مال کا مترادف ”زر“ (Money, Wealth, Capital) ہے چاہے وہ نقد (Cash) کی شکل میں ہو یا اجناس، جانور، معدنیات، عمارات، جائیداد وغیرہ کی شکل میں ہوں۔ دورِ جدید میں سکے (Coins)، کرنسی نوٹ، ڈرافٹ اور ہنڈیاں (Drafts and Bills)، خزانے کی ہنڈیاں (Treasury Bills)، بانڈز (Bonds)، سرمایہ جاتی حصص (Equity Shares)، معین امانتیں اور بچتوں کی امانتیں (Fixed Deposits and Savings)، بچتوں کے سرٹیفکیٹس (Saving Certificates)، ٹریولر چیک، انشورنس کمپنیوں کی پالیسیاں، جنرل پراویڈنٹ فنڈ کی بچتیں، بینکوں، ڈاکخانوں اور دیگر مالی اداروں کی ماہانہ، ششماہی اور سالانہ انکم سکیمیں، حکومت کے جاری کردہ انعامی بانڈز اور کریڈٹ کارڈ (Credit Card) وغیرہ سب زر یعنی مال کے زمرہ میں آتے ہیں۔

اِسلامی تصورِ مال

اسلام مال کے ضمن میں واضح تعلیمات و ہدایات پیش کرتا ہے۔ ذیل میں اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تمام مال ملکیتِ الٰہیہ ہے

قرآن مجید نے قطعی طور پر اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ﷻ کا تخلیق کردہ ہے۔ وہی ہے جو ان کے نظام سے واقف ہے اور احسن طریقے سے ان کے نظام کو چلا رہا ہے۔ اس طرح یہ بات عیاں ہے کہ وہ ان کا مالکِ حقیقی ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○(۱)

''جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ کے لئے ہے، وہ باتیں جو تمہارے دلوں میں ہیں خواہ انہیں ظاہر کرو یا انہیں چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا، اور اللہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے○''

۲۔ اسی طرح فرمایا:

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.(۲)

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔''

۳۔ اور پھر فیصلہ کر دیا:

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ط اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ○ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ○(۳)

''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے اور (سب کے لئے) اسی کی فرمانبرداری واجب ہے۔ تو کیا تم غیر از خدا (کسی) سے ڈرتے ہو○ اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے، پھر

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۴
(۲) البقرة، ۲: ۱۰۷
(۳) النحل، ۱۶: ۵۲، ۵۳

جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کے آگے گریہ وزاری کرتے ہوo‘‘

سورۃ النحل میں استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت اور تمام مخلوقاتِ زمین اور اس کی ساری موجودات کا مالک ہونے کی حقیقت کو آشکار کر دیا۔ اس طرح یہ ثابت ہوا کہ مال جس حالت میں بھی ہے اس کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے۔

۲۔ انسان مال کا امین ہے

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ انسان کے پاس جو مال و املاک ہیں ان کا اصل مالک اللہ ہے۔ انسان محض اللہ کا نائب ہونے کے ناتے ان املاک میں تصرف کا مجاز ہے۔ لیکن اس کا تصرف اور رویہ مالکِ حقیقی کی ہدایات اور اوامر و نواہی کے تحت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی گونا گوں عنایات میں سے افراد کو مال سے نوازا۔ گویا ایک امانت سونپی اور اس کے تصرف کا اختیار دیا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ انسان کے مال پر مالکانہ حقوق مطلق نہیں بلکہ محدود اور مقید ہیں۔ جو اس کو اللہ ہی کے دیئے ہوئے مال کا امین ہونے کا شرف بخشتے ہیں۔ اللہ کا نائب اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کا امین ہونے کی حیثیت سے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مالکِ حقیقی کے احکامات بجا لائے۔ مالکانہ تصرف کے باب میں خود کو آزاد سمجھنا اور ہدایاتِ خداوندی سے اجتناب و انحراف کرنا صریح گمراہی ہے۔

۳۔ اکتسابِ مال

اسلام انسان کی جسمانی زندگی، اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں کرتا، وہ اپنے ماننے والوں کو ترکِ دنیا یعنی رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اس کی نفی کرتے ہوئے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان فرمایا:

لا رهبانية في الإسلام. (۱)

(۱) ۱۔ عسقلاني، فتح الباري، ۹: ۱۱۱، رقم: ۴۷۷۸

۲۔ شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، ۶: ۲۳۱

’’اسلام میں گوشہ نشینی نہیں۔‘‘

اسی طرح اسلام کے نزدیک انسان میں مستور ممکنہ قوتیں اورخوابیدہ صلاحتیں اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب وہ کشمکش حیات اورمعاشی جدوجہد (Economic Activities) میں بھر پور حصہ لیتا ہے۔ قرآن حکیم اور احادیثِ نبوی ﷺ میں بہترین اور منظّم انداز میں کسبِ مال، اکتسابِ دولت اور حصولِ منفعت کی دعوت و ترغیب دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo[۱]

’’اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o‘‘

۲۔ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا.[۲]

’’اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول۔‘‘

اسلام میں مال اور اکتسابِ مال کو ’’اللہ کا فضل تلاش کرنے‘‘ کے مترادف کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً:

۳۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْکُرُوا اللهَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَo[۳]

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo‘‘

---

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹

(۲) القصص، ۲۸: ۷۷

(۳) الجمعة، ۶۲: ۱۰

۴۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo(۱)

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گےo‘‘

۵۔ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۲)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۶۔ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَo(۳)

’’اور تُو اس میں کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (پانی کو) پھاڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (بحری تجارت کے راستوں سے) اس کا فضل تلاش کرسکو اور تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤo‘‘

اسی طرح احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں اکتسابِ مال کی رغبت دلائی گئی ہے، اس ضمن میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة.(۴)

---

(۱) العنكبوت، ۲۹: ۱۷

(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۳) فاطر، ۳۵: ۱۲

(۴) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۷۴، رقم: ۹۹۹۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۶۹۵

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۲۰، رقم: ۸۷۴۱

۴۔ أبونعيم، حلية الأولياء و طبقات الأصفياء، ۷: ۱۲۶ ←

''رزقِ حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔''

۲۔ إذا صليتم صلاة الفجر فلا تناموا عن طلب أرزاقكم. (۱)

''جب تم صبح کی نماز ادا کرلو تو اپنے رزق کے لیے جدوجہد کیے بغیر نیند (آرام وغیرہ) کا نام نہ لو۔''

۳۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: إن من الذنوب ذنوبًا لا تكفرها الصلاة ولا الصيام ولا الحج ولا العمرة، قالوا: فما يكفرها يارسول الله؟ قال: الهموم في طلب المعيشة. (۲)

''گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں نہ نماز معاف کراتی ہے نہ ہی روزہ، حج اور عمرہ معاف کراتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر انہیں کیا معاف کراتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کا کفارہ صرف طلبِ معیشت کی فکر اور کاوش ہی سے ہوسکتا ہے۔''

۴۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض. (۳)

...... ۵۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۴، رقم: ۱۲۱

۶۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۴۴۱، رقم: ۳۹۱۸

(۱) ۱۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۱۲، رقم: ۹۲۹۹

۲۔ شعراني، كشف الغمة من جميع الأمة، ۲: ۳

۳۔ عجلوني، كشف الخفاء ومنزيل الألباس، ۲: ۲۶، رقم: ۱۵۸۸

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الاوسط، ۱: ۱۰۳، رقم: ۱۰۲

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۹

(۳) ۱۔ أبو يعلی، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

”روزی کو زمین کے پوشیدہ سرمائے میں تلاش کرو۔“

۵۔ ما أكل أحد طعامًا قط خيرًا من أن يأكل من عمل يديه. (۱)

”کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے۔“

۶۔ عن رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال: قيل: يا رسول الله! أي الكسب أطيب؟ قال: عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور. (۲)

”رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت۔“

۷۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تكونوا عيالاً على الناس. (۳)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۶۷، رقم: ۶۳۱
۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۶۴، رقم: ۵۷۹۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۴۱، رقم: ۱۷۲۶۵
۲۔ هندي، كنز العمال، ۴: ۱۲۴، رقم: ۹۸۶۱
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۰، رقم: ۶۲۱۰

(۳) ۱۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۱، رقم: ۱۲۱۶
۲۔ أبو نعيم، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ۷: ۷۱
۳۔ كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

''دوسرے لوگوں پر اپنی پرورش کا بوجھ نہ ڈالو۔''

۸۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر رکھا تھا:

لا يقعدن أحدكم عن طلب الرزق.(۱)

''تم میں سے کوئی شخص بھی طلبِ رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے۔''

مندرجہ بالا محولات سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلام فرد کو بھرپور انداز سے معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ رہبانیت، بھیک مانگنے اور دوسروں پر بوجھ بننے (To be Parasite) کی روش کو سخت ناپسند کرتا ہے۔

۴۔ اکتسابِ مال کے مقاصد

اسلام دینِ فطرت ہونے کے ناتے انسانی زندگی سے متعلق تمام واجبات دینی و دنیاوی امور کو بھرپور طریقے سے ملحوظِ خاطر رکھتا ہے اور کسبِ معاش اور اکتسابِ مال کی اہم وجوہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانتوں میں سے جسم و جان کی حفاظت لازمی ہے، جس کے لیے خوراک، لباس اور مکان ضروری ہے، جب انسان ان جہتوں میں مطمئن ہو گا تو عبادات، جہاد، تبلیغِ دین و دیگر کارہائے خیر میں زیادہ لگن، یکسوئی، دلچسپی اور یگانگت کا مظاہرہ کر سکے گا۔ ظاہر ہے خوراک، مکان اور پوشاک کے لیے اکتسابِ مال ضروری ہے۔

۲۔ فرد پر اس کے والدین، بیوی بچوں، اقارب و دیگر افرادِ معاشرہ (مثلاً فقراء، مساکین وغیرہ) کے جو مالی فرائض ہیں انہیں پورا کرنے کے لیے مال کمانا ضروری ہے۔

---

(۱) كتاني، التراتيب الإدارية، ۲: ۲۳

۳۔ اگر وہ صاحبِ ثروت ہے اور اس کا مال نصابِ زکوٰۃ کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اسے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

۴۔ اگر وہ زمیندار یا مزارع ہے تو زمینی پیداوار پر عشر کی ادائیگی اس پر فرض ہوگی۔

۵۔ ماہِ صیام کے بعد صدقہ عید الفطر ادا کیا جائے گا۔

۶۔ بعض گناہوں، خطاؤں اور غلطیوں کا مالی کفارہ ادا کرنے کے لئے کسبِ مال ضروری ہے۔

۷۔ خود یا والدین کو حج کرانا اکتسابِ مال کے بغیر ممکن نہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (۱)

''اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔''

۸۔ صاحبِ استطاعت شخص پر عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور کی قربانی دینا لازمی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (۲)

''جو شخص قربانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔''

---

(۱) آل عمران، ۳:۹۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ۲: ۱۰۴۴، رقم: ۳۱۲۳

۲۔ دارمي، السنن، ۴: ۲۷۷، رقم: ۳۵

مذکورہ بالا مدات وہ ہیں جن سے عہدہ برآں ہونے کے لیے مال و زر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے مال اور اکتسابِ مال کے لیے ٹھوس وجوہات فراہم کی ہیں تاکہ دنیاوی معاملات میں بھی بھرپور حصہ لیا جا سکے۔

۵۔ اکتسابِ مال کا طریقہ کار

اکتسابِ مال کے ضمن میں اسلام نے واضح ہدایات دی ہیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

اسلام جہاں مال کمانے کی اجازت دیتا ہے وہاں فرد کو شترِ بے مہار کی طرح کھلا نہیں چھوڑتا کہ جس طرح چاہے اور جس ذریعہ سے مال آئے اس پر کوئی روک ٹوک نہ ہو بلکہ اس نے واضح حدود متعین کی ہیں۔ جن میں بطریقِ اولیٰ حلال و حرام مال اور اکتسابِ مال کے حلال وحرام ذرائع کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰـكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○[۱]

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی بندگی بجا لاتے ہو○''

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ○[۲]

''اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے جو حلال اور پاکیزہ ہے کھاؤ، اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے○''

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۶۸

۳۔ وَ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللهُ حَلٰلاً طَیِّبًا. [(۱)]

''اور جو حلال پاکیزہ رزق اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھایا کرو۔''

۴۔ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. [(۲)]

''اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔''

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لیے حلال طریقے اختیار کرے۔ اسے ہر وہ طریقۂ اکتسابِ مال اپنانا چاہیے جو ارشاداتِ خداوندی اور ہدایاتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہے، حلال کسبِ مال کی طرف لے جاتا ہے اور اپنے اندر درج ذیل اثرات لیے ہوئے ہے:

(۱) اَکلِ حلال سے فرد متقی رحمدل، سخی عامل اور پاکدامن ہو جاتا ہے۔

(۲) اسے سکونِ قلب نصیب ہوتا ہے۔

(۳) عبادات میں خشوع وخضوع، یکسوئی، دلچسپی و لذت اور مزید نیک اعمال کرنے کی رغبت نصیب ہوتی ہے۔

(۴) کم کمائی میں بھی زیادہ برکت ملتی ہے۔

(۵) اکتسابِ مال کے عمل میں کسی کی حق تلفی روا نہ رکھنے سے معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

(۶) شعبہ تجارت بڑھوتری اور ترقی کی بنا پر معاشی خوشحالی کا موجب بنتا ہے۔

(۷) اجتماعی طور پر ملک میں معاشی اور معاشرتی ترقی ہوتی ہے۔

---

(۱) المائدۃ، ۵: ۸۸

(۲) الاعراف، ۷: ۱۵۷

اس کے برعکس ہر وہ طریقۂ اکتسابِ مال جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ضابطوں، اصولوں اور طریقوں کے خلاف ہے حرام مال کمانے کی طرف راغب کرتا ہے۔

اکتسابِ مال کے حرام ذرائع کی تفصیل گزشتہ باب میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کا لبِ لباب یہ ہے:

جو شے ناحق طریقے سے لی جائے اور صحیح طریقہ کار کی بجائے ربوٰ، رشوت، جوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی جائے وہ حرام ہے اس لیے کہ وہ ’’طیّب‘‘ نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر ہی موجود ہو جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بو آنا اور امراضِ جسمانی کا سبب بننا۔

جس طرح حلال مال اپنے اندر خیر و برکت اور انسانی زندگی پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے اسی طرح حرام مال اپنے اندر منفی، مضر اور تباہ کن اثرات لیے ہوئے ہے۔ مثلاً:

(۱) حرام کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی زیادہ مال بھی چٹکیوں میں اڑ جاتا ہے۔

(۲) حرام کمانے، حرام کھانے اور کھلانے سے ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے اور دلی سکون ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) حرام مال سے بنے ہوئے جسم والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۴) اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔

(۵) معاشی بدحالی کا دور دورہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

(۶) اجتماعی طور پر پورا معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۷) اس معاشرہ پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

۶۔ صرفِ مال

اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے ضمن میں بھی اسلام بڑے واضح انداز میں مکمل راہنمائی کرتا ہے۔ اگر ایک جانب جائز و حلال ذرائع سے مال کمانے کی اجازت دیتا ہے۔ تو دوسری جانب صاحبِ مال کو اس طرح کی آزادی نہیں دیتا کہ وہ جس طرح چاہے اپنی مرضی سے مال کو خرچ کرے اس لئے کہ مال انسان کے پاس اللہ کی دی ہوئی امانت ہے اور اس کے تصرف میں احکامِ خداوندی کی پاسداری اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایاتِ عالیہ کی پابندی کرنا لازمی ہے۔

صرفِ مال کے دو بڑے شعبے ہیں:

پہلا شعبہ

اس شعبہ کا تعلق فرد کی اپنی ذات، اہل و عیال اور ان لوگوں پر خرچ کرنے سے ہے جن کی کفالت کا ذمہ اس نے لیا ہوا ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں اہل و عیال اور زیرِ کفالت لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم ہے۔ ان کو خوراک، لباس، مکان، صحت، تعلیم وغیرہ مہیا کرنا صاحبِ خانہ کی ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ.(۱)

’’اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو۔‘‘

۲۔ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ط وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○[1]

’’پس تم اللہ سے ڈرتے رہو جس قدر تم سے ہوسکے اور (اُس کے احکام) سنو اور اطاعت کرو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا، اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچالیا جائے سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں○‘‘

اسی طرح فرد کو تاکید کی گئی ہے کہ جو نعمتِ مال اسے کمائی کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہے اس کا اس کی ذات پر واضح طور پر مثبت اثر نظر آنا چاہیے یہ نہ ہو کہ مال تو وہ خوب کماتا ہو لیکن خود لاغر، بیمار اور افسردہ نظر آئے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

فإن لجسدك عليك حقًا، وإن لعينك عليك حقًا، وإن لزوجك عليك حقًا.[2]

’’تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔‘‘

۲۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) التغابن، ۶۴: ۱۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب حق الجسم في الصوم، ۲: ۶۹۷، رقم: ۱۸۷۴

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب النكاح، باب لزوجك عليك حق، ۵: ۱۹۹۵، رقم: ۴۹۰۳

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۱۲۸، رقم: ۲۶۹۹

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۲۷۵، رقم: ۸۱۲۸

۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۳۰۲، رقم: ۷۶۱۲

فإذا أتاک الله مالًا فلیر أثر نعمة الله علیک و کرامته.(۱)

''جس اللہ کریم نے تمہیں مال کی نعمت سے نوازا ہے تو اس کی نعمت اور کرامت کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے۔''

۳۔ اہل و عیال پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أنفق المسلم نفقة علی أهله، و هو یحتسبها، کانت له صدقة.(۲)

''جب کوئی مسلمان اپنے اہل و عیال پر ثواب اور ذمہ داری سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو وہ اللہ کریم کے ہاں اس کا صدقہ لکھا جاتا ہے۔''

۴۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

ابدأ بمن تعول.(۳)

''خرچ کرنے میں ان سے پہل کرو جن کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے۔''

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب اللباس، باب في غسل الثیاب والخلقان، ۴: ۵۱، رقم: ۴۰۶۳
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۹: ۲۸۰، رقم: ۶۱۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵: ۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۶
۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۷۰، رقم: ۲۶۶۴
۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۱۷۸، رقم: ۷۵۴۵

(۳) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب النفقات، باب وجوب النفقة علی الآهل والعیال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۵۲، رقم: ۶۴۰۲
۳۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۳: ۲۰۳، رقم: ۳۱۲۹

دوسرا شعبہ

دوسرے شعبہ کا تعلق فرد کی دیگر مالی ذمہ داریوں سے ہے۔

قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ میں صراحت کے ساتھ ان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان ذمہ داریوں میں زکوٰۃ، حج یا عمرہ کی ادائیگی، مستحق رشتہ داروں کی اعانت، معاشرہ کے غرباء، مساکین، محتاج، نادار اور ضرورت مندوں کی مالی مدد، ہمسایوں، مسافروں، مستحق طلباء، دینی اداروں کی امداد، صدقاتِ نافلہ، قرضِ حسنہ، عاریت، ہبہ، وراثت میں شرعی حصہ دینا، رفاہ عامہ کے کام اور حسبِ استطاعت اسلامی ریاست کی مالی امداد میں حصہ لینا شامل ہیں۔

مثلاً معاشرہ میں اوّلین حق پڑوسی کا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مند ہمسایہ کی کفالت میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر ایک صاحبِ استطاعت مسلمان خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے تو وہ صحیح معنی میں مسلمان ہی نہیں۔

۱۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

لیس المؤمن الذي یشبع وجاره جائع إلی جنبه.(۱)

''وہ شخص ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔''

۲۔ ایک اور موقع پر ہمسایہ کی کفالت اور اس سے حسنِ سلوک کو ایک تاکیدی انداز میں یوں واضح فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۵۲، رقم: ۱۱۲
۲۔ بیهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۳، رقم: ۱۹۶۶۸
۳۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۷، رقم: ۱۳۵۵۵

مازال جبريل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه.(۱)

’’جبریل امین مجھے برابر ہمسایہ کے بارے میں تلقین کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ گمان کرنا شروع کر دیا کہ وہ اسے وراثت میں حصہ دار ٹھہرا دیں گے۔‘‘

۳۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره.(۲)

’’جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے ہمسائے کا اکرام کرے۔‘‘

۴۔ معاشرہ کی بھلائی اور ترقی ایک صحت مند قوم کے لیے ضروری ہے۔ مشاہدہ میں آیا ہے کہ کسی بھی معاشرے کے تمام افراد امیر نہیں ہوتے بلکہ اس میں غرباء، مساکین، بے روزگار، بیوہ، محتاج و نادار وغیرہ کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ ایسے افراد کی مالی اعانت کے ضمن میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الوصائة بالجار، ۵: ۲۲۳۹، رقم: ۵۶۶۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، ۴: ۲۰۲۵، رقم: ۲۶۲۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في حق الجوار، ۴: ۳۳۲، رقم: ۱۹۴۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ۵: ۲۲۴۰، رقم: ۵۶۷۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار، ۱: ۶۸، رقم: ۴۷

الّیل الصائم النھار.(۱)

’’بیوہ اور مسکین کی مدد کرنے والا ثواب میں اس مجاہد کی طرح ہے جو رات بھر کھڑا ہو کر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔‘‘

صرفِ مال کے اس شعبہ میں اجتماعی معیشت کا بیان بھی آ جاتا ہے۔ احکامِ خداوندی میں ارشاد ہے:

۱۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ.(۲)

’’اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔‘‘

۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ.(۳)

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو)۔‘‘

۳۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌo(۴)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل، ۵:۲۰۴۷، رقم: ۵۰۳۸

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب الحث علی المکاسب، ۲:۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰

(۲) البقرة، ۲:۱۷۷

(۳) بني اسرائيل، ۱۷:۲۶

(۴) البقرة، ۲:۲۱۵

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے o‘‘

بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ شریعتِ محمدی ﷺ میں مال کے خرچ کرنے کا حکم ہے، صرفِ مال کی راہیں بھی متعین ہیں اور ان راہوں کے تحت خرچ کرنے والوں کے لیے اجر و ثواب کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۴۔ **وَمَا جَعَلَهُ اللهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ج وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ ط اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌo**(۱)

’’اور اس (مدد کی صورت) کو اللہ نے محض بشارت بنایا (تھا) اور (یہ) اس لئے کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور (حقیقت میں تو) اللہ کی بارگاہ سے مدد کے سوا کوئی (اور) مدد نہیں، بیشک اللہ (ہی) غالب حکمت والا ہے o‘‘

۵۔ **مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَ اللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَ اللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌo**(۲)

’’جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے o‘‘

---

(۱) الانفال، ۸: ۱۰

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۱

۷۔ بخل اور اِسراف و تبذیر سے اِجتناب

فرد کے لیے صرفِ مال کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ اتنا خرچ کرے جتنا مناسب اور ضروری ہو۔ اس سلسلہ میں بخل اور کنجوسی سے کام نہ لے اور نہ ہی اسراف و تبذیر کو اپنا شعار بنائے۔ مباحات (جائز ضروریات و امور) میں مقدار سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف ہے۔

۱۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ○ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ○ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ○ وَ مَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰی ○[1]

''اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا ○ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا ○ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے) ○ اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا ○''

اسلام ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ مال کو عیش و عشرت کے کاموں میں صرف کر دیا جائے۔ خورد و نوش، رہائش، لباس، شادی بیاہ، سالگرہ و دیگر تقریبات کے مواقع پر بے بہا صِرف دکھاوے یا نام نہاد عزت حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کرنا اسراف کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس امر کی ممانعت کے باب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ○[2]

''اے اولادِ آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنا لباسِ زینت (پہن) لیا کرو اور کھاؤ

---

(۱) اللیل، ۹۲: ۸۔ ۱۱

(۲) الاعراف، ۷: ۳۱

اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتاo‘‘

۱۔ بخل کی ممانعت کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خصلتان لا تجتمعان في مؤمن: البخل وسوء الخلق. (۱)

’’دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں: بخل اور بد خلقی۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

کلوا واشربوا وتصدقوا والبسوا ما لم یخالطه اسراف أو مخیلة. (۲)

’’کھاؤ اور پیو اور دوسروں پر صدقہ کرو، کپڑے بنا کر پہنو بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر واستکبار نہ ہو۔‘‘

لغوی اعتبار سے تبذیر کھیتوں میں بیج کا چھینٹا لگانا، پانی کو اتنا گندا کر دینا کہ اس کا رنگ تبدیل ہو جائے وغیرہ کے معانی میں مستعمل ہے۔ شرعی لحاظ سے تبذیر سے مراد اپنے مال کو حرام اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنا ہے، قرآن مجید میں تبذیر کی سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في البخیل، ۴: ۳۴۳، رقم: ۱۹۶۲

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۴۹۰، رقم: ۱۳۲۸

۳۔ قضاعي، مسند الشھاب، ۱: ۲۱۱، رقم: ۳۱۹

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب اللباس، باب البس ما شئت ما أخطأك سرف أو مخیلة، ۲: ۱۱۹۲، رقم: ۳۶۰۵

۲۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۵: ۱۷۱، رقم: ۲۴۸۷۷

۳۔ منذري، الترغیب والترھیب، ۳: ۱۰۲، رقم: ۳۲۵۱

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًاo اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًاo[1]

’’اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہےo‘‘

اسراف و تبذیر دونوں تھوڑے سے فرق کے ساتھ فضول خرچی کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اسراف جائز (مباح) کاموں میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں جبکہ تبذیر حرام کاموں میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تبذیر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

التبذير: إنفاق المال في غير حقه.[2]

’’بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔‘‘

امام مالک (م ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

التبذير: هو أخذ المال من حقه ووضعه في غير حقه وهو الاسراف وهو حرام.[3]

’’تبذیر یہ ہے کہ انسان حق کے ساتھ کمائے مگر خلافِ حق خرچ کر ڈالے اور اس کا نام اسراف ہے اور یہ حرام ہے۔‘‘

حرام و ناجائز کام میں ایک درہم یا روپیہ بھی خرچ کرنا تبذیر ہے۔ امام

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۲) آلوسي، تفسير روح المعاني، ۱۵: ۶۳

(۳) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۷

قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

من أنفق درهمًا في حرام فهو مبذّر.(۱)

''جس نے حرام و ناجائز کام میں ایک درہم بھی خرچ کیا وہ مبذر (تبذیر کرنے والا) ہے۔''

بنی نوع انسان کو بہترین معاشی تعلیمات فراہم کرتے ہوئے اسلام نے جہاں اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے لیے واضح ہدایات دی ہیں وہاں اسے غربت، پریشانی، پشیمانی اور ذہنی بدسکونی سے بچانے کے لیے اعتدال کی راہ دکھائی ہے۔ خصوصی طور پر صرفِ مال میں میانہ روی کی تعلیم دے کر فرد کے بہتر حال و مستقبل کی ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡهَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا○(۲)

''اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو (کہ کسی کو کچھ نہ دو) اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو (کہ سب کچھ ہی دے ڈالو) کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ (اور) تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے○''

۸۔ اقتصاد و اعتدال کا حکم

صرفِ مال کے ضمن میں اسلام نے فرد کو آفاقی اور حقیقی ہدایات سے نوازتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس شعبہ میں اقتصاد و اعتدال کی راہ اپنانا عین عقل و دانش اور محفوظ معیشت کی ضامن ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اقتصاد و اعتدال کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۰: ۲۴۸

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹

وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۝[۱]

''اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے۝''

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة.[۲]

''خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔''

۲۔ قال رسول الله ﷺ: من فقه الرجل رفقه في معيشته.[۳]

''اپنی معیشت میں توسط اختیار کرنا آدمی کے دانا ہونے کی علامت ہے۔''

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الهدى الصالح والسمت الصالح والاقتصاد جزء من خمسة وعشرين جزءًا من النبوة.[۴]

---

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۷

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۷

(۳) ۱۔أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۹۴، رقم: ۲۱۷۴۲

۲۔ ہيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۷۴، رقم: ۶۳۰۸

(۴) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الوقار، ۴: ۲۴۷، رقم: ۴۷۷۶

۲۔أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۶، رقم: ۲۶۹۸

''سیرت اور نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہے۔''

۴۔ ما عال من اقتصد.[1]

''وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔''

صرفِ مال میں میانہ روی بہت ہی اہم اور مثبت نتائج کی آئینہ دار ہے۔ معاشی میدان میں ہر دور کے بالغ النظر صاحبانِ علم اور خصوصی طور پر ماہرینِ معاشیات نے اس کے معتد بہ فوائد کو تسلیم کیا ہے۔ میانہ روی کے جو معاشرتی اور معاشی اثرات نمودار ہوتے ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میانہ روی اختیار کرنے والا شخص کبھی بھی معاشی پریشانی کا شکار نہیں ہوتا۔

۲۔ اسراف و تبذیر یعنی میانہ روی سے انحراف، معاشرے میں ظلم و استحصال کا راستہ کھولنے میں مدو معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی رقوم اگر ملکی ترقیاتی کاموں میں صرف کی جائیں تو یقیناً معیشت میں بہتری کا سبب بنیں گی۔ یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب میانہ روی کو اختیار کیا جائے۔

۳۔ معاشرہ میں میانہ روی کو نہ اپنانے والے لوگ رشک، حسد، کینہ، مخاصمت اور ہوس جیسی سماجی برائیوں کی آماج گاہ بن جاتے ہیں۔ یہ برائیاں اکثر دنگا فساد، قتل اور باہمی عناد کو ہوا دیتی ہیں اس طرح پورا معاشرہ تنزل کا شکار ہو جاتا ہے۔

۴۔ میانہ روی اختیار کرنے سے بچتوں (Savings) کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ یہی بچتیں جب سرمایہ کاری، پیداوار، تجارت وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں تو مجموعی طور پر ملکی معیشت مستحکم اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۱۰۸، رقم: ۱۰۱۱۸

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۵۲

۹۔ مال کی پس اندازی (Saving)

اکتسابِ مال اور صرفِ مال کے ساتھ ساتھ اسلام مال کی پس اندازی (بچت کرنے) کی بھی ممانعت نہیں کرتا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی معاشی تعلیمات سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ فرد اپنے مال کا کچھ حصہ پس انداز کرے تا کہ ورثاء کے حق کا تحفظ، اہل و عیال کی مالی پریشانی کا تدارک اور مستقبل قریب وبعید کے ضمن میں مالی تحفظ ممکن ہو۔ اس موضوع کے تحت کتبِ احادیث میں ہمیں بہت سی احادیثِ رسول اللہ ﷺ ملتی ہیں۔ ذیل میں ہم چند ایک کا حوالہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ قال كعب ابن مالك رضی الله عنه: قلت: يا رسول الله! إن من توبتي أن أنخلع من مالي صدقة إلى الله وإلى رسوله ﷺ. قال: أمسك عليك بعض مالك فهو خيرلك. قلت: فإني أمسك سهمي الذي بخيبر.(۱)

''کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے توبہ کرتے وقت یہ بھی طے کیا کہ میں اپنے (سارے) مال سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے صدقہ کے طور پر دست بردار ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے مال کا ایک حصہ اپنے پاس روک لو کیونکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا۔ میں نے کہا کہ مجھے خیبر میں جو حصہ ملا ہے اسے میں روک لیتا ہوں۔''

۲۔ عن عمر رضی الله عنه أن النبي ﷺ كان يبيع نخل بني النضير

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الوصايا، باب إذا تصدق أو أوقف بعض ماله أو بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز، ۳: ۱۰۱۳، رقم: ۲۶۰۶

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الإيمان والنذور، باب فيمن نذر أن يتصدق بماله، ۳: ۲۴۰، رقم: ۳۳۱۷

ویحبس لأهله قوت سنتهم.[1]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کے (پھل) کو فروخت کر کے اپنے گھر والوں کے لئے سال بھر کی خوراک محفوظ کر لیتے تھے۔''

۳۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: أمسكوا عليكم أموالكم ولا تفسدوها فإنه من أعمر عمرى فهي للذي أعمرها حيًا وميتاً ولعقبه.[2]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مال اپنے پاس رکھو، ان کو برباد نہ کرو۔ آگاہ کہ جس نے ''تا مدت عمر'' عطا کیا وہ چیز اس شخص کی ملکیت ہوگئی جسے وہ اس طور پر دی گئی ہے زمین میں بھی اور مرنے پر بھی اور اس شخص کے بعد وہ اس کے ورثاء کا حق ہو جائے گی۔''

۴۔ عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ قال: جاء النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يعودني وأنا بمكة وهو يكره أن يموت بالأرض التي هاجر منها. قال: يرحم الله ابن عفراء. قلت: يا رسول الله! أوصي بمالي كله؟

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب النفقات، باب حبس نفقة الرجل قوت سنة على أهله وكيف نفقات العيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۲

۲۔ بزار، المسند، ۱: ۳۷۸، رقم: ۲۵۵

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۴۶۸

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الهبات، باب العمرى، ۳: ۱۲۴۶، رقم: ۱۶۲۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۸۵، رقم: ۱۵۱۷۵

قال: لا. قلت: فالشطر؟ قال: لا، قلت: الثلث. قال: فالثلث والثلث کثیر إنک أن تدع ورثتک أغنیاء خیر من أن تدعهم عالة یتکففون الناس في أیدیهم.(۱)

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ انہیں (سعد بن وقاص) کو یہ بات ناپسند تھی کہ وہ اس جگہ وفات پائیں جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ابن عفراء پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا: میں اپنے سارے مال کے سلسلہ میں وصیت کر جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر نصف مال کی حد تک؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ایک تہائی مال کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ہاں) ایک تہائی مال کی حد تک اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تو اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑ جائے یہ بات اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔''

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات ثابت اور نکھر کر واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیغمبرانہ صلاحیتوں، انسانی زندگی کی قریب ترین حقیقتوں اور عملی طور پر معاشی تعلیمات میں ایک فرد کو مال کی پس اندازی کی اجازت مرحمت فرمائی ہے لیکن مال کی یہ پس اندازی کسی بھی صورت میں تعیش، ارتکازِ دولت یا اکتنازِ مال کی مصداق نہ بنے بلکہ فرد کی دینی، اخلاقی اور دنیاوی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی آئینہ دار ہو۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الوصایا، باب أن یترک ورثه أغنیاء خیر من أن یتکففوا الناس، ۳: ۱۰۰۶، رقم: ۲۵۹۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث، ۳: ۱۲۵۳، رقم: ۱۶۲۸

حضور نبی اکرم ﷺ کے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مال کو نیک کاموں پر خرچ کیا اور فاضل مال کو پس انداز بھی کیا۔ اس کی واضح مثال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، جنہیں اللہ نے بہت مال عطا فرمایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے مال میں سے بے شمار مواقع پر حاجت مندوں، غرباء، مساکین وغیرہ کی مدد کی۔ جہاد کے مواقع ہوں یا غیر معمولی حالات کا سامنا آپ رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر مالی امداد فرمائی اور اس حد تک گئے کہ آج کے دور میں کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا تھا جو بغیر جمع کئے ممکن نہ ہوسکتا تھا۔

ابنِ کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ھ) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان لعثمان عند خازنه يوم قتل، ثلاثون ألف ألف درهم وخمسمائة ألف درهم، ومائة ألف دينار، فانتهبت وذهبت، وترك ألف بعير بالربذة، وترك صدقات.(۱)

’’جس روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قتل ہوئے اس روز آپ رضی اللہ عنہ کے خزانچی کے پاس آپ رضی اللہ عنہ کے تیس کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ایک لاکھ دینار تھے جو لوٹ لئے گئے اور ضائع ہو گئے نیز آپ رضی اللہ عنہ نے زبدہ میں ایک ہزار اونٹ چھوڑے اور صدقات بھی چھوڑے۔‘‘

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ترك ألف بعير ومائة فرس وثلاثة آلاف شاة ترعى بالبقيع.(۲)

’’آپ نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے اور تین ہزار بقیع میں چرتی ہوئی بکریاں چھوڑیں۔‘‘

(۱) ابنِ کثیر، البدایة والنهایة، ۵: ۲۸۲

(۲) ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۵: ۲۴۸

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں روایات ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنی وفات پر بہت سا مال چھوڑا تھا۔

۱۰۔ مال ذریعہ ہے منزل نہیں

مال کو انسانی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس طرح یہ نیکی اور بھلائی کے وسائل میں سے ایک وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن اگر یہی مال اسلامی معاشی تعلیمات سے انحراف کرتے ہوئے حاصل کیا جائے تو شر بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ حاصل کیا ہوا مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ دنیا میں عزت و احترام کا حصول ہوتا ہے، اخروی نجات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور معاشی خوشحالی کے حصول کو ممکن بناتا ہے جبکہ اس کے برعکس غیر اسلامی طریقوں سے کمایا ہوا مال بدی، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، آخرت میں عذاب، دنیاوی ابتلاء، اختلاف، باہمی عناد اور جنگ و قتال کا باعث بنتا ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ’’مال ایک ذریعہ ہے‘‘ اسے انسانی زندگی کا مقصد یا منزل نہیں سمجھنا چاہیے۔

۱۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ مال کو فضلِ الٰہی کہہ کر اس کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو۔‘‘

۲۔ اسی طرح فرمانِ رب العزت ہے:

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ○[1]

''اور تُو اس میں کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (پانی کو) پھاڑتے چلے جاتے ہیں تاکہ تم (بحری تجارت کے راستوں سے) اس کا فضل تلاش کرسکو اور تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤ○''

۳۔ کچھ اور مقامات پر قرآن مجید نے مال سے مراد خیر و بھلائی، راستہ اور ذریعہ لیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ○[2]

''تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت قریب آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، تو (اپنے) والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھلے طریقے سے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر لازم ہے○''

۴۔ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ○[3]

''اے رب! میں ہر اس بھلائی کا جو تو میری طرف اتارے محتاج ہوں○''

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نعم المال الصالح للمرء الصالح.[4]

''کتنا ہی اچھا مال ہے جو کسی نیک انسان کے پاس ہو۔''

(۱) فاطر، ۳۵: ۱۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۰

(۳) القصص، ۲۸: ۲۴

(۴) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۹۷، رقم: ۱۷۷۶۳

۲۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۱۲، رقم: ۲۹۹

۱۱۔ ضیاعِ مال کی ممانعت

مال کی قدر و منزلت بتا کر اسلام نے مال کو ضائع کرنے کی ممانعت بھی کی ہے۔ اسلامی تصورِ ملکیتِ مال اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ فرد کو اپنی ملکیت کو ضائع کرنے کا اختیار نہ دیا جائے کیونکہ ملکیت تو مالکِ حقیقی اللہ رب العزت کی ہے اور وہ فرد کے پاس اس کا فضل، خیر اور امانت ہے۔ لہٰذا امین کو امانت کے ضائع کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں، انسان کو حقِ ملکیت دینے کا مدعا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو اپنے مالک (اللہ رب العزت) کے منشاء اور ہدایت کے مطابق خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنائے۔ قرآن مجید نے اضاعتِ مال کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور فساد اور فساد کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَ یُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَ اللهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ o(۱)

’’اور جب وہ (آپ سے) پھر جاتا ہے تو زمین میں (ہر ممکن) بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر دے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا o‘‘

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق مال کو ضائع کرنا ممنوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

۱۔ إن الله كره لكم ثلاثا: قيل وقال، وإضاعة المال، وكثرة السؤال.(۲)

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۰۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى لا يسألون الناس إلحافا، ۲: ۵۳۷، رقم: ۱۴۰۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل الحاجة، ۳: ۱۳۴۱، رقم: ۵۹۳

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے: قیل و قال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔''

۲۔ دوسرے مقام پر ہے:

كان ينهى عن قيل وقال، وكثرة السؤال وإضاعة المال ومنع وهات، وعقوق الأمهات ووأد البنات. (۱)

''آپ ﷺ قیل و قال کرنے، بہت زیادہ سوالات کرنے، مال کو ضائع کرنے، خود نہ دینے اور دوسروں سے مانگنے، ماں کی نافرمانی کرنے اور بچیوں کو زندہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔''

اس کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی (۶۳۱۔۶۷۷ھ) فرماتے ہیں:

إضاعة المال فهو صرفه في غير وجوهه الشرعية وتعريضه للتلف وسبب النهي إنه افساد والله لا يحب المفسدين ولأنه إذا أضاع ماله تعرض لما في أيدي الناس. (۲)

''اضاعتِ مال سے مراد مال کو غیر شرعی طور پر صرف کرنا اور تلف بے جا کے حوالے کرنا ہے۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ (معاشرہ میں) بگاڑ پیدا کرنے کے مترادف ہے اور اللہ فساد پیدا کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ جب کوئی شخص اپنا مال ضائع کر دے گا تو کسی دوسرے کے مال پر قبضہ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب ما يكره من قيل وقال، ۵: ۲۳۷۵، رقم: ۶۱۰۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل الحاجة، ۳: ۱۳۴۱، رقم: ۵۹۳

(۲) نووي، شرح صحيح مسلم، ۱۲: ۱۰

کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔''

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن مجید میں فساد کی جو ممانعت آئی ہے اس میں تلفِ مال کی ممانعت خود بخود شامل ہے کیونکہ تلفِ مال فساد پیدا کرنے کا موجب ہے۔

خلاصۂ بحث

متذکرہ بالا تمام تر بحث سے درج ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ انسان کو پاکیزہ اور حلال مال کمانے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ معاشی میدان میں اپنی تکمیلِ ضروریات میں شرمندہ نہ ہو۔

۲۔ کمائے ہوئے مال کو روز مرہ کی جائز ضروریات پر خرچ کرنا چاہیے۔

۳۔ بخل اور اسراف و تبذیر سے اجتناب معاشی اور معاشرتی کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرتا ہے۔

۴۔ مال کا کچھ حصہ بچا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

۵۔ مال کو ضائع کرنا معاشی بدحالی، معاشرتی شرمندگی، اور دیگر نفسیاتی پریشانیوں کا باعث ہوتا ہے۔

۶۔ مال زندگی کی آسائشیں اور ضرورتیں پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اسے زندگی کا نصب العین یا منزل قرار دیا جائے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہیے۔

باب چہارُم

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

(البقرۃ، ۲: ۲۸۴)

اِسلام کا تصوّرِ ملکیت

معاشی مسئلہ

انسانی تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں جہاں سیاسی، سماجی اور عمرانی عوامل کارفرما رہے ہیں جو مختلف ادوار اور مختلف مراحل میں اجتماعی اور انفرادی سطح پر معاشرے پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں وہاں معاشی عنصر بھی اپنے جلو میں ایک دنیا لئے تاریخ انسانی کے نئے ابواب رقم کرتا رہا ہے اور اکثر و بیشتر تاریخی ہی نہیں جغرافیائی تبدیلیوں کا بھی باعث بنتا رہا ہے۔ اس لئے کہ معاشی مسئلہ غار اور پتھر کے زمانے میں انسانی معاشرے کی داغ بیل پڑنے سے بھی پہلے موجود تھا اور آج بھی بے پناہ مادی ترقی اور سائنسی فتوحات کے پس منظر میں یہ مسئلہ قوموں کے عروج و زوال میں بنیادی مسئلے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ماہرین عمرانیات اور علمائے سیاسیات کے نزدیک اقتصادی بالا دستی ہی سیاسی بالا دستی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ بین الاقوامی روابط اور سفارتی تعلقات کے حوالے سے ہونے والی تبدیلیوں میں یہ سیاسی بالا دستی اہم کردار ادا کرتی ہے حتیٰ کہ فرد کی نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی پیچیدگیوں کو حل کرتے وقت بھی اقتصادی پہلو کو سرفہرست رکھا جاتا ہے۔

وسائلِ قدرت پر چند ہاتھوں کی اجارہ داری سے طبقاتی کشمکش کو ہوا ملی اور انسان کے عمرانی نظریات میں بغاوت کا عنصر نشوونما پا کر لاوے کی صورت پھیل کر منفی اور مثبت ہر قسم کی تبدیلیوں کا باعث بنتا رہا ہے۔ نوآبادیاتی نظام نے محکوم اور مغلوب قوموں کے گرد سیاسی غلامی کے ساتھ اقتصادی غلامی کا جال بھی بنا۔ چنانچہ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اکثر خطوں میں سیاسی غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے کے باوجود اقتصادی غلامی کی زنجیریں جوں کی توں موجود ہیں بلکہ ان کا حلقہ مزید تنگ ہو رہا ہے۔ اقتصادی غلامی کی ان زنجیروں کو تیسری دنیا کے غریب ممالک کا مقدر بنا دیا گیا ہے۔ اقتصادی خوشحالی کے نام پر کمیونزم

نے معاشروں کی از سر نو تشکیل کی اور انسان کو حیوان کے درجے پر لاکھڑا کیا لیکن وسائل قدرت پر مکمل ریاستی کنٹرول کے باوجود یہ مصنوعی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہوتا چلا گیا اور انجام کار آہنی پردہ ریت کی دیوار ثابت ہوا۔

اسلام کی آفاقی تعلیمات میں معاشی مسئلہ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اسلامی معاشرے میں معیشت کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے۔ اسلام استحصال کی ہر شکل کا مخالف ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ فرد کا استحصال زیادہ تر اس کی معاشی ضروریات کی آڑ ہی میں ہوتا رہا ہے۔ سود کی لعنت نے فرد کے معاشی استحصال کو جنم دیا اور اس کی سوچ سے لے کر اس کی نسلوں کے مستقبل تک کو گروی رکھ دیا گیا۔ اعتدال اور توازن اسلامی معاشرے کا حسن ہے اور یہ حسن اسلام کے تصورِ معیشت میں بھی اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ اسلام کا تصورِ معیشت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ اسلام میں ہر سطح پر جوابدہی کے احساس کو زندہ و تابندہ رکھا گیا ہے اور امانت کے تصور کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے، انسان کو ان اشیا پر محض حقِ تصرف حاصل ہے اور وہ بھی محدود مدت کے لئے۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں استحصال کی ہر شکل کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کئے گئے ہیں اور ایک فلاحی ریاست کے تمام بنیادی لوازمات کا اہتمام کیا گیا ہے۔

معاش کا مسئلہ ازل سے انسان کی قطعی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے جس کی تکمیل اسلام کے جامع نظام میں ایک فریضۂ شرعی کا حکم رکھتی ہے۔ بنابریں اسے انفرادی، اجتماعی اور قومی سطح پر کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ نہ صرف انسانی زندگی کی بقا اور استحکام کا ضامن مسئلہ معاش ہے بلکہ انسانی اخلاق کے باب میں نیکی اور بدی اور اجتماعی معاشرتی ماحول کے باب میں دوستی اور دشمنی، سب کچھ بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی سے متعلق ہے۔

الغرض انسانی معاشرہ اپنی تمام تر جہتوں اور سمتوں خواہ مذہبی و اخلاقی ہوں یا سیاسی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی ہوں یا تعلیمی و قانونی، کسی نہ کسی طور مسئلہ معاش سے ہی عبارت ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی ہمہ گیر اہمیت اور ناگزیریت کا انکار عقلاً ممکن ہے نہ شرعاً۔

معاشی مسئلہ کی سہ جہتی اہمیت

اسلامی نقطۂ نظر سے معاشی مسئلہ سہ جہتی اہمیت (Thr ee-Fold Significance) کا حامل ہے:

۱۔ وجوبی و بقائی اہمیت (Survivancial & Existential Significance)

۲۔ مذہبی و اخلاقی اہمیت (Religious & Moral Significance)

۳۔ سماجی و ماحولیاتی اہمیت (Social & Enviornmental Significance)

الغرض انسانی زندگی کی کوئی بھی جہت معاشی مسئلے سے لاتعلق اور بیگانہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی نظامِ حیات اس مسئلے کو حل کئے بغیر نہ تو مقبول ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی معاشرے میں متداول ہوسکتا ہے۔ بنا بریں قرآن وسنت میں جس قدر بھرپور توجہ اس مسئلے کے حل کی طرف مرتکز کی گئی ہے شائد ہی کوئی اور موضوع اتنی مرکزیت اور اہمیت حاصل کر سکا ہو مگر جب سے اشتراکی فلسفہ (Socialistic Philosophy) کے علمبرداروں نے معاشی مسئلہ کی اہمیت کو پورے شد و مد کے ساتھ ابھارا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے انقلاب کی بنیاد ابتدا تا انتہاء اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے تب سے شاید ردِعمل کے طور پر مسلم علماء و زعماء نے بالعموم اپنی علمی، فکری، عملی اور نظریاتی توجہ کا ارتکاز اس سمت سے ہٹا لیا یا کم کر لیا ہے جس کے نتیجے میں عصرِ رواں کی معاشی اور اقتصادی الجھنیں اور ناہمواریاں ہماری نسلِ نو کو پریشاں فکری میں مبتلا کر رہی ہیں۔ سوشلزم، کمیونزم اور دیگر مغربی باطل فلسفوں کے دلفریب نعرے اس نسل کو اپنی طرف ملتفت اور دینِ اسلام کی اعلیٰ

وارفع تعلیمات سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ مگر عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر مذہبی ذہن ملت کی اس اہم ترین علمی، فکری اور عملی ضرورت کی طرف کاملاً متوجہ نہیں ہو رہا بلکہ نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ معاشی مسئلے پر زور دینے والا شخص مذہبی اجارہ داروں کی نظر میں اشتراکی فکر کا حامل یا دنیا دار گردانا جاتا ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والا دینِ اسلام کا داعی متصور ہوتا ہے۔

ہمیں یہ بات قطعی طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر معیشت اور اقتصاد کے مسئلے کو معاشرتی تناظر میں سمجھے اور اسے صحیح طور پر حل کئے بغیر معاشرے کی دینی، اخلاقی، ایمانی اور روحانی قدروں کو پامال ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اسلامی انقلاب کا خواب ٹھوس معاشی انقلاب کے بغیر شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے اسلام وقت کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس انتہائی ناگزیر ضرورت کی تکمیل کے لئے اپنی علمی اور عملی صلاحیتیں وقف کر دیں تاکہ موجودہ نسل کے فکری اضطراب اور اعتقادی اضمحلال کا تدارک کیا جا سکے اور معاشرے میں اسلامی انقلاب کے لئے صحیح سمت اور مبنی بر حقیقت ترجیحات کا تعین کیا جا سکے۔

تصورِ ملکیت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کا ہر نظامِ معیشت دراصل ''تصورِ ملکیت (Concept of Ownership) '' ہی پر قائم ہے۔ تصورِ ملکیت سے اس کے اساسی اصول اور تفصیلات و جزئیات متعین ہوتی ہیں اور اسی سے اس کے نفاذ کی اثر انگیزی اور نتیجہ خیزی متحقق ہوتی ہے۔ لہٰذا تصورِ ملکیت کسی بھی نظامِ معیشت کی تشکیل میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت اقوامِ عالم میں بالعموم سرمایہ دارانہ اور اشتراکی، دو نظام ہائے معیشت رائج اور مقبول ہیں، جنہیں "Capitalistic System of Economy and Socialistic System of Economy" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر ان

دونوں نظاموں میں کارفرما ''تصورِ ملکیت'' کی اصل ہیئت اور فلسفے پر غور کیا جائے تو وہ ایک ہی ہے۔ فرق صرف حدود کے تعین کا ہے۔ پہلے میں ملکیت کی انفرادی حدود میں وسعت کی ضمانت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جبکہ دوسرے میں اجتماعی حدود کی۔ جہاں تک ملکیت کے معنی و مفہوم، اس سے جنم لینے والے حقوق و واجبات اور اس کے قانونی اثرات و لوازمات کا تعلق ہے، وہ یکساں ہیں۔ ان پہلوؤں پر عمیق غور و خوض کے بعد انسان بلا شک وشبہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ ''تصورِ ملکیت'' اپنے مزاج اور خصائص کے اعتبار سے خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ رجحانات کا حامل ہے۔

اس تصورِ ملکیت سے جو بھی نظامِ معیشت تشکیل پائے گا اس کی خاصیت مطالبہ حقوق (Demand of Rights) ہو گی، جس کا لازمی نتیجہ انفرادی اور اجتماعی حقوق کے درمیان تصادم ہے۔ اس سے طبقاتی بغاوت اور منافرت میں بھی اضافہ ہوگا اور ملکی پیداوار بھی بہرصورت متاثر ہوگی۔ حقوق اور مفادات کے اس تصادم کو آج تک دونوں نظام ہائے معیشت میں سے کوئی بھی صحیح طور پر رفع نہیں کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود غرضانہ ''تصورِ ملکیت'' کے تحت فروغ پانے والے کسی بھی نظامِ معیشت میں اس رجحان کو ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اصل خرابی اسی تصور سے نمو پا رہی ہے جو پورے نظام کی بنیاد ہے۔ لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے اصلاح کی کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت نظامِ معیشت دہندہ بنی نوع انسان کو اقتصاد و معیشت کے وہ عظیم انقلابی تصورات اور عملی اصول و ضوابط عطا فرمائے جس سے بہتر کوئی تصور، فکر یا فلسفہ معرض وجود میں نہیں آ سکتا۔ جس طرح آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات حتمی و ختمی مرتبت ہے اسی طرح آپ ﷺ کے عطا کردہ نظامِ فکر و عمل کا ہر پہلو بھی نقطہ تمامیت اور رتبہ خاتمیت کا حامل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تعلیمات کو قرآن و سنت کے روپ میں جس نقطہ کمال تک پہنچا دیا ہے، انسانی فکر و دانش ارتقاء کی تمام منزلوں کو عبور کر کے بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اقبال اس منزلِ آخریں کی نشاندہی ان

الفاظ میں کرتا ہے:

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمة للعالمینی انتہا ست[۱]

ان اعلیٰ تصورات میں سے ایک بنیادی تصور، تصورِ ملکیت (Concept of Ownership) ہے۔ اس کا معنی و مفہوم ایک ایسے نئے انقلابی اسلوب میں متعین کیا گیا کہ جس سے نظامِ معیشت کے مجموعی مزاج اور خصائص میں بڑی بنیادی اور ٹھوس تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس تصورِ ملکیت نے اسلام کے نظامِ معیشت کو ان تمام خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ رجحانات سے پاک کر دیا، جو اقتصادی اور معاشرتی زندگی کو تباہ کن نتائج سے دوچار کر رہے تھے۔

۱۔ ملکیت کی لغوی تحقیق

''ملکیت'' عربی اور اردو زبان میں عام مستعمل ہے اس کا مادہ ''ملک'' ہے جس کے معنی بیان کرتے ہوئے علی بن محمد جرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) اپنی کتاب ''التعریفات (ص: ۲۸۴)'' میں لکھتے ہیں:

الملک: حالة تعرض للشيء بسبب ما یحیط به.[۲]

''ایسی حالت جو کسی چیز کو ایسے سبب کے ذریعے پیش آئے جو اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

فقہاء کے نزدیک:

الملک: إتصال شرعي بین الإنسان وبین شيء یکون مطلقاً

(۱) اقبال، کلیات (جاوید نامه): ۶۰۰

(۲) جرجاني، التعریفات: ۲۸۴

لتصرفه فيه وحاجزاً عن تصرف غيره فيه.(۱)

’’الملک ایک شرعی اتصال ہے جو کسی انسان اور ایسی چیز کے درمیان ہو جس میں وہ (انسان) تو تصرف کر سکے لیکن کوئی اور دوسرا اس میں تصرف نہ کر سکے۔‘‘

۲۔ مفہومِ ملکیت

کسی چیز کی ملکیت (Ownership) درحقیقت اس چیز میں کسی شخص کے درج ذیل دو حقوق پیدا ہونے سے عبارت ہوتی ہے:

۱۔ حقِ قبضہ (Right of Possession)

۲۔ حقِ تصرف (Right of Disposition)

اسی طرح جس شخص کو کسی چیز پر مذکورہ بالا حقوق حاصل ہو جائیں تو اسے چیز کا مالک (Owner) اور اس چیز کو اس کی ملکیت (Property) تصور کیا جائے گا۔ مذکورہ حقوق کے ساتھ ساتھ اس شخص کو اپنی ملک اشیاء کے استعمال، تحفظ، مزید نفع کمانے کے لئے کاروبار میں لگانے اور انتقالِ ملکیت کے حقوق بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ ملکیت کی تعریف

مذکورہ بالا بحث کے تحت ملکیت کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

’’جب کسی شخص کو کسی مال/ شے پر اپنا قبضہ قائم رکھنے اور حسبِ منشاء تصرف کرنے کا حق حاصل ہو جائے تو اس حق کو ’’ملکیت‘‘ کہتے ہیں۔‘‘

۴۔ مالک اور ملکیت میں افادیت کا پہلو

اللہ تعالیٰ نے زمین میں جس چیز کو بھی بقا عطا کی ہے اور اسے محلِ ملکیت (یعنی

(۱) جرجاني، التعريفات: ۲۸۴

ملکیت میں آنے کے قابل) بنایا ہے اس کے اندر بنی نوع انسان کے لئے یقیناً کوئی نہ کوئی نفع بخشی، سود مندی اور افادیت (Usufruct) مضمر ہوتی ہے۔

یہ تصور قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ماخوذ ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا.(۱)

''وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔''

۲۔ وَ لَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَo(۲)

''اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کیے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo''

۳۔ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ط اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِo(۳)

''بھلا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے حق ہے، اس شخص کے مانند ہوسکتا ہے جو اندھا ہے، بات یہی ہے کہ نصیحت عقلمند ہی قبول کرتے ہیںo''

۴۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓـئًا مَّرِیْٓـئًاo(۴)

(۱) البقرة، ۲: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الرعد، ۱۳: ۱۹

(۴) النساء، ۴: ۴

’’اور عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے ادا کیا کرو، پھر اگر وہ اس (مَہر) میں سے کچھ تمہارے لئے اپنی خوشی سے چھوڑ دیں تو تب اسے (اپنے لئے) سازگار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ٭‘‘

۵۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا٭[۱]

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو٭‘‘

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵ میں ’’اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا‘‘ کے الفاظ قابلِ غور ہیں ان میں اموال کی ذاتی خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ یہ انسانی زندگی کے قیام اور اس کی بقا کا باعث ہوتے ہیں یعنی ان میں اس قدر اہم منفعت مضمر ہے کہ ان پر انسانی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ بنابریں باری تعالیٰ نے مال و دولت، ذرائع معیشت اور تمام دنیوی اسباب و وسائل کو ’’متاع‘‘ قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

۶۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ٭[۲]

’’تم نیچے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ اب تمہارے لئے زمین میں ہی معیّنہ مدت تک جائے قرار ہے اور نفع اٹھانا مقدّر کر دیا گیا ہے٭‘‘

کائناتِ انسانی کے اموال میں مضمر عمومی نفع بخشی اور فیض رسانی کی وہ خوبی جس کی بناء پر اسے ’’متاع‘‘ قرار دیا گیا ہے۔ لفظ متاع کا معنی نفع اور فائدہ ہے اس لئے

(۱) النساء، ۴: ۵

(۲) البقرۃ، ۲: ۳۶

زندگی کے تمام اموال کو قرآنی اصطلاح میں ''مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا'' کہا جاتا ہے کیونکہ انسان ہر وقت ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

۷۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَاللهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝(۱)

''لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے۝''

مال کی اسی ذاتی خصوصیت کے باعث اسے خیر اور فضل سے بھی تعبیر کیا گیا ہے:

۸۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا. (۲)

''تم پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے۔''

۹۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝(۳)

''اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ہے۝''

۱۰۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝(۴)

(۱) آل عمران، ۳: ۱۴

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۰

(۳) العادیات، ۱۰۰: ۸

(۴) الجمعة، ۶۲: ۱۰

’’پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤo‘‘

۵۔ بالقوہ افادیت اور بالفعل افادیت

ہر شے کے اندر مخفی (Potential) طور پر موجود نفع بخشی اور سود مندی کی یہ خصوصیت جو اللہ تعالیٰ نے اس کی غرض تخلیق کے طور پر پیدا کی ہے جب تک بالفعل ظاہر (Actualise) نہ ہو بنی نوع انسان اس سے کوئی عملی اور حقیقی فائدہ نہیں اٹھا سکتی اس لئے ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ ہر مال (Property) کی بالقوہ افادیت (Potential Utility) کو بالفعل افادیت (Actual Utility) میں بدلنے کا اہتمام کیا جائے تاکہ اس کی یہ طبعی اور خلقی خصوصیت غیر سودمند، بے جان اور غیر متحرک بن کر نہ پڑی رہے بلکہ اس سے صحیح معنوں میں خلقِ خدا کو فائدہ پہنچے یعنی جس مقصد کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا وہ واقعتاً پورا ہو سکے۔

۶۔ علّتِ ملکیت

مذکورہ بالا مقصد ہی حقیقت میں مختلف اشیاء و اموال پر کسی کے حقِ ملکیت کے تسلیم کئے جانے کی اصل علت (Effective Cause) ہے۔ جب تک ان اشیاء و اموال پر کسی کو قبضہ وتصرف کا حق حاصل نہیں ہو جاتا اس پر کوئی محنت نہیں کی جا سکے گی اور جب تک اس پر کوئی منظّم محنت نہ ہو گی اس کی مخفی صلاحیت اجاگر نہیں ہو سکے گی۔ لہٰذا مختلف ذرائع سے کسی شے پر کسی شخص کا حقِ ملکیت اس لئے متحقق ہوتا ہے کہ اس طرح اس شے میں اس کی دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور اس دلچسپی کی بنا پر وہ اسے واقعتاً خلقِ خدا کے لئے نفع بخش اور سود مند بنانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ گویا ’’ملکیت‘‘ کسی شے کو انتفاع (فائدہ اٹھانے) کے قابل بنانے کا ذریعہ ہے، اصل مقصود ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے شریعت نے مردہ اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے والے کا حقِ ملکیت تسلیم کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

۱۔ من أحیا أرضاً میتةً فھي له.[1]

''جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔''

۲۔ من أعمر أرضاً لیست لأحد فھو أحق.[2]

''جس نے کسی زمین کو آباد کیا اور کسی کی نہ تھی تو آباد کرنے والا اس زمین کا مستحق ہوگا۔''

اسی اصول کی بنا پر قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو مال و جائیداد کے صحیح انتظام و انصرام کا شعور نہ ہو، مال و جائیداد ان کے سپرد نہ کرو خواہ وہ فی الحقیقت انہی کے ملکیتی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل مقصود ملکیت یعنی قبضہ و تصرف نہیں بلکہ ان اموال کی افادیت اور نفع بخشی کی صحیح بحالی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

۱۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○[3]

''اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحیاء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب المزارعة، باب من أحیا أرضًا مواتاً، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰

۲۔ بیھقي، السنن الکبری، ۶: ۱۴۱، رقم: ۱۱۵۵۱

(۳) النساء، ۴: ۵

معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کروo‘‘

مستزاد یہ کہ یتیم بچوں کے سرپرستوں کو بھی یہ ہدایت اسی اصول کے تحت دی گئی ہے کہ جب تک وہ بلوغ و رشد کی صحیح حد کو نہ پہنچیں ان کے ملکیتی اموال ان کے حوالے نہ کرو یعنی ان اموال پر ان کے قبضہ اور تصرف کا حق تب بحال ہو گا جب وہ ان کی اصل افادیت اور نفع بخشی کی صلاحیت کو کماحقہ اجاگر کرنے اور محفوظ رکھنے کے اہل ہو جائیں گے۔

۲۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ج فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ.(۱)

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔‘‘

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ افراد کو تفویضِ مال کی شرط مال و جائیداد کے مصالح و منافع کی حفاظت و رعایت کی اہلیت ہے تاکہ ملکیتِ مال کا اصل مقصد یعنی انتفاع کی خصوصیت متاثر نہ ہونے پائے۔

۷۔ حقِ اِنتفاع کی حقیقت (Usufructuary Right)

اشیاء و اموال سے نفع اٹھانے اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا حق (Usufructuary Right) اصلاً تمام بنی نوع انسان میں یکساں طور پر ودیعت کیا گیا ہے لیکن ترتیب میں مالک کا حق قابض و متصرف ہونے کے باعث دوسروں پر مقدم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی قرآن مجید نے مال و جائیداد کے مالکوں کو ان کے

(۱) النساء، ۴: ۶

اپنے ملکیتی اموال میں سے دوسروں یعنی غیر مالکوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم دیا ہے تو مستحقین کے انتفاع کو بطورِ حق (Lawful Right) بیان کیا گیا ہے خواہ وہ اقرباء ہوں یا یتامیٰ و مساکین، سائلین ہوں یا محرومین۔ قرآن مجید مالداروں کے مال میں محرومین اور مستحقین کا حق تسلیم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انہیں ان کا حق ادا کرو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۱]

''اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا ○''

۲۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ○[۲]

''اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے ○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا ○''

۳۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○[۳]

''پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○''

۴۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○[۴]

''اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور

---

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) الروم، ۳۰: ۳۸

(۴) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

(اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤo‘‘

مستزاد یہ ہے کہ لینے والے کا حق اتنا ہی ضروری اور پاکیزہ ہے جتنا کہ دینے والے کا اپنا حق یعنی مستحق افراد کا حق مالک کے حق سے کسی لحاظ سے کمتر یا گھٹیا نہیں ہے۔

۵۔ ارشاد فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ. (۱)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو۔‘‘

یہاں دیگر مستحقین کا حقِ انتفاع اصلاً مالک کے حقِ انتفاع کے برابر قرار دیا گیا ہے اور کسی کے حق کو دوسرے کے حق پر ماھیۃً ترجیح نہیں دی گئی۔ ہاں ترتیب میں ترجیح ضرور موجود ہے۔

۶۔ حقِ انتفاع کے برابر ہونے کا ذکر ایک اور مقام پر یوں کیا گیا ہے:

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَo (۲)

’’اور اُس کے اندر (سے) بھاری پہاڑ (نکال کر) اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

(۲) حٰم السجدۃ، ۴۱: ۱۰

رکھی، اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہےo‘‘

امام زمخشری (م ۵۲۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قدر فيها الأقوات لأجل الطالبين لها المحتاجين إليها من المقتاتين.[1]

’’اللہ تعالیٰ نے اس (زمین) میں ضرورت مندوں، محتاجوں اور محنت کشوں کے لئے رزق مقدر کر دیا ہے۔‘‘

سائلین کا یہی مفہوم تفسیر بحر المحیط، روح المعانی اور الجواھر میں بھی بیان ہوا ہے، الزجاج نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

۸۔ حقِ تملّک کی حقیقت (Proprietary Right)

انسان فطری طور پر اپنی ضروریات کو پورا کرنا چاہتا ہے خصوصی طور پر زندگی کے بنیادی لوازمات خوراک، تن پوشی، رہائش و دیگر دنیاوی احتیاجات سے نمٹنے کے لئے اسے روپے پیسے کی ضرورت پڑتی ہے جس کے لئے وہ اکتسابِ مال کے لئے سعی و کوشش کرتا ہے۔ مال کمانا، اسے صرف کرنا اور جمع رکھنے کی خواہش بھی کرتا ہے۔ دینِ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں میں اپنی تعلیمات کی (حدود و قیود) کے ساتھ آزادی دی ہے۔ اس طرح فرد کی انفرادی اور اجتماعی ملکیت کے امور کو تسلیم کیا ہے۔

(۱) زمخشري، الكشاف، ۴: ۱۸۷

(۱) حقِ تملّک قرآن حکیم کی روشنی میں

قرآنِ حکیم میں بیان کردہ حقِ ملکیت کی وضاحت درج ذیل آیات سے کی جاسکتی ہے:

۱۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○ (۱)

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس میں سے کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کیا کرو○‘‘

۲۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ. (۲)

’’تم اپنے رب کے رزق سے کھایا کرو اور اس کا شکر بجالایا کرو۔‘‘

۳۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (۳)

’’تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت) آشنا ہو○‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○ (۴)

(۱) النساء، ۴: ۵

(۲) سبا، ۳۴: ۱۵

(۳) التوبۃ، ۹: ۴۱

(۴) النور، ۲۴: ۲۷

’’اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو (داخل ہوتے ہی) سلام کہا کرو یہ تمہارے لئے بہتر (نصیحت) ہے تاکہ تم (اس کی حکمتوں میں) غور وفکر کروo‘‘

۵۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَo(۱)

’’پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ پر خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال (جائز) ہیں، نہ تم خود ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائےo‘‘

۶۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَo(۲)

’’اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیںo‘‘

۷۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo(۳)

’’اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo‘‘

۸۔ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۹

(۲) البقرة، ۲: ۱۵۵

(۳) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

اَنْ یَّکْبَرُوْا ط وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ج وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ط وَکَفٰی بِاللهِ حَسِیْبًا○ (۱)

’’اور یتیموں کی (تربیۃً) جانچ اور آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں ہوشیاری (اور حُسنِ تدبیر) دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو، اور ان کے مال فضول خرچی اور جلد بازی میں (اس اندیشے سے) نہ کھا ڈالو کہ وہ بڑے ہو (کر واپس لے) جائیں گے، اور جو کوئی خوشحال ہو وہ (مالِ یتیم سے) بالکل بچا رہے اور جو (خود) نادار ہو اسے (صرف) مناسب حد تک کھانا چاہئے، اور جب تم ان کے مال ان کے سپرد کرنے لگو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو، اور حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے○‘‘

۹۔ وَ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللهِ الَّذِیْ اٰتٰـکُمْ. (۲)

’’اور تم (خود بھی) انہیں اللہ کے مال میں سے (آزاد ہونے کے لئے) دے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔‘‘

۱۰۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِکُوْنَ○ (۳)

’’کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے دستِ قدرت سے بنائی ہوئی (مخلوق) میں سے اُن کے لئے چوپائے پیدا کیے تو وہ ان کے مالک ہیں○‘‘

۱۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ. (۴)

(۱) النساء، ۴: ۶

(۲) النور، ۲۴: ۳۳

(۳) یٰس، ۳۶: ۷۱

(۴) النساء، ۴: ۲۹

”اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔“

۱۲۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ. (۱)

”(اے مسلمانو!) تمہیں ضرور بالضرور تمہارے اموال اور تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا۔“

(۲) حقِ تملّک احادیث کی روشنی میں

قرآنی آیات کی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی حقِ ملکیت کا جو تصور ملتا ہے۔ وہ درج ذیل ارشاداتِ نبوی ﷺ سے واضح ہو جاتا ہے:

۱۔ من أحيا أرضاً ميتةً فهي له. (۲)

”جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہو گی۔“

۲۔ من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق. (۳)

”جس نے کسی زمین کو آباد اور کسی کی نہ تھی تو آباد کرنے والا اس زمین کا مستحق ہو گا۔“

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۸۶

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۳۸، رقم: ۱۴۶۷۷

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتًا، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۱، رقم: ۱۱۵۵۱

۳۔ من سبق إلی ماء لم یسبقه إلیه مسلم فهو له. (۱)

’’جو شخص ایسے چشمہ کی طرف سبقت کرے جس کی طرف کسی نے سبقت نہیں کی تو وہ اس کی ملکیت تصور ہو گا۔‘‘

(۳) حقِ تملّک: فقہ اِسلامی میں

تمام مذاہبِ فقہ میں فرد کے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے اس ضمن میں باقاعدہ قوانین بنائے گئے ہیں مثلاً:

☆ قانونِ زکوٰۃ وعشر وصدقات

☆ قانونِ وراثت

☆ قانونِ نفقات/کفالت

☆ قانونِ وصیت

☆ قانونِ اجرت وغیرہ

مذکورہ بالا قواعد وقوانین کی تفصیل بمعہ امثلہ وعملی تنفیذ باب ’’اسلامی معاشی نظام کی تنفیذ‘‘ میں بیان کی گئی ہے۔

۹۔ اِنفرادی حقِ ملکیت

اسلام نے انفرادی ملکیت کا جو حق انسان کو دیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضین، ۳: ۱۷۷، رقم: ۳۰۷۱

۲۔ بیهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۱۳۹

أن الله تعالی لما خلق الخلق وجعل معایشهم في الأرض وأباح لهم الانتقاع بما فیها وقعت بینهم المشاحة والمشاجرة فکان حکم الله عند ذلک تحریم أن یزاحم الإنسان صاحبه فیما اختص به لسبق یده إلیه أو ید مورثه أو لوجه من الوجوه المعتبرة عندهم إلا بمبادلة أو تراض معتمد علی علم من غیر تدلیس ورکوب غرر، وأیضاً لما کان الناس مدنیین بالطبع لاتستقیم معایشهم إلا بتعاون بینهم نزل القضاء بإیجاب التعاون وأن لا یخلو أحد منهم مماله دخل في التمدن إلا عند حاجة لا یجد منها بداً.(۱)

’’اللہ تعالیٰ نے جب زمین پر اپنی مخلوق پیدا کی تو ان کی معاش اور روزی بھی اسی (زمین پر) مقدر فرمائی اور زمین کی پیداوار سے ان کے لئے انتفاع مباح کیا اور چونکہ حرص کی وجہ سے ان کے درمیان نزاع پیدا ہوا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ کوئی شخص دوسرے کی مخصوص و مختص چیز میں کسی قسم کی مزاحمت و مداخلت نہ کرے اور یہ اس کی مخصوص چیز اس طرح ہو گی کہ اس چیز پر سب سے پہلے اس کا قبضہ ہوا ہے یا اس کے کسی مورث کا قبضہ تھا یا کسی ایسے طریقے سے اس چیز پر اس کا جو ان لوگوں میں مجموعی طور پر قبضہ اور ملکیت کے لئے معتبر مانا جاتا ہے اس قسم کے قبضہ اور ملکیت میں سوائے تبادلہ اور سوچ سمجھ کر بلا کسی فریب اور دھوکہ اور قابل اعتماد باہمی رضامندی کے کسی قسم کی مزاحمت کرنا حرام اور ناجائز ہے۔‘‘

۱۰۔ حقِ ملکیت کی صحت و مشروعیت کی شرائط

اشیاء و اموال پر افراد کا حقِ ملکیت قطعاً غیر مشروط نہیں ہے بلکہ وہ اس شرط کے

(۱) شاہ ولي الله، حجة الله البالغه، ۲: ۱۰۳

ساتھ تسلیم کیا گیا ہے کہ اموال کے مقررہ حقوق پورے کئے جائیں اور اموال کے مقررہ حقوق یہ ہیں کہ دوسروں کو بھی ان کے منافع میں شریک کیا جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ **وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ**o(۱)

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھاo''

۲۔ **وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌo لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ**o(۲)

''اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہےo مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کاo''

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن في المال حقاً سوی الزکاة.(۳)

''بیشک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں۔''

۴۔ جب تک مملوکہ مال کا حق مکمل طور پر ادا نہ کیا جائے اس کی ملکیت نہ صرف ناجائز رہتی ہے بلکہ عذابِ آخرت کا باعث بن جاتی ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ما من صاحب کنز لا یؤدي حقه إلا جعله اللہ یوم القیامة یحمی

(۱) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الزکاة، باب ما جاء أن المال حقاً سوی الزکاة، ۳: ۴۸، رقم: ۶۶۰

۲۔ دارقطني، السنن، ۲: ۱۲۵

۳۔ سعید بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۰، رقم: ۹۲۶

عليها في نار جهنم فتكوى بها جبهته وحنبه وظهره.[1]

’’جس شخص کے پاس کوئی مال ہے اور وہ اس مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا تو قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں اس مال کو گرم کر کے اس شخص کی پیشانی، پسلی، پیٹھ داغے جائیں گے۔‘‘

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام اموال کی ملکیت کو بلا شرط اور بلا قید تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کا جواز اور استحقاق صرف مقررہ حقوق کو پورا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اموال مملوکہ کا استعمال ان شرائط اور قیود کے تحت کرتے تھے:

كان ابن عمر رضی اللہ عنہما لا يأكل حتى يؤتي بمسكين يأكل معه.[2]

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مندمل کر کھانا نہ کھاتا، آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

۶۔ **حضرت عبد اللہ بن مسعود** رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كنا نعد الماعون على عهد رسول الله ﷺ همام الدلو والقدر.[3]

---

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقول المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۲، رقم: ۷۵۵۳

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۳: ۱۹۰، رقم: ۳۳۰۲

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقول المال، ۲: ۱۲۴، رقم: ۱۶۵۷

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۵۲۲، رقم: ۱۱۷۰۱

”ہم عہدِ رسالت مآب ﷺ میں ڈول اور ہنڈیا تک کا عاریتاً ضرورت مندوں کو دینا ماعون تصور کرتے تھے۔“

یعنی ایسی اشیائے استعمال سے بھی دوسروں کو فائدہ اٹھانے دینا شرعاً لازمی تصور کرتے تھے اور ان کا منع کرنا اس قرآنی حکم ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ [الماعون، ۱۰۷:۷] کے تحت ناجائز اور دین کی تکذیب تصور کرتے تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ملکیت کا جو تصور اپنے مبارک عمل سے واضح فرمایا اسے درج ذیل ارشادات سے سمجھا جا سکتا ہے:

۷۔ لو كان لي مثل أحد ذهباً لسرّني أن لا تمر عليّ ثلاث ليال وعندي منه شيء إلا شيئًا أرصده لدين.[۱]

”اگر میرے پاس احد (پہاڑ) کی مثل بھی سونا ہو تو مجھے تب خوشی ہوگی کہ اس پر تین راتیں نہ گزر جائیں (اور میں نے ان کو صدقہ نہ کیا ہو) اور میرے پاس سوائے اس شے کے جو میں نے دین ادا کرنے کے لئے رکھی ہے کچھ نہ ہو۔“

۸۔ فلما فتح الله عليه الفتوح قال: أنا أولى بالمؤمنين من أنفسهم فمن توفي من المؤمنين فترک دينًا فعليّ قضاؤه ومن ترک مالًا فلورثته.[۲]

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ ما يسرني أن عندي مثل أحد هذا ذهبًا، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب تغليظ عقوبة من لا يؤدي الزکاة، ۲: ۶۸۷، رقم: ۹۹۱

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۶۰، رقم: ۶۳۵۰

۴۔ بيهقي، السنن الکبری، ۵: ۳۵۴، رقم: ۱۰۷۳۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الکفالة، باب الدين، ۲: ۸۰۵، رقم: ←

’’جب اللہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں مؤمنین کا متولی ہوں جو ان میں سے فوت ہو جائے اور قرض چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور اگر مال چھوڑ گیا تو وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔‘‘

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے ایسے تمام احکام کی عملی اہمیت کم کرنے کے لئے انہیں محض نفلی اور اضافی نیکی یعنی مستحبات میں شمار کر لیا ہے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول و عمل سے ان کا وجوب اور لزوم ہی ثابت ہوتا ہے۔

۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

إن اللہ فرض علی الأغنیاء المسلمین في أموالھم بقدر الذي ما یسع فقراءھم. (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے اغنیاء کے مال سے اس قدر (صدقہ) فرض فرمایا ہے جس سے فقراء کا فقر ختم ہو جائے۔‘‘

...... ۲۱۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة علی الماوردي، ۳: ۳۸۲، رقم: ۱۰۷۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۵۳، رقم: ۹۸۴۷

۵۔ بیہقي، السنن الکبری، ۷: ۵۳، رقم: ۱۳۱۲۳

(۱) ۱۔ سعید بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۹، رقم: ۳۵۷۸

۲۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۶۲، رقم: ۴۳۲۴

۳۔ ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۸

۱۱۔ زائد اَز ضرورت مال کی شرعی حیثیت

اموال پر قابض و متصرف ہونے کی بنا پر مالک کا حق دوسروں کے نفع اٹھانے کے حق پر مقدم ہوتا ہے یعنی پہلے مالک کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے اموال سے اپنی ضروریات پوری کرے اور بعد میں زائد از ضرورت مال (Surplus Property) میں سے دوسروں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرے۔

یہ تصور ان احکام پر مبنی ہے:

۱۔ ارشادِ ربّانی ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِیْمٌ o[۱]

’’آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے o‘‘

۲۔ حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

یا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خیر لک وأن تمسکه شر لک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول.[۲]

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

←

''اے اولادِ آدم! ضرورت سے زائد تمہارا مال کو خرچ کرنا بہتر ہے اور روک کر رکھنا تمہارے لئے شر ہے ہاں اس قدر بچانا قابل ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔''

اس حدیث کی رُو سے صرف اسی قدر مال بچا کر رکھنے پر ملامت نہیں ہے جو ضروریات کے لئے کافی ہو اس سے زائد رکھنا بہتر ہے اور اس میں سے دوسروں پر خرچ کرنا لازم ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) بھی اس تصور کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں:

معنى الملك في حق الآدمي كونه أحق بالانتفاع من غيره. (۱)

''زمین پر آدمی کے حق ملکیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ انتفاع کا حق، قابض کو دوسرے کی نسبت زیادہ ہے۔''

۱۲۔ حقِ تملّک اور حقِ اِنتفاع میں فرق

اسلام کے تصورِ ملکیت میں اموال پر قبضہ و تصرف (Proprietary Rights) کسی حد تک تو خالصتاً انفرادی حق تسلیم کیا گیا ہے کوئی اس میں کسی کو شریک کرے یا نہ کرے شریعت اس سے تعرض نہیں کرتی۔ مگر انتفاع یعنی اموال کی نفع بخشی اور سود مندی (Usufructuary Rights) میں محض انفرادی اور نجی حق شریعت کی رو سے کلیتاً غیر اسلامی ہے۔ اس میں ہر شخص دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا پابند ہے۔ زکوٰۃ،

.... ۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۰

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

صدقات اور انفاق کے تمام احکام اس دعوے کے بیّن دلائل ہیں۔ اگر اشیاء اموال کی مادی حیثیت ''Corpus'' کی ملکیت یعنی ان کے قبضہ وتصرف کی مانند ان کے منافع اور فوائد (Usufructs) کی ملکیت کو بھی مطلقاً نجی اور انفرادی ضرورت تک مختص رکھنے کی اجازت ہوتی تو شریعت لوگوں کے کمائے ہوئے مال و دولت پر زکوٰۃ، صدقات اور انفاق کے وجوبی اور لازمی احکام صادر نہ کرتی۔ یہ احکام مال کے قبضہ و تصرف میں شرکت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ صرف ان کے حقِ انتفاع میں دوسروں کی شرکت کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں مال (Property) کے قبضہ و تصرف کی حیثیت اس کے انتفاع کی حیثیت سے مختلف ہے۔ انتفاع میں اجتماعی حق جبکہ قبضہ اور تصرف میں بالعموم انفرادی حق زیادہ اہمیت کے ساتھ ملحوظ رکھا جاتا ہے اس تصور کی تائید ان قرآنی آیات سے ہوتی ہے:

۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيبًا مَّفْرُوْضًاo وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًاo[1]

''مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اورقریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے o اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اورمحتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہوo''

۲۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ

(۱) النساء، ۴: ۷، ۸

الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (۱)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○‘‘

۳۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَىْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ○ (۲)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ○‘‘

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷
(۲) آل عمران، ۳: ۹۲

۴۔ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ○ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَ يَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ○(۱)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہے ○‘‘

۵۔ اَلَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ○(۲)

’’جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں ○‘‘

۶۔ وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ جَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ○ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ

(۱) التوبة، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

(۲) البقرة، ۲: ۳

وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ یُحِبُّ
الْمُحْسِنِیْنَo(۱)

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہےo یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہےo‘‘

۷۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَکْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ
اَکْرَمَنِo وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ فَیَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِo
کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ o وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰی طَعَامِ
الْمِسْکِیْنِo وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ اَکْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ
حُبًّا جَمًّاo کَلَّآ اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّاo وَّجَآءَ رَبُّکَ
وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّاo وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ
الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکْرٰیo(۲)

’’مگر انسان (ایسا ہے) کہ جب اس کا رب اسے (راحت و آسائش دے کر) آزماتا ہے اور اسے عزت سے نوازتا ہے اور اسے نعمتیں بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھ پر کرم فرمایاo لیکن جب وہ اسے (تکلیف و مصیبت دے کر) آزماتا ہے اور اس پر اس کا رزق تنگ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیاo یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

(۲) الفجر، ۸۹: ۱۵۔ ۲۳

(یعنی غریبوں اورمحتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo یقیناً جب زمین پاش پاش کرکے ریزہ ریزہ کر دی جائے گیo اور آپ کا رب جلوہ فرما ہو گا اور فرشتے قطار در قطار (اس کے حضور) حاضر ہوں گےo اور اس دن دوزخ پیش کی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی مگر (اب) اسے نصیحت کہاں (فائدہ مند) ہو گیo‘‘

۸۔ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًاo اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌo اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِo وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِo وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِo فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَo(۱)

’’وہ (بڑے فخر سے) کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کیا ہےo کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے (یہ فضول خرچیاں کرتے ہوئے) کسی نے نہیں دیکھاo کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟o اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟o اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیئےo وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہواo‘‘

۹۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo(۲)

’’اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرو جو

(۱) البلد، ۹۰: ۶۔ ۱۱

(۲) یٰس، ۳۶: ۴۷

تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم اس (غریب) شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی (مبتلا) ہو گئے ہو o‘‘

۱۰۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌo(۱)

’’اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اس (مال و دولت) میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب (و امین) بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خرچ کیا اُن کے لئے بہت بڑا اجر ہے o‘‘

۱۱۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًاo نِالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا o وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًاo وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًاo(۲)

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی

(۱) الحدید، ۵۷:۷

(۲) النساء، ۴: ۳۶۔۳۹

ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo جو لوگ (خود بھی) بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اس (نعمت) کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کی ہے، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہےo اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یومِ آخرت پر، اور شیطان جس کا بھی ساتھی ہو گیا تو وہ برا ساتھی ہےo اور ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا تھا اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے اور اللہ ان (کے حال) سے خوب واقف ہےo‘‘

۱۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَo(۱)

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور (کافروں کے لئے) نہ کوئی دوستی (کارآمد) ہو گی اور نہ (کوئی) سفارش، اور یہ کفار ہی ظالم ہیںo‘‘

۱۳۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌo وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ط عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ط

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○(۱)

''(یہ) دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور (اپنے کفرونفاق کی شدت کے باعث) اسی قابل ہیں کہ وہ ان حدود و احکام سے جاہل رہیں جو اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے○ اور ان دیہاتی گنواروں میں سے وہ شخص (بھی) ہے جو اس (مال) کو تاوان قرار دیتا ہے جسے وہ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اور تم پر زمانہ کی گردشوں (یعنی مصائب و آلام) کا انتظار کرتا رہتا ہے، (بلا و مصیبت کی) بری گردش انہی پر ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○ اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○''

۱۴۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○(۲)

''اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہِ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لئے (یہ سب صرف وسفر)

(۱) التوبة، ۹: ۹۷۔ ۹۹

(۲) التوبة، ۹: ۱۲۱

لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے o‘‘

۱۵۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌo[۱]

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہے o‘‘

۱۶۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo[۲]

’’اے ایمان والو! جب تم رسول (ﷺ) سے کوئی راز کی بات تنہائی میں عرض کرنا چاہو تو اپنی رازدارانہ بات کہنے سے پہلے کچھ صدقہ و خیرات کرلیا کرو، یہ (عمل) تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے، پھر اگر (خیرات کے لئے) کچھ نہ پاؤ تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے o‘‘

۱۷۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِo[۳]

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا o‘‘

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۶۷

(۲) المجادلۃ، ۵۸: ۱۲

(۳) الذاریات، ۵۱: ۱۹

۱۸۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ٭ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ٭[۱]
”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے٭ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا٭“

۱۹۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٭[۲]
”پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا مندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں٭“

۲۰۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا٭[۳]
”اور قرابتداروں کو انکا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ٭“

۱۳۔ اِرتکازِ دولت کی حیثیت

اگر کوئی شخص اپنے مملوکہ اموال کی آمدنی اور منافع اس خیال سے کہ یہ میری ذاتی ملکیت ہے، صرف اپنی ضروریات اور آسائشوں تک رکھے اور ان سے دوسروں کو فائدہ نہ اٹھانے دے یعنی دوسرے مستحقین کے شرعاً تسلیم شدہ حقوق پورے نہ کرے تو اسے دولت کا جمع کرنا یا ارتکاز و اکتناز کہا جائے گا اور یہ امر شریعت میں حرام بلکہ باعثِ عذابِ جہنم ہے باوجود اس کے کہ اس نے وہ ساری دولت اپنے جائز ملکیتی ذرائع سے کمائی ہے۔

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵
(۲) الروم، ۳۰: ۳۸
(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

۱۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِيْلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ○ يَّوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِی نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُم وَظُهُورُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ○[۱]

''اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں○ جس دن اس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اس (تپے ہوئے مال) سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی (مال) ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لئے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے○''

۲۔ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ.[۲]

''تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مال داروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔''

۳۔ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ○ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ○ نَارُ اللهِ الْمُوْقَدَةُ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ○ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ○ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ○[۳]

---

(۱) التوبة، ۹: ۳۴، ۳۵

(۲) الحشر، ۵۹: ۷

(۳) الهمزة، ۱۰۴: ۲۔ ۹

’’(خرابی و تباہی ہے اس شخص کے لئے) جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہےo وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی دولت اسے ہمیشہ زندہ رکھے گیo ہرگز نہیں! وہ ضرور **حطمه** (یعنی چورا چورا کر دینے والی آگ) میں پھینک دیا جائے گاo اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ **حطمه** (چورا چورا کر دینے والی آگ) کیا ہے؟o (یہ) اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہےo جو دلوں پر (اپنی اذیت کے ساتھ) چڑھ جائے گیo بیشک وہ (آگ) ان لوگوں پر ہر طرف سے بند کر دی جائے گیo (بھڑکتے شعلوں کے) لمبے لمبے ستونوں میں (اور ان لوگوں کے لئے کوئی راہِ فرار نہ رہے گی)o‘‘

بنا بریں احتکار کو باعثِ عذاب اور محتکر کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔

الغرض اسلام کا تصورِ ملکیت اپنے معنی و مفہوم اور روح کے اعتبار سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے اور اسلام کے معاشی نظام کی وہ خشتِ اوّل ہے جو اس کی پوری ساخت و تشکیل کو دنیا کے دیگر معاشی نظامات سے ممتاز و ممیّز کرتی ہے اور انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت فراہم کرنے میں تیقن کے ساتھ سرفہرست ہے۔

تحدیدِ ملکیت (Limitation of Ownership)

اسلام انفرادی اور اجتماعی حقِ ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس میں نظم و ضبط اور اس کے غلط استعمال کو روکنے کی غرض سے چند حدود و قیود لگاتا ہے۔ خصوصی طور پر اگر کسی معاشرے میں معاشی ناہمواری اس حد تک بڑھ جائے کہ غرباء کا استحصال شروع ہو جائے اور اس حد تک پہنچ جائے کہ ان کے لیے زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے تو اسلامک اسٹیٹ کے صاحبانِ اقتدار کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے تحدیدِ ملکیت کریں۔ اسلامی حکومت اصحابِ ثروت کو اس امر پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ شریعت کے عائد کردہ حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں مقررہ حد سے زیادہ ملکیت نہ رکھیں اور اسلامی

اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ حالات و واقعات کے تناظر میں ملکیت کی حدود مقرر کرے اس حقیقت کا ثبوت ہمیں درج ذیل احادیثِ نبوی ﷺ سے بھی ملتا ہے:

۱۔ **من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.** (۱)

’’جس کے پاس زائد سواری ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد ساز و سامان ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سامان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مختلف اصناف کا ذکر فرمایا حتی کہ ہم سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بھی ضرورت سے زائد اشیاء اپنے پاس رکھنے کا کوئی حق نہیں۔‘‘

۲۔ دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تمنعوا فضل الماء لتمنعوا به فضل الكلأ. (۲)

’’فالتو پانی مت روکو اس غرض سے کہ فالتو گھاس روک سکو۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۱

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۲، رقم: ۷۵۷۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المساقاة، باب من قال إن صاحب الماء أحق بالماء، ۲: ۸۳۰، رقم: ۲۲۲۶

عصرِ حاضر میں کئی مواقع پر بعض حضرات نے حکومت کی طرف سے تحدیدِ ملکیت کرنے پر اعتراضات کیے ہیں۔ اپنے مؤقف کے حق میں انہوں نے کچھ آیاتِ قرآنی کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ان آیات کے باب میں ان کی پیش کردہ توضیح اور اِستدلال مغالطوں پر مبنی ہے۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور اُن کا ردّ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام میں تحدیدِ ملکیت کا کوئی تصور نہیں۔ اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے وہ جو دلائل پیش کرتے ہیں ذیل میں ہم ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی ان کا ردّ بھی پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت آشکار ہو سکے اور عامۃ الناس کو مسئلے کا صحیح ادراک حاصل ہو:

دلیل نمبر ا

ملکیت کی عدم تحدید کے ضمن میں وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَاؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ○ (۱)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے

...... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب تحریم فضل بیع الماء الذي یکون بالفلاۃ ویحتاج إلیه لراعي الکلأ وتحریم منع بذله وتحریم بیع ضراب الفحل، ۳: ۱۱۹۸، رقم: ۱۵۶۶

(۱) ہود، ۱۱: ۶

امانت رکھے جانے کی جگہ کو (بھی) جانتا ہے، ہر بات کتابِ روشن (لوحِ محفوظ) میں (درج) ہےo‘‘

اِستدلال

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والے افراد اس آیت کریمہ سے اپنے مؤقف کا اِستدلال اس طرح کرتے ہیں: ’’چونکہ رزق کی فراہمی کا کام مذکورہ آیتِ کریمہ کے مطابق اللہ رب العزت نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ وہ ہر ایک کو رزق فراہم کرے اور اسی کی مرضی اور اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے اور جتنا چاہے رزق عطا فرمائے۔ اس کے دیئے ہوئے مال اور رزق میں کسی قسم کی حد قائم کرنا اس کے منشاء اور فیصلہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس آیت مبارکہ کی رو سے تحدیدِ ملکیت جائز نہیں ہے۔‘‘

اِستدلال کا ردّ / جواب

مذکورہ بالا نظریہ کے حامل افراد کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ میں بنیادی بات جو بیان ہوئی ہے وہ ہے ’’وعدۂ رزق‘‘۔ بنیادی کام رزق فراہم کرنا ہے۔ گویا یہ آیت وعدۂ رزق کی فراہمی پر دلالت کرتی ہے۔ تحدیدِ ملکیت اس آیت کا موضوع ہی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت کا بنیادی موضوع رزق کی فراہمی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کی تکمیل اسلامی حکومت (Islamic State) سے کراتا ہے۔ گویا یہ ذمہ داری نیابتاً اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی کو رزق فراہم کرنے کے مواقع پیدا کرے۔ اس منشائے الٰہی کی تکمیل کے لئے State اپنا کردار ادا کرنے کی مجاز ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب رزق فراہم کرنے اور اس منشائے ایزدی کی تکمیل State کی ذمہ داری ہے تو اس تکمیل کے لئے حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اگر ملک میں دولت کی تقسیم غیر متوازن ہو اور بعض کو بنیادی رزق بھی نہ مل رہا ہو اور بعض بے حدو

حساب دولت کے مالک ہوں اور غیر متوازن تقسیم (Unbalanced Division) جب اس حد تک بڑھ گئی ہو کہ تقسیم کرنا اور تحدید کرنا ناگزیر اور لازمی ہو گیا ہو تو اس تقسیم میں توازن (Balance) پیدا کرنا حکومت (State) کی ذمہ داری اور اختیار ہے۔ اس ذمہ داری کے تحت اسے تحدید کرنے کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر۲

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاo وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًاo[1]

”اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کے رنج و غم سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہےo اور اسے ایسی جگہ سے رِزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو وہ (اللہ) اسے کافی ہے، بیشک اللہ اپنا کام پورا کر لینے والا ہے، بیشک اللہ نے ہر شے کے لئے اندازہ مقرر فرما رکھا ہےo“

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مطلقہ عورت کو ایسے ایسے طریقوں اور ایسی ایسی جگہوں سے رزق فراہم کرے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتی۔ گمان نہ کر سکنے کا مطلب ہے کہ اتنا زیادہ رزق عطا فرما دے گا کہ جس کا حساب ہی نہ کیا جا سکے۔ یوں بے گماں دینے کا مطلب ہے بے حساب دینا۔ اس لئے عورت کو چاہیے کہ وہ اللہ پر توکل کرے جو اللہ مطلقہ عورت کو بے حساب رزق دے سکتا ہے وہ تمام بنی نوع انسان کو

(۱) الطلاق، ۶۵: ۲، ۳

بھی بے حدو حساب رزق فراہم کر سکتا ہے لہٰذا جس کو چاہے دے جس کو چاہے نہ دے۔ اور اس کے دیئے ہوئے پر حد قائم کرنا اس کے منشاء اور توکل کے خلاف ہے۔

ردّ / جواب

اس آیت میں عورت کو طلاق کے وقت توکل علی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ سے یہ اِستدلال کرنا کہ وہ کسی کو دے یا نہ دے یا کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم دے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہی نہیں ہے اس لیے اس آیت سے یہ مفہوم نکالنا سراسر غلط ہے۔

مذکورہ آیت سے اِستدلال کرتے وقت بے گمان کو بے حساب کے معنی میں لینا بھی درست نہیں ہے۔ یہاں لفظ بے گمان کے ذریعے توکل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے نہ کہ بے حساب کا معنی و مفہوم مراد لیا گیا ہے۔ اس طرح محولہ بالا آیت کا مفہوم تحدیدِ ملکیت کے موضوع سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، چنانچہ اس کو تحدیدِ ملکیت کی بحث میں بطور دلیل پیش کرنا ہی غلط ہے۔

دلیل نمبر ۳

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ.[۱]

”اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔“

اِستدلال

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ہم تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔ رزق دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ حکومت کا یا کسی دوسرے

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۱

شخص کا کام نہیں ہے۔ چونکہ کام اللہ کا ہے اس لیے اس کی مرضی کسی کو کم دے یا زیادہ دے۔ اس میں شکوہ کرنے، تحدید کرنے یا اس میں مداخلت کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔

ردّ / جواب

اللہ رب العزت نے جب فرما دیا کہ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ سب کو رزق ملے۔ اب اللہ کے اس منشاء ہی کی تکمیل کے لئے نظامِ ریاست میں حکومت (State) قائم ہوتی ہے۔ نظام الحقوق اور نظام الفرائض پر عمل درآمد کرانا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کا حکم آ گیا کہ نماز پڑھو۔ اب نظامِ صلوٰۃ کی تنفیذ اسلامی State کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اللہ کا حکم آ گیا کہ سود حرام ہے۔ اب نظامِ معیشت میں سود کی حرمت کو Establish کرنا State کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم آ گیا کہ زنا حرام ہے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا (حد) بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سزا کون دے گا؟ اللہ نے خود آ کر تو یہ حد نہیں لگانی لہٰذا یہ حد لگانے کا فریضہ State سرانجام دے گی۔ ان مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی رضا مندی حکم بن جاتی ہے اور اس حکم کی تنفیذ State کی ذمہ داری (Responsibility) قرار پاتی ہے۔

اس وضاحت کے بعد آیت کا صحیح مفہوم کچھ یوں ہو گا کہ ہم نے یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ تم سب کو اور ان کو بھی رزق بہم پہنچایا جائے۔ ہمارے اس منشاء کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہے۔ گویا سب کو رزق فراہم کرنا حکومت (State) ہی کی ذمہ داری ہے۔ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس منشائے ایزدی کی تکمیل میں جو رکاوٹیں، مشکلات اور مسائل درپیش ہوں ان کو بھی دور کرے۔ ان رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ دولت کی غیر متوازن تقسیم بھی ہے۔ اس تقسیم کو توازن میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحدیدِ ملکیت کے جائز اختیار کو استعمال کرے تا کہ ہر کسی کو رزق فراہم کرنے میں آسانی ہو۔

دلیل نمبر۴

وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ دَآبَّةٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَهَا اَللّٰهُ يَرۡزُقُهَا وَاِيَّاكُمۡ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ○[۱]

''اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے○''

اِستدلال

زمین پر بسنے والے تمام جانوروں کو اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی رزق فراہم کر دیتا ہے جب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو بھی رزق فراہم کرتا ہے۔ اس آیت میں جانوروں کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ اللہ جس طرح جانوروں کو رزق دیتا ہے اسی طرح انسانوں کو بھی رزق دینے والا وہی ہے۔ اس کی مرضی ہے کہ جس کو چاہے زیادہ دے اور جس کو چاہے کم دے۔ اس طرح حدِ ملکیت کی نفی ہو جاتی ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اللہ ان کو جس طرح رزق دیتا ہے تمہیں بھی فراہم کرے گا۔ اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ رزق دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جانوروں کے لیے رزق کے یکساں مواقع پیدا فرمائے ہیں مثلاً ایک جنگل میں اگر دو شیر ہیں تو دونوں کے لیے شکار بھی وہیں پیدا فرما دیا۔ اسی طرح تمام انسانوں کے لیے بھی رزق کے مواقع یکسر پیدا فرمائے لیکن

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

اگر کسی وجہ سے ان مواقع میں توازن برقرار نہ رہا ہو تو ان میں توازن پیدا کرنے کے لئے State اپنا کردار ادا کرے گی جو تحدیدِ ملکیت کے قانون کے نفاذِ عمل کا آئینہ دار ہے۔

دلیل نمبر ۵

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌo تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍo(۱)

''(اے حبیب! یوں) عرض کیجئے: اے اﷲ! سلطنت کے مالک! تُو جسے چاہے سلطنت عطا فرما دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تُو جسے چاہے عزت عطا فرما دے اور جسے چاہے ذلّت دے، ساری بھلائی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے، بیشک تُو ہر چیز پر بڑی قدرت والا ہےo تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تُو ہی زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے (اپنی نوازشات سے) بہرہ اندوز کرتا ہےo''

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اللہ ہی مالک الملک ہے۔ تمام کائنات اور اس کے تمام ذرائع اور وسائل کا وہی مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے یہ وسائل اور ذرائع عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ یہ بھی

(۱) آل عمران، ۳: ۲۶، ۲۷

واضح کر دیا کہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور یہ رزق بھی بے حساب ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے رزق دینے میں حساب و کتاب کی تحدید نہیں رکھی تو تحدید کرنا اللہ کی مرضی اور قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ آیت میں **بغیر حساب** کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی بھی حساب و کتاب نہ رکھے۔ اس طرح حکومت (State) کو بھی کوئی اختیار نہیں کہ وہ حساب و کتاب رکھنے کا انتظام وانصرام کرے۔ **بغیر حساب** کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے۔ اگر یہ مفہوم لیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ محاصل (Taxes) کے سارے محکمے ختم کرنے ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ Revenue کے سارے معاملات بھی ختم کرنے ہوں گے جو نظامِ حکومت چلانے میں اختلال کا باعث ہوں گے۔

اگر **بغیر حساب** کا مطلب یہ لیا جائے کہ حساب کتاب ہی نہ رکھا جائے تو خود احکامِ خداوندی میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات میں حساب کتاب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نیکیوں اور برائیوں کا Record کراماً کاتبین کے ذریعے اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سوء میں جزا وسزا کا حساب کتاب اور سب سے بڑھ کر یوم الحساب کا انعقاد حساب کتاب رکھنے کے دلائل ہیں۔ عملی زندگی میں مثال کے طور پر زکوٰۃ کو لیں تو اس کا تو سارے کا سارا انظام حساب وکتاب پر ہی مشتمل ہے اس طرح ان دلائل سے مختلف شعبوں میں تحدیدِ ملکیت کا عنصر ثابت ہوتا ہے۔

"**بغیر حساب**" کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ بندے کے ساتھ کوئی حساب و کتاب کا معاملہ نہیں کرتا یا اللہ بندے کو جتنا بھی عطا کر دے اس کا بدلہ نہیں مانگتا۔ اللہ پر دینے میں کوئی قدغن نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ State کو کوئی حق ہی نہیں ہے کہ وہ حساب و کتاب رکھے۔ جب دینے میں کوئی قدغن نہیں تو مفہوم مخالف کی

رو سے لینے پر بھی کوئی قدغن نہیں۔ اس میں Nationalization کا تصور ہے۔ یعنی جو دے سکتا ہے وہ Nationalize بھی کر سکتا ہے۔ آیتِ کریمہ کا پہلا حصہ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے:

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ.(۱)

’’اللہ جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے واپس لے بھی لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے عزت چھین کر ذلت دے دیتا ہے۔‘‘

آیت کے اس حصہ کی رو سے جب دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ یہی حال رزق اور مال و دولت کا ہے کہ جب اللہ دے سکتا ہے تو واپس بھی لے سکتا ہے۔ واپسی کا کام اللہ کے منشاء کی تکمیل کے لیے State کر سکتی ہے، اسی طرح اگر اللہ پر دینے میں کوئی قدغن نہیں تو اسلامی اسٹیٹ پر اس کے منشاء کی تکمیل کے لئے واپس لینے میں بھی کوئی قدغن نہیں ہے۔ State کا مال واپس لینا تحدید ہی کی صورت ہے۔ اس طرح تحدیدِ ملکیت جائز ہے۔

دلیل نمبر ۶

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰـکُمْ ط اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۲)

(۱) آل عمران، ۳: ۲۶

(۲) الانعام، ۶: ۱۶۵

’’اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا تاکہ وہ ان (چیزوں) میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں (امانتاً) عطا کر رکھی ہیں۔ بیشک آپ کا رب (عذاب کے حقداروں کو) جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ (مغفرت کے امیدواروں کو) بڑا بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہےo‘‘

اِستدلال

اس آیت میں ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا) کے الفاظ اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ اللہ نے ہی مال و اختیارات میں بعض کو بعض پر فضیلت دی یعنی بعض کو بے حد و حساب رزق دیا اور بعض کو کم۔ یہ تقسیم مِنْ جَانبِ اللہ ہے۔ اس لئے اس تقسیم میں ردو بدل کرنا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس تقسیم میں اگر اس نے کسی کو بے حد و حساب رزق عطا کر دیا ہے تو State کو اس پر حد عائد کرنے کا کیا حق ہے؟ لہٰذا تحدیدِ ملکیت کی نفی اس آیتِ کریمہ سے بھی ثابت ہے۔

ردّ / جواب

تحدیدِ ملکیت کے منافی نقطہ نظر رکھنے والے کا سوال ہے کہ State کو کیا حق ہے کہ اللہ کی تقسیم اور عطا میں حد مقرر کرے؟ اس کا جواب بھی اسی آیت میں موجود ہے۔ آیت میں موجود الفاظ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا اٰتٰكُمْ﴾ (تاکہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے) نے State کو یہ حق دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مال دے کر آزماتا ہے کہ جو مال اس بندے کو دیا گیا ہے کیا وہ اس مال کے حقوق ادا کر رہا ہے؟ اگر مال کے حقوق کی ادائیگی میں پورا نہیں اتر رہا تو State کی ذمہ داری ہے کہ وہ مال واپس لے لے۔ جب دولت کا صحیح مقصد پورا نہ ہو رہا ہو یا دوسروں کی حق تلفی ہو رہی ہو اور ضرر کا احتمال واضح ہو رہا ہو تو State کو اختیار ہے کہ وہ Limitations عائد کرے کیونکہ یہ حکم لِيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ

اٰتٰکُمُ کے تحت آتا ہے اور یہی تحدیدِ ملکیت ہے۔

دلیل نمبر ۷

وَاللهُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ.(۱)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے۔‘‘

اِستدلال

اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے واضح اعلان فرما دیا ہے کہ اس نے بعض لوگوں کو رزق کے معاملہ میں بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ اس فضیلت و افضلیت میں کسی دوسرے شخص یا State کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ وہ خدا کے دیئے ہوئے مال میں تحدید کا قانون لاگو کرے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کو تحدیدِ ملکیت کے منافی نظریہ میں بطور دلیل پیش کرنے والے اس آیت کو مکمل طور پر بیان نہیں کرتے۔ ذیل میں مکمل آیت اور اس کا ترجمہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کا صحیح ادراک ممکن ہو سکے۔

وَاللهُ فَضَّلَ بَعۡضَکُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ فِی الرِّزۡقِ ۚ فَمَا الَّذِیۡنَ فُضِّلُوۡا بِرَآدِّیۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ فِیۡهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَةِ اللهِ یَجۡحَدُوۡنَ ○(۲)

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی

---

(۱) النحل، ۱۶: ۷۱

(۲) النحل، ۱۶: ۷۱

ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)، مگر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی دولت (کے کچھ حصہ کو بھی) اپنے زیرِ دست لوگوں پر نہیں لوٹاتے (یعنی خرچ نہیں کرتے) حالانکہ وہ سب اس میں (بنیادی ضروریات کی حد تک) برابر ہیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیںo‘‘

اس آیت میں واضح حکم ہے کہ صاحبِ ثروت لوگ اپنی دولت کو اپنے زیرِ دست اور خستہ حال لوگوں کو لوٹا دیں۔ آیت میں ’’رَآدّی (لوٹانا)‘‘ کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مال غریبوں کا حق ہے اگر یہ لوگ ان کا حق اپنی مرضی سے نہیں دیتے تو حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان لوگوں سے غریبوں کا حق وصول کر کے ان تک پہنچائے۔

دلیل نمبر ۸

اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَـتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَرَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَo[۱]

’’کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمتِ (خاصہ یعنی نبوت) کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیاوی زندگی میں (تو) ان کو روزی ہم (ہی) نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (اور عالم کا انتظام قائم رہے) اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس (دنیوی مال و متاع) سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیںo‘‘

اِستدلال

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے دنیاوی زندگی کا ایک ایسا نظام بیان

(۱) الزخرف، ۴۳: ۳۲

فرمایا ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔ وہ نظام کچھ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کو گزارنے کے لئے روزی اور رزق کو تمام لوگوں میں تقسیم فرمایا۔ اس تقسیم میں اس نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ پھر فضیلت عطا کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ امیر لوگ غریب لوگوں سے خدمت اور کام لیں اور اس طرح یہ نظامِ زندگی چلتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نظامِ زندگی کو قائم رکھنے کے لیے روزی کی تقسیم کو بھی اس طرح رکھا کہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ اب اگر تحدید کے نام پر اس تقسیم میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو نظامِ زندگی درہم برہم ہو جائے گا۔ لہٰذا نظامِ زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے تحدیدِ ملکیت ناجائز اور غلط ہے۔

ردّ / جواب

مذکورہ بالا نظریہ کے حامل افراد کو اس آیت کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ اس آیت کے جس لفظ کے ترجمہ میں مغالطہ ہوا ہے وہ ہے ''سُخْرِیًّا'' جس کا ترجمہ انہوں نے ''خدمت لینا'' کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس لفظ کے حقیقی معانی و مفاہیم بیان کرتے ہیں تا کہ اس کا مطلب واضح ہو جائے۔

لفظ سخریا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے ''س۔ خ۔ ر'' سے مشتق ہے۔ ثلاثی مجرد میں باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے سَخِرَ یَسْخَرُ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اپنی اسی بناوٹ سے سورۃ التوبہ کی درج ذیل آیت میں استعمال ہوا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللهُ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○[1]

''جو لوگ برضا و رغبت خیرات دینے والے مؤمنوں پر (ان کے) صدقات

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۹

میں (ریاکاری و مجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت و مشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہےo‘‘

اس آیت میں ’یَسْخَرُوْنَ‘ مضارع اور ’’سَخِرَ‘‘ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ سخر کا لغوی معنی ہے ’’مذاق اڑانا، تمسخر کرنا‘‘ وغیرہ۔ لسان العرب میں ہے:

وبه سَخَرًا وسَخْرًا وَمَسْخَرًا وسُخْرًا وسُخْرَةً وسِخْرِيًّا وسُخْرِيًّا وسُخْرِيَّةً: هزىء به.[1]

’’سخر سے ہی سَخْرًا، سَخَرًا، مَسْخَرًا، سُخْرًا، سُخْرَةً، سِخْرِيًّا، سُخْرِيًّا اور سُخْرِيَّةً (یہ تمام الفاظ) بنتے ہیں (جن کا مطلب ہے) مذاق اڑانا۔‘‘

اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں بھی استعمال ہوا ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَo[2]

’’اور بیشک آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کے ساتھ مذاق کیا جاتا رہا۔ پھر ان میں سے مسخرہ پن کرنے والوں کو (حق کے) اسی (عذاب) نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھےo‘‘

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا

(۱) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۴: ۳۵۲

(۲) الانعام، ۶: ۱۰

یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ اللهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌo(۱)

''جو لوگ برضا ورغبت خیرات دینے والے مومنوں پر (ان کے) صدقات میں (ریاکاری ومجبوری کا) الزام لگاتے ہیں اور ان (نادار مسلمانوں) پر بھی (عیب لگاتے ہیں) جو اپنی محنت ومشقت کے سوا (کچھ زیادہ مقدور) نہیں پاتے سو یہ (ان کے جذبۂ انفاق کا بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ انہیں ان کے تمسخر کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہےo''

وَ یَصْنَعُ الْفُلْکَ قف وَکُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَo(۲)

''اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے اور جب بھی ان کی قوم کے سردار اُن کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔ نوح (علیہ السلام) (انہیں جواباً) کہتے: اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو (کل) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے تم تمسخر کر رہے ہوo''

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا.(۳)

''کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب آراستہ کر دی گئی ہے اور وہ ایمان والوں سے تمسخر کرتے ہیں۔''

بَلْ عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَo(۴)

(۱) التوبۃ، ۹: ۷۹

(۲) ھود، ۱۱: ۳۸

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۱۲

(۴) الصافات، ۳۷: ۱۲

’’بلکہ آپ تعجب فرماتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں۝‘‘

اب ذیل میں سِخْرِیًّا کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جس کا مطلب بھی تمسخر کرنا اور مذاق اڑانا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ۝(۱)

’’تو تم ان کا تمسخر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھی بھلا دی اور تم (صرف) ان کی تضحیک ہی کرتے رہتے تھے۝‘‘

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ۝(۲)

’’کیا ہم ان کا (ناحق) مذاق اڑاتے تھے یا ہماری آنکھیں انہیں (پہچاننے) سے چوک گئی تھیں (یہ عمّار، خباب، صُہیب، بلال اور سلمان ﷺ جیسے فقراء اور درویش تھے)۝‘‘

مذکورہ بالا بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے زیرِ بحث آیت کا اگر درج ذیل ترجمہ کیا جائے تو آیت کا مفہوم واضح ہونے کے ساتھ ساتھ زیرِ بحث مسئلہ کا صحیح حل پیش کرنے میں مدد ملے گی۔ صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

’’کیا آپ کے رب کی رحمتِ (نبوّت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم اِن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسبابِ) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں (کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں) کہ ان میں سے بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس (دولت)

---

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۱۱۰

(۲) ص، ۳۸: ۶۳

سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے (اور گھمنڈ کرتے) ہیں o‘‘

اس ترجمہ کی رو سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زیرِ بحث آیت کا مضمون تحدیدِ ملکیت کے منافی ہرگز نہیں ہے بلکہ تحدیدِ ملکیت کے حق میں ہے۔ اگر امراء اپنی دولت کے بل بوتے پر غریبوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو اسلامی حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان سے ایسی دولت چھین لے جس پر وہ گھمنڈ کرتے ہیں اور غرباء کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ایک اور تحقیق کے مطابق:

سخر سے باب تفصیل ’’سَخَّرَ يُسَخِّرُ تَسْخِيرًا‘‘ بنتا ہے جس کا مطلب ہے ’’مسخر کرنا، تسخیر کرنا۔‘‘ یہ لفظ اپنے معنی میں جبری محنت کو سموئے ہوئے ہے۔ لسان العرب میں ہے:

سَخَّرَ يُسَخِّرُ سُخْرِيًّا: كلّفه ما لا يريد وقهره.(۱)

’’سَخَّرَ يُسَخِّرُ سُخْرِيًّا کا مطلب ہے کسی کو ایسے کام کا مکلّف بنانا اور ایسے کام پر مجبور کرنا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔‘‘

اس معنی کی رو سے زیرِ بحث آیت کا مضمون کچھ یوں بنے گا کہ کیا ہم نے یہ تقسیم اس لیے کی کہ امیر غریبوں سے زبردستی خدمت (Forced Services) اور جبری محنت (Compelled Labour) لیں؟ ہمارا مقصد اس تقسیم کا یہ ہرگز نہیں تھا کہ غریبوں کا استحصال کیا جائے اور غربت کی وجہ سے ان کا مذاق اڑایا جائے۔ اگر امیر طبقہ غریبوں کا استحصال کرنے لگے تو حکومت کو چاہیے کہ وہ دخل اندازی کر کے غریب عوام کو ان کے حقوق دلوائے اور ان کی عزتِ نفس بحال کرے۔ اس مقصد کے لیے اس کو اگر تحدیدِ ملکیت کا اصول نافذ کرنا پڑے تو یہ قرینِ مصلحت اور جائز تصور ہوگا۔

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۳۵۳

بحث کا ماحاصل

مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی معاشی تعلیمات کے تحت ''تحدیدِ ملکیت'' جائز ہے اور اسلامی مملکت حالات و واقعات کے تناظر میں تحدیدِ ملکیت کرنے کی مجاز ہے۔

باب پنجم

وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَo

(البقرة، ۲:۳)

اِنفاق فی المال

معنی اور حقیقتِ موضوع

عربی زبان کے لفظ ''انفاق'' کا لغوی معنی ''مال خرچ کرنا'' ہے۔ اصطلاحی معنی میں اسے ''انفاق فی سبیل اللہ'' اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کہا جاتا ہے۔ اسلام نے مال خرچ کرنے کے ضمن میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے ''انفاق فی المال'' درحقیقت اپنے سرمایہ و دولت کو دوسروں پر اس طرح خرچ کرنا ہے کہ ان کا معاشی تعطل ختم ہو جائے، ان کی تخلیقی جدوجہد بحال ہو جائے اور وہ معاشرہ میں مطلوبہ کردار بحسن و خوبی سرانجام دے سکیں۔ چونکہ انفاق فی المال فعلِ احسان کی عملی شکل اور اساس ہے اس لئے یہ اپنی خیر خواہی، احتیاجات، عیش کوشی، ناموری یا تحسینات پر خرچ کرنے کا نام نہیں بلکہ یہ خرچ دوسروں کی زندگیوں سے معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ''مواخاتِ مدینہ'' ہے جو دینی و دنیاوی بھلائی، ترقی و خوشحالی، رواداری، معاشرتی و معاشی ترقی کا آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ فعلِ احسان کا عملی اظہار بھی ہے۔

قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا حکم

ہر انسان اپنے مقصدِ حیات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے اسلام نے جہاں بے شمار ہدایات دی ہیں وہاں ''انفاق فی المال'' کا راستہ بھی دکھایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے غرباء و مساکین، نادار، محتاج، معذور، ضرورت مند اور معاشی بدحالی کا شکار افراد پر خرچ کیا جائے چنانچہ زکوٰۃ اور دیگر واجبہ صدقات ادا کرنے کے بعد بھی معاشرے کے اصحابِ ثروت پر معیشت کے کمزور لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری باقی رہتی ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں جہاں پیدائشِ دولت (Production of wealth) یعنی اکتسابِ مال کی ترغیب دلائی

ہے وہاں تقسیمِ دولت (Distribution of wealth) کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ میں انفاق فی المال کا صراحت کے ساتھ حکم موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـكُمْ.(۱)

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔‘‘

۲۔ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.(۲)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

۳۔ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۝(۳)

’’اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہی ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے۝‘‘

۴۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۝(۴)

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۳) البقرة، ۲: ۱۹۵

(۴) آل عمران، ۳: ۹۲

''تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہےo''

۵۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ.(۱)

''اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال خرچ کرے۔''

۶۔ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّھَا قُرْبَۃٌ لَّھُمْ ط سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo(۲)

''اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo''

انفاق فی المال کی اہمیت سمجھنے اور اس عملِ صالح کو اپنانے والوں کے شرف و منزلت اور ان کے لئے اجر و ثواب کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

۷۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ط وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ.(۳)

''جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) التوبۃ، ۹: ۹۹

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۶۱

کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے۔‘‘

۸۔ اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰہَ هُوَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَیَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ.[۱]

’’کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے۔‘‘

۹۔ اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ○[۲]

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے○‘‘

۱۰۔ الٓمّٓ○ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚ فِیۡهِ ۚ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ○ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ○[۳]

’’الٓمّٓ○ (یہ) وہ عظیم کتاب ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے○ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیں○‘‘

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۴

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۷۴

(۳) البقرۃ، ۲: ۱۔۳

۱۱۔ اَلَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّاؕ لَھُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ○(۱)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں○ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں اور مغفرت اور بلند درجہ رزق ہے○‘‘

۱۲۔ اَلَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُھُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمۡ وَالۡمُقِیۡمِی الصَّلٰوۃِ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰـھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ○(۲)

’’(یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو مصیبتیں انہیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم رکھنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں○‘‘

۱۳۔ وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا○(۳)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود ایثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○‘‘

۱۴۔ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡھَا وَتُؤۡتُوۡھَا الۡفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡؕ وَیُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِکُمۡ.(۴)

---

(۱) الانفال، ۸: ۳، ۴

(۲) الحج، ۲۲: ۳۵

(۳) الدھر، ۷۶: ۸

(۴) البقرۃ، ۲: ۲۷۱

’’اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہو گی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے (اور) بہتر ہے اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا۔‘‘

انفاق فی المال کی ترغیب دلاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال رسول الله ﷺ: إن الله قال لي: أنفق أنفق عليک وقال رسول الله ﷺ: يمين الله ملآى لا يغيضها سحاء الليل والنهار. أ رأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض فإنه لم يغض ما في يمينه. (۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کر تجھ پر (بھی) خرچ کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔‘‘

۲۔ من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة: يا عبد الله! هذا خير. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الحث على النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۳

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب التفسير، باب قوله وکان عرشه على الماء، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۴۴۰۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الصوم، باب الريان للصائمين، ۲: ۶۷۱، رقم: ۱۷۹۸

''جس نے اللہ کے راستے میں دو مرتبہ خرچ کیا، اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے۔''

۳۔ **لا حسد إلا علی اثنتین رجل آتاه الله الکتاب وقام به آناء اللیل ورجل أعطاه الله مالًا فهو یتصدق به آناء اللیل والنهار.** (۱)

''دو آدمیوں کے سوا اور کسی پر حسد کرنا جائز نہیں ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم دیا اور وہ اس کے ساتھ راتوں کو قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے رات دن راہِ خدا میں خرچ کرتا رہتا ہے۔''

۴۔ **أفضل دینار ینفقه الرجل، دینار ینفقه علی عیاله ودینار ینفقه الرجل علی دابته في سبیل الله ودینار ینفقه علی أصحابه في سبیل الله.** (۲)

''افضل دینار جو آدمی خرچ کرتا ہے وہ ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب من جمع الصدقة وأعمال البر، ۲: ۷۱۱، رقم: ۱۰۲۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، ۴: ۱۹۱۹، رقم: ۴۷۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۳، رقم: ۶۱۶۷

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك وإثم من ضیعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۴

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجهاد، باب فضل النفقة في سبیل الله تعالی، ۲: ۹۲۲، رقم: ۲۷۶۰

۳۔ بخاري، الأدب المفرد: ۲۶۲، رقم: ۷۴۸

اور وہ دینار جس کو اللہ کے راستے میں اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو اپنے ساتھیوں پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔‘‘

۵۔ **كفى بالمرء إثمًا أن يحبس عمن يملك قوته.** (۱)

’’کسی آدمی کے گناہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے اس کا خرچ روک لے۔‘‘

۶۔ **على كل مسلم صدقة. فقالوا: يا نبي الله! فمن لم يجد قال: يعمل بيده فينفع نفسه ويتصدق.** (۲)

’’ہر مسلمان کے لئے صدقہ کرنا لازمی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ سے کام کر کے خود کو بھی نفع پہنچانا چاہیے اور صدقہ بھی کرنا چاہیے۔‘‘

۷۔ **لا توعي فيوعي الله على ارضخي ما استطعت.** (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك وإثم من ضيعهم أو حبس نفقتهم عنهم، ۲: ۶۹۲، رقم: ۹۹۶

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۵۲، رقم: ۴۲۴۱

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف، ۲: ۵۲۴، رقم: ۱۳۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ۲: ۶۹۹، رقم: ۱۰۰۸

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب صدقة العبد، ۵: ۶۴، رقم: ۲۵۳۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة،باب الصدقة فيما استطاع، ۲: ←

''تو (اپنا مال) مٹکے میں بندھ کرکے نہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لگا بندھا دینے لگے اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں میں (مال) تقسیم کرو۔''

۸۔ إن رسول الله ﷺ قال وهو على المنبر وذكر الصدقة والتعفف والمسألة: اليد العليا خير من اليد السفلى فاليد العليا هي المنفقة والسفلى هي السائلة.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور صدقہ، ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا جبکہ نچلا ہاتھ مانگنے والا ہے۔''

۹ ۔ ما من يوم يصبح العباد فيه إلا ملكان ينزلان فيقول أحدهما اللّٰهم أعط منفقًا خلفًا ويقول الآخر: اللّٰهم أعط ممسكًا تلفًا.(۲)

''کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نہ اترتے

...... ۵۲۰، رقم: ۱۳۶۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۳۹، رقم: ۲۵۱۲۵

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، ۲: ۵۱۹، رقم: ۱۳۶۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالى فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى، ۲: ۵۲۲، رقم: ۱۳۷۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب في المنفق والممسك، ۲: ۷۰۰، رقم: ۱۰۱۰

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۳۷۵، رقم: ۹۱۷۸

ہوں۔ ایک فرشتہ تو یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ دیجئے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! ممسک اور بخیل کو نقصان سے دوچار کیجئے۔‘‘

۱۰۔ سبعة يظلهم الله تعالی في ظله يوم لا ظل إلا ظله إمام عدل، وشاب نشأ في عبادة الله، ورجل قلبه معلق في المساجد، ورجلان تحابا في الله، اجتمعا عليه وتفرقا عليه، ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال. فقال: إني أخاف الله، ورجل تصدق بصدقة فأخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق يمينه، ورجل ذكر الله خاليًا ففاضت عيناه. (۱)

’’سات طرح کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف پرور حاکم۔ (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پھلا پھولا۔ (۳) وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے۔ (۴) دو ایسے شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھتے ہیں اور ان کے اجتماع اور جدائی کی بنیاد بھی یہی ہو۔ (۵) ایک ایسا شخص جسے خوبصورت اور باوجاہت عورت نے (برے ارادے سے) بلایا لیکن اس کا جواب یہ تھا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) وہ انسان جو صدقہ کرتا ہے اور اسے اس درجہ چھپاتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ داہنے ہاتھ نے کیا

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الصدقة باليمين، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۳۵۷
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، ۲: ۷۱۵، رقم: ۱۰۳۱
۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في الله، ۴: ۵۹۸، رقم: ۲۳۹۱

خرچ کیا۔ (۷) اور وہ شخص جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے اور اس کی آنکھیں بھر آتی ہیں۔‘‘

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي المساكين وقربيهم فإن الله يقربك يوم القيامة. (۱)

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

حکمِ انفاق کی دو سطحیں

انفاقِ فی المال کا عمل دو سطحوں پر ہوسکتا ہے۔ انفرادی سطح پر اور اجتماعی سطح پر۔

انفرادی سطح سے مراد یہ ہے کہ افراد اپنے طور پر اپنے احباب و متعلقین اور حلقۂ اثر میں ’’انفاق‘‘ کو بطور دائمی عمل جاری کریں۔ جو شخص معاشی ابتلاء کا شکار ہو، ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو یا اس کی زندگی ایسے تعطل کی نذر ہو گئی ہو کہ اس کی تخلیقی جدوجہد بحال نہ رہی ہو، ایسے ضرورت مند افراد کی مالی اعانت اس انداز سے کرنا کہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو، ان کی ضروریات بھی پوری ہوں اور وہ ہر وقت دوسروں کی اعانت کے منتظر نہ رہیں۔ بلکہ ان کی زندگی سے معاشی تعطل ختم کر کے ان کا اپنا تخلیقی عمل

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵

بحال کر دیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں صحیح مقام اور مطلوبہ کردار سرانجام دینے کی پوزیشن میں ہوسکیں۔ اس سلسلے میں اپنے اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں کے علاوہ سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خدمتِ اسلام میں اس طرح وقف کر دیا ہو کہ ان کے پاس روزگارِ حیات کی خاطر فرصت ہی باقی نہ رہی ہو۔ ان سے مراد وہ مجاہدینِ اسلام ہیں جن کی زندگیاں اسلام کی علمی وفکری اور عملی و انقلابی خدمت میں محصور ہو چکی ہیں۔ یہی لوگ راہِ حق کے اسیر ہیں۔ اگر یہ لوگ معاشی تعطّل کا شکار ہو گئے تو دینِ حق اور ملتِ اسلامیہ کے احیاء کی خاطر ہونے والی انقلابی کاوشیں معطل ہو جائیں گی۔ اِس امر کا حکم قرآن مجید میں اِس طرح آیا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ط وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ○ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ○ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○(۱)

’’ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو سو وہ تمہارے اپنے فائدے میں ہے اور اللہ کی رضاجوئی کے سوا تمہارا خرچ کرنا مناسب ہی نہیں ہے، اورتم جو مال بھی خرچ کرو گے (اس کا اجر) تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اورتم پر کوئی ظلم نہیں کیا

(۱) البقرۃ،۲: ۲۷۲۔ ۲۷۴

جائے گاo (خیرات) ان فقراء کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں (کسبِ معاش سے) روک دیئے گئے ہیں وہ (امورِ دین میں ہمہ وقت مشغول رہنے کے باعث) زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے ان کے (زُھداً) طمع سے باز رہنے کے باعث نادان (جو ان کے حال سے بے خبر ہے) اُنہیں مالدار سمجھے ہوئے ہے، تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے بالکل سوال ہی نہیں کرتے کہ کہیں (مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا نہ پڑے، اور تم جو مال بھی خرچ کرو تو بیشک اللہ اسے خوب جانتا ہےo جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گےo‘‘

مذکورہ بالا تین آیات سے قبل بھی اِنفاق ہی کا حکم اور اس کے مسائل کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ تینوں آیات بھی اُسی حکم سے متعلق ہیں۔ لیکن غور فرمائیں کہ ان تین آیات میں بھی صراحت کے ساتھ پانچ مرتبہ اِنفاق کا حکم وارد ہوا ہے۔ اس سے اس کی اہمیت و افادیت از خود اُجاگر ہو جاتی ہے۔ لیکن حکمِ انفاق کے حوالے سے جو نمایاں اشارات ان آیات سے ماخوذ ہیں، وہ قابلِ غور ہیں۔ اُنہیں یہاں اختصار کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

۱۔ رہنمائی کے باوجود منزلِ مقصود ہر ایک کو نہیں ملتی۔ (ہدایت کا آخری مرحلہ منزلِ مقصود کو پا لینا ہے)۔

۲۔ منزلِ مقصود اور نصب العین کے حصول میں کامیابی اللہ تعالیٰ صرف اُنہی لوگوں کو عطا کرتا ہے جو انفاق فی المال کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

۳۔ انفاق کا فائدہ صاحبِ انفاق کو بھی پہنچتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُسے اپنی منزل نصیب ہو جاتی ہے، جس کے لئے دوسرے عمر بھر ترستے رہتے ہیں۔

۴۔ انفاق کا عمل صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کو نصب العین بنانے کی خاطر ہونا چاہیے۔ دیگر ممنوع اور مذموم مقاصد کے لئے نہیں۔

۵۔ عملِ انفاق اپنے اندر نتیجہ خیزی کی ضمانت رکھتا ہے۔ اس کا مطلوبہ صلہ میسر آ کر ہی رہتا ہے۔ صاحبِ انفاق کو نتائج و ثمرات کے لحاظ سے کبھی بھی مایوسی نہیں ہو سکتی۔

۶۔ انفاق کے سب سے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جو دینِ حق کی راہ میں خود کو وقف و محصور کر چکے ہیں۔

۷۔ ہمہ وقت راہِ حق میں اس طرح کوشاں رہنا کہ کاروبارِ حیات کی فرصت بھی باقی نہ رہے، اصحابِ صفّہ کی استثنائی سنت ہے اور شرعاً ممنوع نہیں۔

۸۔ اہلِ حق کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کریں۔ ان کی شخصیت بے نیازی اور استغناءِ نفس کی پیکرِ اتم ہونی چاہیے۔

۹۔ اہلِ ثروت کو مجاہدینِ حق کی مالی ضروریات کی کفالت اس انداز سے کرنی چاہیے کہ ان کی زندگی میں معاشی تعطل بھی پیدا نہ ہونے پائے اور ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو۔

۱۰۔ ذاتِ حق ہر حال میں کئے گئے اِنفاق سے باخبر ہوتی ہے اور اس پر اجر عطا کرتی ہے۔

۱۱۔ اہلِ انفاق دُنیا و آخرت میں ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے نصب العین کو پا لیں گے۔

یہ عملِ انفاق کی انفرادی صورت تھی کہ مالدار افراد مستحق افراد کی کفالت کے لئے ذاتی سطح پر انفاق کریں۔ اس طرح ہر صاحبِ مال پر اس کی انفرادی حیثیت میں ''اِنفاق'' لازم ہے اور یہی ''فعلِ احسان'' ہے جس کے ذریعے وہ بارگہِ ایزدی میں نعمتِ رضا کا مستحق

قرار پاتا ہے۔

اجتماعی سطح سے مراد یہ ہے کہ اجتماعی طور پر عملِ انفاق کو ایک ایسے نظام کے طور پر رائج کیا جائے کہ معاشرے کا کوئی فرد حاجتمندی میں مبتلا نہ رہے اور معاشرہ معاشی استحکام سے ہمکنار ہو کر قومی نصب العین کے حصول کے لئے اپنا کردار مؤثر طور پر ادا کر سکے۔ معاشرے کے حاجتمند افراد کی حاجتمندی کو دور کرنے کا اسلامی معاشی نظام میں بہترین حل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو صاحبِ ثروت لوگوں سے ان کا وہ حق دلایا جائے جو شریعت نے ان کے لئے مختص کیا ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ○ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[1]

”اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا“○

دوسری جگہ فرمایا:

وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[2]

”اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○“

اجتماعی سطح پر انفاق کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حاکمِ وقت امراء سے یا بیت المال سے مال لے کر فقراء میں تقسیم کرا دے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غرباء و مساکین کے حصے مقرر کئے ہوتے تھے جو وہ بیت المال سے ادا کرتے تھے۔ ابو عبید بن سلام (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فكان عمر يعطي كل إنسان منهم كل سنة ثلاثة آلاف.[3]

(۱) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

(۳) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۰، رقم: ۶۰۹

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال (غرباء) میں سے ہر ایک کو تین ہزار (کی مقرر کردہ) رقم دیتے تھے۔‘‘

یہ اجتماعی سطح پر انفاق کی بہترین مثال ہے کسی بھی ملک کو معاشی لحاظ سے اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر انفاق کے عمل کو جاری رکھنا ہوگا۔

اِنفاقِ واجبہ اور اِنفاقِ نافلہ میں اِمتیاز

فقہی اصطلاح کے مطابق وجوب اور عدمِ وجوب کے لحاظ سے اِنفاق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اِنفاقِ واجبہ

اِس میں زکوٰۃ، عُشر، صدقۂ فطر اور دیگر ایسے صدقات شامل ہیں جن کا ادا کرنا صاحبِ نصاب پر بہر حال فرض یا واجب ہوتا ہے۔

(۲) اِنفاقِ نافلہ

اِس میں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ اِنفاق کی تمام صورتیں شامل ہیں لیکن ان میں سے کئی صورتوں کو مصلحتاً، ضرورتاً یا استحساناً واجب بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اِس امر کی تفصیلات ہم نے ’’اسلام کے تصورِ ملکیت‘‘ میں بیان کی ہیں۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ فعلِ احسان کا اطلاق ’’انفاقِ واجبہ‘‘ پر نہیں بلکہ ’’انفاقِ نافلہ‘‘ پر ہوگا۔ ’’انفاقِ واجبہ‘‘ کی تمام صورتیں قرآن کے ’’حکمِ عدل‘‘ کے تحت شمار کی جائیں گی کیونکہ عدل کا مفہوم یہی ہے کہ جس قدر دینا لازم ہو اُسی قدر دیا جائے اور شرعاً واجب حصے کے علاوہ دینا ’’احسان‘‘ ہے۔ لہٰذا ہماری بحث ’’انفاقِ نافلہ‘‘ کے حکم سے ہے، اِنفاقِ واجبہ سے نہیں۔

نصابِ انفاق اور حدِ انفاق کا مسئلہ

یہاں اِس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ’’نصابِ اِنفاق‘‘ اور ’’حدِ اِنفاق‘‘ کا مسئلہ صرف ’’انفاقِ واجبہ‘‘ سے متعلق ہے مثلاً مقررہ نصاب سے کم جائیداد رکھنے والے پر ’’زکوٰۃ‘‘ فرض نہیں ہوتی اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ حدِ انفاق بھی صدقاتِ واجبہ کے لئے مقرر ہے مثلاً زکوٰۃ میں اڑھائی فیصد، ’’عشر‘‘ میں دس یا بیس فیصد وغیرہ۔ جہاں تک اِنفاقِ نافلہ کا تعلق ہے اِس کا اُصول نصاب اور حد کے تعینات سے ماوراء ہے۔ اِس کے لئے نہ کم سے کم نصاب متعین ہے اور نہ زیادہ سے زیادہ حد، کیونکہ یہ ’’اِنفاق‘‘ احسان ہے اور ’’انفاقِ واجبہ‘‘ عدل۔ ’’عدل‘‘ معینہ اور مقررہ حد کے مطابق دینے کا نام ہے جبکہ ’’احسان‘‘ ایسا فعل ہے جو حدود و قیود سے بلند و بالا ہوتا ہے، احسان میں چونکہ محسن کے پیشِ نظر اپنی ذات اور مادی منفعت نہیں ہوتی، اس لئے اس میں کوئی ’’نصاب‘‘ نہیں ہوتا۔ مزید برآں احسان میں چونکہ دوسرے شخص کے استحقاق کا قانونی تعین نہیں ہوتا، اس لئے اس پر کوئی حد نہیں ہوتی۔ یہ انفاق، جو فعلِ احسان کی عملی صورت ہے، رضائے اِلٰہی کے نصب العین کی خاطر ہر ایک پر لازم ہے، خواہ غریب ہو یا امیر، صاحبِ نصاب ہو یا غیر صاحبِ نصاب، تھوڑا دے سکے یا زیادہ، جو کچھ بھی اُسے میسر ہو۔ اُسی میں حسبِ استطاعت اِنفاق کرنا ’’احسان‘‘ ہے۔ اس پر نہ یہ شرط ہے کہ کتنے میں سے دے؟ یہ بات دینے والے کے اپنے ظرف، غنائے نفس اور اُس کے ذاتی حالات پر منحصر ہے۔

اِنفاق اصلاً نصاب سے ماوراء ہے

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنفِقُوْنَ○ (۱)

(۱) البقرۃ، ۲: ۳

''اور جو کچھ ہم نے اُنہیں عطا کیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیںo''

یہاں ''ما'' کلمۂ عام ہے جو نصاب کی شرط سے پاک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ بھی خزانۂ قدرت سے نصیب ہوا ہو اُسی میں سے راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔

۲۔ ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ.[۱]

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

۳۔ یہی حکم ایک اور مقام پر بھی دیا گیا ہے:

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَo[۲]

''اور تم اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اِس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کی مہلت اور کیوں نہ دے دی کہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوکاروں میں سے ہو جاتاo''

اِس آیت میں ایک تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اِنفاق کے لئے ڈھیروں مال کا ہونا ضروری نہیں جو کچھ بھی میسر ہو اُسی میں سے خرچ کیا جانا چاہیے۔ اسی کا نام ''احسان'' ہے۔ دوسری یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدا کے مقربین و صالحین میں شامل ہونے کی بھی یہی صورت ہے کہ اِنفاق فی المال کے عمل کو اپنایا جائے۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۵۴

(۲) المنافقون، ۶۳: ۱۰

۴۔ ایک اور مقام پر مذکور ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.(۱)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

مذکورہ بالا آیات سے یہ امر واضح ہوگیا کہ فعلِ احسان کے طور پر کئے جانے والے اِنفاق میں کوئی نصاب شرط نہیں ہے۔ جتنا کچھ پاس ہو اُسی میں دوسروں کو بھی شریک کرلیا جائے۔

انفاق اصلاً تحدید سے ماوراء ہے

انفاق میں جس طرح نصاب کی شرط نہیں تھی، اُسی طرح اُس کی کوئی حد و انتہا بھی متعین نہیں ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ○(۲)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)، اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم غوروفکر کرو○‘‘

اِس آیت کے ذریعے حدِ اِنفاق کے مسئلے کو بھی حل کر دیا گیا کہ اِنفاق کی کوئی

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۹

آخری حد نہیں ہے، جو کچھ تمہاری ضرورتوں سے زائد ہو وہ دوسروں پر خرچ کر دو تاکہ اس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔ اِس آیت نے یہ فلسفۂ حیات بیان کیا کہ یہ ہرگز جائز نہیں کہ جس معاشرے میں کئی لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں یا غربت و افلاس کے باعث باعزت زندگی سے محروم کر دیئے گئے ہوں، اُسی معاشرے کے کچھ لوگ اپنی ضروریات سے بچی ہوئی دولت اپنی تحسینات و تزئینات اور تعیّشات پر خرچ کرنے لگیں اور بالآخر غربت و امارت کی بناء پر ایک ہی معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی بنیاد فراہم ہو جائے۔ اِسی لئے فرمایا گیا:

لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ○

''اس حکم میں تمہارے لئے غور و فکر کا بہت سارا سامان موجود ہے○''

آیت کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ایسے احکام کو محض ''نفلی'' اور ''مستحب'' اعمال سمجھ کر نظر انداز نہ کئے رکھو بلکہ اِس میں غور و فکر کرو اور ان کی بنیاد پر اپنے معاشرے کی معاشی زندگی کا ڈھانچہ تعمیر کرو۔ گویا آیت کے آخری الفاظ سابقہ حکم یعنی قُلِ الۡعَفۡوَ کی نسبت دعوتِ فکر و عمل دے رہے ہیں۔

۲۔ اسی سورہ میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

يَسۡئَلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ط قُلۡ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ط وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ○(۱)

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں، فرما دیں جس قدر بھی مال خرچ کرو (درست ہے)، مگر اس کے حقدار تمہارے ماں باپ ہیں اور قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور محتاج ہیں اور مسافر ہیں، اور جو نیکی بھی تم

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۵

کرتے ہو بیشک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے o‘‘

یہاں حکمِ انفاق کو اور زیادہ وسعت دے دی گئی ہے۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو، مستحق لوگوں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے پر خرچ کر دو۔ یہاں یہ شرط بھی مرتفع کر دی گئی کہ ’’ضرورت سے بچ رہے تو خرچ کرو۔‘‘ نہیں نہیں، اگر کوئی غنائے صدیقی کا حامل ہے اور اپنی ضرورت بھی دوسروں پر خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں، جو کچھ خرچ کرو گے، نیکی ہو گی اور نیکی کے بارے میں پوچھا نہیں جاتا۔ بس خدا کی ذات تمہارے اِنفاق سے باخبر ہے۔ یہ حکم ہر ایک کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف اُسی کے لئے ہے جو راہِ خدا میں سب کچھ لٹا کر بھی دل میں حزن و ملال محسوس نہیں کرتا اور مالی تنگی وقتی طور پر بھی اُسے پریشان نہیں کر سکتی۔ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے توکل اور استغناء کا وہ بلند درجہ نصیب ہو چکا ہو کہ دوسروں کا فقر مٹانے کے لئے اپنے اُوپر فقر بھی طاری کر لے تو اُس کے پایۂ استقلال اور عزم و ہمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ یہ ایمان کا وہ کامل ترین درجہ ہے جس کا مظاہرہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک کے موقع پر کیا تھا اور جس کا عملی مشاہدہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیتِ نبوی کے گھروں میں ہوتا رہتا تھا۔

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير الصدقة ما کان عن ظهر غنی. (۱)

’’بہتر صدقہ وہی ہے جو ضرورت کے مطابق بچا کر کیا جائے یا غنائے نفس کے ساتھ کیا جائے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب النفاقات، باب وجوب النفقة علی الآهل والعيال، ۵: ۲۰۴۸، رقم: ۵۰۴۱

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلی، ۲: ۷۱۷، رقم: ۱۰۳۴

’’عن ظهر غنی‘‘ کے الفاظ میں مذکورہ بالا دونوں صورتوں کو سمو دیا گیا ہے۔

۲۔ ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ابن آدم إنک أن تبذل الفضل خیر لک وأن تمسکه شر لک ولا تلام علی کفاف وابدأ بمن تعول.(۱)

’’اے ابن آدم! اگر تو ضرورت سے بچا ہوا خدا کی راہ میں خرچ کر دے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تو اس کو بھی بچا کر رکھ لے تو یہ تیرے لئے نقصان دہ ہے۔ ہاں اِس قدر بچا کر رکھنے میں کوئی مضائقہ اور ملامت نہیں جو تیری ضرورت کے لئے کافی ہو اور انفاق کا آغاز ان لوگوں سے کر جن کی ذمہ داری تجھ پر عائد ہوتی ہے۔‘‘

۳۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے، جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

کنا عند رسول الله ﷺ إذ جاء رجل بمثل بیضة من ذهب، فقال: یا رسول الله! أصبت هذه من معدن، فخذها فهي صدقة ما أملک غیرها، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من قبل رکنه الأیمن فقال مثل ذلک، فأعرض عنه، ثم أتاه من قبل رکنه الأیسر، فأعرض عنه رسول الله ﷺ، ثم أتاه من خلفه، فأخذها رسول الله ﷺ فحذفه بها، فلو أصابته لأوجعته أو لعقرته، فقال رسول الله ﷺ: یأتي أحدکم بما یملک فیقول هذه صدقة، ثم یقعد

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی، ۲: ۷۱۸، رقم: ۱۰۳۶

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ۳۲، ۴: ۵۷۳، رقم: ۲۳۴۳

يستكف النّاس، خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى.(۱)

’’ایک مرتبہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص انڈے کے برابر سونا لے کر آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے یہ سونا ایک کان سے ملا ہے۔ اسے صدقہ کے لئے قبول فرما لیجئے۔ اس کے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے چہرۂ انور دوسری طرف کر لیا۔ پھر وہ شخص دائیں جانب سے آکر یہی عرض کرنے لگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر اُس سے صرفِ نظر فرما لی۔ پھر وہ شخص آپ ﷺ کی بائیں جانب سے آیا اور یہی عرض کی۔ آپ ﷺ نے اس سے پھر صرفِ نظر فرما لی پھر وہ شخص آپ ﷺ کی پشت کی طرف سے آیا (یہاں تک کہ) آپ نے اُس سے سونا لے کر اُس کی طرف دے مارا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جو کچھ اُس کے پاس ہو لے کر آجاتا ہے اور کہتا ہے اُسے صدقہ کر دیجئے۔ پھر خود بیٹھ کر لوگوں کے ہاتھ تکتا رہتا ہے (کہ کوئی اُسے دے گا تو اُس کی ضرورت پوری ہو گی) بہتر صدقہ وہی ہے جو حسبِ ضرورت بچا کر کیا جائے۔‘‘

اِس حدیث سے عوام الناس کو یہ ’’اُصولِ اِنفاق‘‘ مہیا کر دیا گیا کہ اِنفاق کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ لیکن کم از کم اِس امر کا خیال رہنا چاہیے کہ اتنا کچھ ضرور بچا کر رکھ لیا جائے جس سے صاحبِ اِنفاق کی ذاتی اور عائلی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب الرجل يخرج من ماله، ۲: ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۳

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۵۷۳، رقم: ۱۵۰۷

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

اِس اُصولِ انفاق کی بہترین مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر فراہم کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے ''نصف مال'' گھر کے لئے رکھ لیا اور نصف صدقہ کر دیا۔'' لیکن ایک نمونہ اُسی موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فعلِ اِنفاق نے فراہم کیا کہ آپ نے سب کچھ صدقہ کر دیا اور کہا کہ ''ہمارے لئے خدا اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں۔'' یہ مقامِ تفویض تھا جو احسان کا بلند ترین درجہ ہے۔ کوئی شخص غنائے قلب کے اس مقام پر فائز ہو تو اُس کے لئے اِنفاق اس حد تک بھی جائز ہے۔ لیکن اہل و عیال کا بھی اس درجے کا متوکل ہونا ضروری ہے تاکہ رضائے اِلٰہی کی خاطر کی گئی قربانی پر کسی کے دل میں رنج و ملال کا شائبہ تک پیدا نہ ہونے پائے۔

مذکورہ بالا حدیث پر غور فرمایئے۔ اس شخص کا صدقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہ فرمایا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ وہ سارے کا سارا مال پیش کر رہا تھا۔ اگر صرف یہی وجہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا صدقہ قبول نہ فرماتے۔ اس کا صدقہ قبول نہ فرمانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ سارا مال صدقہ کرنے کی جرأت تو کر رہا تھا لیکن غنائے قلب اور توکل کے اس مقام پر فائز نہ تھا جس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فائز تھے، کیونکہ وہ مال صدقہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا: **مَا اَمْلِکُ غَیْرَهَا** (میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں) اس کے یہ الفاظ اس اَمر پر دلالت کر رہے تھے کہ یہ شخص سارا مال دے کر دل سے مطمئن نہیں۔ وہ ابھی تک مال و دولت سے اس قدر بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوا جو اس حد تک اِنفاق کے لئے ضروری ہے اس لئے تو ساتھ ہی یہ سنا رہا ہے کہ ''میرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں۔'' نگاہِ نبوت نے جان لیا کہ ''یہ سب کچھ لٹا کر خوش نہیں رہے گا بلکہ لالچ بھری نگاہوں سے دوسروں کو تکتا رہے گا۔'' اِس لیے اُسے فرمایا:

خذ الذي لک لا حاجة لنا به. (۱)

---

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۷۹، رقم: ۱۶۵۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب الرجل يخرج من ماله، ۲: ←

’’اپنا مال واپس لے جا، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔‘‘

انفاق میں غناءِ مال اور غناءِ نفس کا امتیاز

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر طے ہوا کہ غناء کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ غناءِ مال ۲۔ غناءِ نفس

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ’’خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی (بہترین صدقہ وہ ہے جو غناء کے ساتھ کیا جائے)‘‘ دونوں قسموں پر منطبق ہوتا ہے کیونکہ لوگ جو احکامِ شریعت کے مکلّف ہوتے ہیں ان کی بھی دو اقسام ہیں: ’’عوام‘‘ اور ’’خواص‘‘۔

عوام کے لئے ’’عن ظهر غنی‘‘ کا وہی معنی ہے جو اُوپر بیان ہو چکا ہے اور جس کی تصریح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہو چکی ہے کہ ’’بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غناء ہو۔‘‘ یعنی صدقے کے باوجود پیچھے اس قدر مال موجود ہو جو اس کی ضروریات کے لئے کافی رہے اور اس شخص کو مالی پریشانی سے بے نیاز رکھے۔ یہ حکم غناءِ مال کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور اس کے مکلّف عوام ہے۔

خواص کے لئے ’’عن ظهر غنی‘‘ کا معنی وہ ہے جس کی تصریح عملِ صدیقی سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے مفہومِ حدیث یہ ہوا کہ ’’بہتر صدقہ وہ ہے جس کے پیچھے غنائے نفس ہو۔‘‘ یعنی دل اس قدر متوکل اور دولتِ غناء سے بہرہ یاب ہو کہ سب کچھ خدا کی راہ میں لٹا کر بھی بوجھ محسوس نہ کرے اور یہ گمان تک ذہن میں پیدا نہ ہونے پائے کہ ’’اب ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟‘‘ اس مفہوم کی تائید بھی خود حضور نبی اکرم ﷺ کے اس حکم سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

.... ۱۲۸، رقم: ۱۶۷۴

۳۔ بيهقي، السنن الكبری، ۴: ۱۸۱، رقم: ۷۵۶۶

لیس الغنی عن کثرة العرض ولکن الغنی غنی النفس.(۱)

''غناء کثرتِ مال سے نہیں بلکہ غناءِ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔''

اِس حکم کے مکلّف خواص ہیں ...... حکم ایک ہی ہے لیکن اس کی تعبیریں اور اطلاقات مختلف ہیں۔

عوام کو صرف ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ ''قُلِ الْعَفْوَ'' کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد غناءِ مال ہے اور خواص کو سب کچھ راہِ خدا میں لٹا دینے کی بھی اجازت ہے۔ لہٰذا وہ ''مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ'' کے مصداق ہیں۔ ان کے لئے غناء سے مراد ''غناءِ نفس'' ہے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ غناءِ نفس سے بہرور تھے۔ اس لئے ان کا سارا سرمایہ و دولت بطور صدقہ قبول کر لیا گیا۔ دوسرا شخص غناءِ نفس سے بہرہ ور نہ تھا۔ اس کو غناءِ مال کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس کا سارا مال بطور صدقہ قبول نہ کیا گیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر فیصلہ کریں کہ خواص تو درکنار، کیا ہم انفاق کے معاملے میں عوام کے معیارِ ایمان پر بھی پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

انفاق فی المال کی مختلف جہات

مذکورۃ الصدر ضروری توضیحات کے بعد اب ہم ''انفاق فی المال'' کا جائزہ حصولِ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فلهذا غنی النفس وقال الله تعالی أیحسبون أن ما نمدهم به من مال وبنین، ۵: ۲۳۶۸، رقم: ۶۰۸۱
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب لیس فلهذا عن کثرة العرض، ۲: ۷۲۶، رقم: ۱۰۵۱
۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ما جاء أن فلهذا غنی النفس، ۴: ۵۸۶، رقم: ۲۳۷۳
۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۹، رقم: ۹۰۵۰

نصب العین کے لائحہ عمل کے طور پر لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ’’رضائے الٰہی کے حصول‘‘ کا طریق فعلِ احسان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ احسانِ کامل ’’انفاق فی المال‘‘ کے بغیر ممکن نہیں اس سلسلے میں قرآنِ حکیم کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○[1]

’’یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے○‘‘

اس آیت میں اصل بیان ’’انفاق فی المال‘‘ کرنے والوں کا ہو رہا ہے اور انہی کی دو خصوصیات مزید بیان کی گئی ہیں۔ ایک غصہ پینا، دوسری لوگوں کو معاف کرنا۔ حقیقت میں ان دو صفات کا تعلق بھی ’’اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ‘‘ (یعنی انفاق کرنے والوں) سے ہی ہے۔ کیونکہ پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ’’پرہیزگار لوگ وہ ہیں جو خوشی اور تنگی و رنج ہر حال میں خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں‘‘۔

’’اَلضَّرَّاء‘‘ کا لفظ صراحت کے ساتھ حالتِ رنج کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایسی حالتیں کئی مرتبہ انسانی زندگی میں آتی رہتی ہیں۔ چنانچہ اس حالت کو بیان کرنے کے فوراً بعد کہا گیا: ’’وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ‘‘ یعنی رنج والم اور غم وغصہ کی حالت بھی انہیں ’’اِنفاق فی سبیل اللہ‘‘ سے باز نہیں رکھ سکتی اور وہ اس حال میں بھی راہِ خدا میں معمول کے مطابق عملِ انفاق جاری رکھتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ رنج والم کے لمحات میں غصے اور پریشانی سے مغلوب ہو کر احسان و اِنفاق کا وطیرہ ترک نہیں کرتے بلکہ رنج کو گویا پی جاتے ہیں اور اس طرح ان کا شعارِ حیات ہرگز متاثر نہیں ہونے پاتا۔

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۴

اِسی طرح دوسری صفت ''وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ'' بیان کی گئی ہے یعنی اگر کچھ لوگ ان سے دُرشتی و تلخی اور غیر مہذّب انداز سے پیش آئیں۔ یہاں تک کہ ان سے زیادتی بھی کر لیں، تب بھی وہ انتقاماً فعلِ انفاق کو ترک نہیں کرتے، بلکہ ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کے لئے ان پر اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق احسان اسی طرزِ عمل کا نام ہے جو دوسروں کی طرف سے زیادتی کے باوجود ان سے حسنِ سلوک اور مہربانی کے طور پر قائم رکھا جائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ خوشی و مسرت کی حالت ہو یا تنگی و عسرت کی، رنج و الم اور غم و غصہ کی حالت ہو یا کسی کی طرف سے ظلم و زیادتی کی، ہر حال میں ''انفاق فی المال'' کے عمل کو جاری رکھنا ''احسان'' ہے اور انہی احسان والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ بخوبی سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے محبت کرنا بغیر اس سے راضی ہوئے نہیں ہوسکتا۔ جس کو باری تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیں وہی شخص ''اِنسانِ مرتضیٰ'' کہلاتا ہے۔ اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''محسن'' بھی کہتے ہیں اور ''متقی'' بھی، ''صالح'' بھی کہتے ہیں اور ''ولی'' بھی۔ لہٰذا ''اِنفاق فی المال'' حقیقی احسان بھی ہوا اور رضائے اِلٰہی کے حصول کا عملی طریقِ کار بھی۔

(۱) عملِ انفاق تزکیۂ مال کا باعث ہے

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ رضائے اِلٰہی کے نصب العین کا محرک ''تزکیہ'' ہے۔ تزکیہ دو طرح کا ہوتا ہے: تزکیۂ مال اور تزکیۂ نفس۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تزکیہ کی دونوں صورتیں ''انفاق'' پر منحصر ہیں اور دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ آیئے اب ہم ان دونوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

قرآن مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌo اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo(۱)

’’آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہےo کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

پہلی آیت نے صراحت کے ساتھ مذکورہ بالا امر کی تائید کر دی کہ راہِ خدا میں اِنفاق (یعنی صدقہ) کے بغیر طہارت و تزکیہ ناممکن ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ ’’صدقہ‘‘ تو اہلِ ثروت کے مال سے حاصل کیا جا رہا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اِنفاق کا محل مال و دولت ہی ہوسکتی ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ اس صدقہ و اِنفاق سے حاصل ہونے والی ’’طہارت و تزکیہ‘‘ کی اضافت بھی ان لوگوں کے مال کی طرف کی جاتی یعنی الفاظ یوں ہوتے:

تطهر أموالهم وتزكی أموالهم.

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۳، ۱۰۴

’’(اس صدقہ کے ذریعے) آپ ان کے مال و دولت کو پاک، صاف اور ستھرا کر دیں۔‘‘

یعنی جس مال میں سے صدقہ لے لیا گیا ہے وہ پاک، صاف اور ستھرا ہو گیا۔ اب بھی یقیناً یہ معنی تو موجود ہی ہے جس کی نفی نہیں ہوسکتی، لیکن قرآن مجید کی عبارت یوں ہے:

تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا.

’’اس صدقہ کے ذریعے آپ ان کو پاک، صاف اور ستھرا کریں۔‘‘

دونوں جگہ ’’ھم‘‘ کی ضمیر کا مرجع ظاہراً وہ لوگ ہیں جن کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اس اسلوبِ بیان سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ’’صدقہ و انفاق، مال و دولت کا تزکیہ و طہارت تو کرتا ہی ہے مزید یہ کہ اس عمل سے اِنفاق اور صدقہ کرنے والوں کے نفوس کو بھی تزکیہ و طہارت نصیب ہو جاتی ہے۔‘‘

گویا عملِ اِنفاق نہ صرف تزکیۂ مال کا بلکہ تزکیۂ نفس کا بھی باعث ہوتا ہے۔ مستزاد یہ کہ تزکیۂ نفس کی تمام دوسری کوششیں جو اِنفاق سے خالی ہوں اور دوسرے لوگوں کے حق میں بخل و اکتناز پر مبنی ہوں۔ کبھی بھی ’’تزکیۂ نفس‘‘ کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

(۲) عملِ اِنفاق تزکیۂ نفس کا باعث ہے

جس طرح ہم نے پہلے واضح کر دیا ہے کہ عملِ انفاق سے حاصل ہونے والا تزکیۂ مال بلاشک وشبہ ’’تزکیۂ نفس‘‘ کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کی یقینی صورت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى○ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى○ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ

نِّعۡمَةٍ تُجۡزٰٓی○ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ الۡاَعۡلٰی○ وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی○[1]

’’اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گا○ جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے○ اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں کہ جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو○ مگر (وہ) صرف اپنے ربِ عظیم کی رضا جوئی کے لئے (مال خرچ کر رہا ہے)○ اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا○‘‘

مذکورہ بالا آیات سے درج شدہ اُصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ ’’اِنفاق فی المال‘‘ تقویٰ کی سب سے بڑی صورت ہے۔

۲۔ یہ دوزخ کے عذاب سے بچاؤ کی ضمانت ہے۔

۳۔ اِنفاق فی المال سے حقیقی تزکیۂ نفس نصیب ہوتا ہے۔

۴۔ عملِ انفاق صرف رضائے اِلٰہی کے حصول کی خاطر ہونا چاہیے۔

۵۔ رضائے اِلٰہی کے حصول کی غرض سے اپنایا ہوا عملِ انفاق انسان کو یقیناً مرتضائے اِلٰہی بنا دیتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ عملِ انفاق تزکیۂ نفس کے ذریعے رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت عطا کرتا ہے بلکہ تزکیۂ نفس اور رضائے اِلٰہی کی اصلی اور عملی اساس ہی ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہے۔

(۳) اِنفاق فی المال ہی بِرّ و تقویٰ کی اساس ہے

کوئی شخص ’’انفاق فی المال ہی اصل نیکی اور تقوی ہے‘‘ کے اِس تصور کو انتہا پسندی سے تعبیر کرسکتا ہے لیکن ایسا سوچنا قرآنی تعلیمات کے منافی ہوگا۔ حقیقت یہ ہے

(۱) اللیل، ۹۲: ۱۷۔ ۲۱

کہ ہم نے ’’انفاق‘‘ کو معیشت کا مسئلہ اور ’’نیکی اور تقویٰ‘‘ کو مذہب کا مسئلہ بنا کر انہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں مذہبی فکر کا یہی التباس نوجوان نسل کو معاشی مسئلے کی سنگینی کی بناء پر اشتراکیت کی طرف مائل ہونے پر مجبور کر رہا ہے اور اگر کسی سمت سے ’’معیشت و مذہب‘‘ کی حقیقی وحدت و عینیت کی بناء پر ’’استحکامِ معیشت‘‘ کی ضرورت کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے تو مذہبی فکر کے نام نہاد علمبردار اور خود ساختہ اجارہ دار اسے الحاد و اشتراکیت کا نام دے دیتے ہیں۔ جس سے یہ تصور عام ہو جاتا ہے کہ شاید اسلام ’’معاشی مسئلہ‘‘ کو اس قدر بنیادی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں اور شاید اِسلام کے نزدیک بنیادی مسئلہ ’’اخلاق و مذہب‘‘ کا ہی ہے۔ اس تصور نے تعلیماتِ اِسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشی الجھنوں میں گرفتار ذہن، اِسلام سے وہ قلبی و عملی اور فکری و نظریاتی وابستگی اور وفاداری محسوس نہیں کرتا جو فی الحقیقت اُسے بحیثیت مسلمان ہونی چاہیے تھی۔ اِسلام سے اس فکری بُعد اور نظریاتی لاتعلقی کی ذمہ داری جدید نسل یا عوام پر نہیں بلکہ ان نام نہاد مبلغینِ اِسلام اور عمائدینِ مذہب پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے ذہنی التباس کے باعث اِسلام میں معاشی مسئلے کی صحیح اہمیت اور معیشت و مذہب کے اصل تعلق کو نہیں سمجھا اور اس وجہ سے وہ عصرِ حاضر کے انسان کے پریشان کن مسائل کی صحیح تشخیص نہیں کر سکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ.(۱)

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

یہاں ’’بِر‘‘ یعنی نیکی اور دینداری کا حصول ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے بغیر ناممکن قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اس سے زیادہ صریح اعلان اور کیا ہوسکتا ہے کہ تمہاری نیکی

(۱) آلِ عمران، ۳: ۹۲

صرف اور صرف خدا کے راستے میں اِنفاقِ مال پر منحصر ہے۔ گویا عام لفظوں میں ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہی کو ’’بر‘‘ یعنی نیکی قرار دے دیا گیا۔ اس آیت میں دو افراد کا ذکر ہے:

مُنْفِقٌ: (اِنفاق کرنے والا۔ مالدار) یعنی وہ شخص جو اپنا مال دوسرے پر خرچ کر رہا ہے۔

مُنْفَقٌ علیه: (جس کے حق میں اِنفاق کیا گیا ہو۔ ضرورت مند) یعنی وہ شخص جس پر مال خرچ کیا جا رہا ہے۔

حصولِ بِرّ کے لئے عملِ انفاق

”منفَق علیہ“ یا مستحقِ صدقہ جسے ضرورت مند بھی کہتے ہیں، موجود نہ ہو تو فعلِ اِنفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیتِ مذکورہ کے حوالے سے حصولِ بِرّ کے لئے ’’عملِ اِنفاق‘‘ ضروری ہے۔ عمل صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ’’اِنفاق فی المال‘‘۔ منفِق یعنی مال دار اس کا فاعل ہے اور ”منفَق علیہ“ یعنی ضرورت مند اس کا مفعول لہ ہے۔ اگر آپ فعلِ اِنفاق کے نتائج پر غور فرمائیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جب مالدار اپنی دولت راہِ خدا میں کسی ضرورت مند پر خرچ کرے گا تو اس فعل کا نتیجہ اس مالدار کے حق میں ’’نیکی اور دینداری‘‘ کی صورت میں برآمد ہو گا جبکہ اِس ضرورت مند کے حق میں اِسی فعل کا نتیجہ ’’استحکامِ معیشت‘‘ کی صورت میں برآمد ہو گا۔ ’’نیکی اور دینداری‘‘ مذہب کا دوسرا نام ہے۔ گویا ’’عملِ اِنفاق‘‘ سے مالدار کا مذہب وابستہ ہے اور ضرورت مند کی معیشت۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید یہ اعلان کر رہا ہے کہ لوگوں کے مسئلہ ’’معیشت‘‘ کو نظر انداز کر کے تم اپنے ’’مذہب‘‘ کی سلامتی حاصل نہیں کر سکتے۔ مذہبی فضائل کا حصول لوگوں کو معاشی تعطل سے نجات دلائے بغیر ناممکن ہے۔ یہ تو مذہب و معیشت کے باہمی تعلق اور ان کے استحکام کا فلسفہ تھا لیکن انفرادی طور پر جو اُصول اس آیت نے وضع کیا وہ یہ ہے کہ ’’اصل نیکی‘‘ اِنفاق سے ہی ممکن ہے اور اس کے بغیر کوئی

بھی عمل نیکی قرار نہیں پا سکتا۔ حقیقی نیکی خدا کے نزدیک اِنفاق فی المال کے عمل سے ہی میسر آتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ کے الفاظ بھی اِسی حقیقت کی تائید کر رہے ہیں کہ اصل نیکی ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ج وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ. (۱)

''بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔''

اس آیت میں جملہ احکام و اعمال کو ''تصورِ نیکی'' میں بطور ضروری اجزاء کے شامل کیا گیا ہے لیکن قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید شرطِ ایمان پوری کرنے کے بعد نیکی کے حصول کا سب سے اوّلین تقاضا ''اِنفاق فی المال'' ہی کو قرار دے رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَo (۲)

''یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیںo''

فرما دیا: ''یہی لوگ صاحبِ صدق ہیں اور یہی لوگ صاحبِ تقویٰ ہیں۔'' گویا بِرّ، صدق اور تقویٰ تمام تصوّرات کا تقاضائے اوّلین ''اِنفاق فی المال'' ہے۔ اس کے بغیر

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۷۷

انسان صالحیت کے کسی مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

یہ امر بڑا غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم میں جس جگہ بھی ''تقویٰ اور ''متقین'' کی تعریف بیان کی گئی ہے اس میں کہیں بھی ''اِنفاق فی المال'' کی صفت کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ اس عمل کو اس قدر نمایاں انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ''عین تقویٰ'' یا تقویٰ کا جزوِ لاینفک معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ البقرۃ میں متقین کی تعریف

قرآنِ مجید میں سب سے پہلے ''متقین'' کی اصطلاح اور اس کی تعریف سورۃ البقرۃ کے آغاز میں یوں وارد ہوئی ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَo[(۱)]

''(یہ قرآن) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہےo جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ) میں خرچ کرتے ہیںo''

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ''ایمان بالغیب'' اور ''اقامتِ صلوٰۃ'' یہ دو اوصاف تو ضروریاتِ دین میں سے ہیں۔ اجزائے ایمان اور ارکانِ اِسلام کا اہم حصہ اُنہی پر مبنی ہے۔ ان کے بغیر تو کسی شخص کا ایمان اور اِسلام ہی متحقق نہیں ہوسکتا۔ اِس لئے یہ دو شرائط تو ہر کسی کے ''صحیح مسلمان'' ہونے کے لئے مقدم ہیں۔ اب رہ گئی بات ان میں سے ''متقین'' کے انتخاب کی تو اس کے لئے صرف ایک شرط اور علامت کا اضافہ کیا گیا۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْن (کہ ہمارے عطا کردہ رزق میں سے اِنفاق کرتے ہیں) گویا ''ایمان بالغیب'' سے کوئی شخص دائرہ اِسلام میں داخل ہوا۔ اقامتِ صلوٰۃ سے اس کا

(۱) البقرۃ، ۲: ۲، ۳

مسلمان ہونا بالفعل متحقق ہوا اور ’’اِنفاق فی المال‘‘ کے ذریعے حقیقت میں وہ صاحبِ تقویٰ قرار پایا۔

اسی طرح ’’سورۃ آل عمران‘‘ میں جنت کے استحقاق کا بیان ہے جس کے الفاظ اِس طرح ہیں:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ.(۱)

’’اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آجاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہےo یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں۔‘‘

اِس آیت کا مفہوم اور اِس میں بیان ہونے والے دیگر اوصاف کی حقیقت پہلے واضح کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ خدا کے ہاں ’’متقین‘‘ کی سب سے پہلی اور ضروری خصوصیت ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہے۔ اِس کے بغیر قرآنی اصطلاح کے مطابق کسی بھی صاحبِ عمل کو ’’متقی‘‘ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں قرآنِ حکیم ’’الاتقیٰ‘‘ (بہت زیادہ متقی) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یہ تقویٰ سے اسمِ تفصیل کا صیغہ ہے۔ اس کی تعریف بھی قرآن مجید ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَیo الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَکّٰیo(۲)

’’اور اس (آگ) سے اس بڑے پرہیز گار شخص کو بچا لیا جائے گاo جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرےo‘‘

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۳، ۱۳۴

(۲) اللّیل، ۹۲: ۱۷، ۱۸

اِس آیت نے ''تقویٰ'' کا مبالغہ بھی ''اِنفاق'' کے عمل ہی سے متعین کیا اور ساتھ ہی اِس کا نتیجہ اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ○[1]

''اور عنقریب وہ (اللہ کی عطا سے اور اللہ اس کی وفا سے) راضی ہو جائے گا○''

یہی ہمارے موضوع کا ماحصل تھا کہ فعلِ اِنفاق رضائے اِلٰہی کے نصب العین کے حصول کی ضمانت مہیا کرتا ہے یعنی جو شخص ''اِنفاق فی المال'' کے ذریعے زیورِ تقویٰ سے آراستہ ہو گا، وہ نعمتِ رضائے اِلٰہی سے بھی ضرور بہرہ ور ہو کر رہے گا۔

(۴) عملِ اِنفاق اِجابتِ دعا کا باعث ہے

قرآن مجید میں ارشادِ باری ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○[2]

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں، بیشک آپ کی دعا ان کے لئے (باعثِ) تسکین ہے، اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے○''

آیتِ متذکرہ میں ترتیبِ الفاظ پر دوبارہ غور کرنے سے درج ذیل تین امور

(۱) اللّیل، ۹۲: ۲۱

(۲) التوبۃ، ۹: ۱۰۳

سامنے آتے ہیں:

۱۔ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً.

’’ان کے مال میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے صدقہ حاصل کیجئے۔‘‘

۲۔ تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا.

’’اس طرح ان کے اموال اور ان کے نفوس پاک و صاف ہو جائیں گے۔‘‘

۳۔ وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ط وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ○

’’اور اب ان کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ بیشک آپ کی دُعا اُنہیں سکونِ قلب عطا کر دے گی اور اللہ تعالیٰ (دعاؤں کو) سننے والا اور (اعمال کو) جاننے والا ہے○‘‘

سب سے پہلے صدقہ و اِنفاق کا عمل جاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس ’’اِنفاق‘‘ کے ذریعے تمہاری ظاہری و باطنی میل کچیل دُور ہو جائے گی۔ تمہارا قلب و باطن اور نفس، رُوحانی آلودگیوں سے پاک و صاف ہو جائے گا۔ تزکیہ و تجلیہ کا یہ عمل جو محض ’’اِنفاق فی المال‘‘ کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔ تمہیں ظلماتِ نفسانی سے نجات دلا دے گا۔ گویا خلقِ خدا کی منفعت اور فیض رسانی کو اپنا شعار بنا کر جب تم اپنے لئے بارگاہِ ایزدی کی طرف متوجہ ہو گے تو تمہاری دُعائیں قبولیت کے ساتھ نوازی جائیں گی اور یہ قبولیتِ دعا کا احساس تمہیں قلبی سکون عطا کرے گا۔ بیشک اللہ تمہاری ان دعاؤں کو بھی سنتا ہے جو تم اپنی منفعت کے لئے مانگتے ہو اور تمہارے اس عمل کو بھی جانتا ہے جو تم دوسروں کی منفعت کی خاطر کرتے ہو (یا نہیں کرتے) گویا خلقِ خدا کے حق میں صدقہ و اِنفاق جتنا کثیر ہو گا اسی قدر اجابتِ دُعا نصیب ہو گی اور اگر اِنسان دوسروں کی منفعت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے، دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہوئے دوسروں کے حق میں نفع بخشی، فیض رسانی اور دردمندی کا عمل نظر انداز کرتے ہوئے خود کو اپنے ذاتی مفادات اور حقوق و

منافع کے تنگ حصار میں محصور کر لے تو دُعائیں شانِ اجابت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتیں، رائیگاں تو وہ بھی نہیں جاتیں کیونکہ دُعا خود عبادت ہے اِس لئے ان کا اجر کسی نہ کسی طور مل ہی جاتا ہے لیکن دُعا کا مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

عام طور پر یہ سننے میں آتا ہے کہ ''ہماری تو دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ خدا جانے ہم نے کیا خطا کی ہے کہ ہمیں معافی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ہماری پریشانیاں ہی دُور نہیں ہوتیں'' وغیرہ وغیرہ۔

ہم اپنی دُعاؤں کی عدمِ قبولیت کا شکوہ تو کرتے ہیں لیکن اس امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دعاؤں کی قبولیت کے لئے ایک عمل بطور شرط مقدم ہے اور ہم نے اس کو اپنی زندگی سے کلیتًا خارج کر دیا ہے۔ شرط پوری نہ ہو تو صلے کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ وہ شرط یہی ہے جس کا ذکر مجملاً اُوپر کیا جا چکا ہے، قرآن مجید آیتِ مذکورہ کے بعد اگلی آیت میں اس شرط کو نئے انداز اور پر زور طریقے سے دوبارہ بیان کر رہا ہے:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ. (۱)

''کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی تو اپنے بندوں سے (ان کی) توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات اپنے دستِ قدرت سے) وصول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان ہےo اور فرما دیجئے: تم عمل کرو، سو عنقریب تمہارے عمل کو اللہ (بھی) دیکھ لے گا اور اس کا رسول (بھی) اور اہلِ ایمان (بھی)۔''

مدعائے آیت یہ ہے کہ اے خدا کے بندو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں

(۱) التوبۃ، ۹: ۱۰۴، ۱۰۵

سنتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں لیکن تمہاری دعاؤں کی قبولیت و اجابت کے لئے ایک شرط مقرر کر دی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے تمہیں جس مال و دولت سے نوازا ہے وہ ہماری امانت ہے۔ تمہارے ہی معاشرے اور گرد و پیش میں ہمارے کتنے بندے ایسے ہیں جو معاشرتی ناانصافیوں کا شکار ہو کر معاشی تعطل کی نذر ہو گئے ہیں۔ تم اگر ان کی پریشانیوں کی پرواہ نہ کرو، ان کے معاشی تعطل کو رفع کرنا اپنا فرض نہ سمجھو، اُنہیں ضروریاتِ زندگی بہم پہنچا کر اُن کی تخلیقی جدوجہد بحال کرنے کی سعی نہ کرو اور ان سے دل سوزی و دردمندی کا عملی مظاہرہ نہ کرو تو ہم سے کیسے توقع رکھتے ہو کہ ہم تم پر راضی ہو جائیں گے کیونکہ ان پریشان حال لوگوں کا ہماری ذات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو کچھ بھی صدقہ و خیرات تم اُنہیں دینا چاہو وہ ہم براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے وصول کرتے ہیں اور اپنی طرف سے اُنہیں عطا کرتے ہیں تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہونے پائے۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ تم یا تو ان کی پریشانیوں سے صرفِ نظر کئے رہتے ہو اور اگر کبھی اُن پر ترس کھا کر ان کی مالی اعانت کرتے بھی ہو تو اس قدر رعونت اور فخر و تمکنت کے ساتھ کہ وہ عمر بھر تمہارے احسان مند بنے رہیں۔ اس وقت تمہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ متکبرانہ اور متفخرانہ سلوک تم ان سے نہیں بلکہ اپنے خالق و مالک سے کر رہے ہو کیونکہ تمہارے صدقات وصول کرنے والا ہاتھ اُن لوگوں کا نہیں ''اللہ کا ہاتھ'' ہوتا ہے۔

غور تو کرو! اپنے رب سے ایسا نازیبا سلوک کرنے کے بعد تم توبہ اور دعا کی عدم قبولیت کا شکوہ بھی کرتے ہو۔ وہ ذات تو توّاب و رحیم ہے اس لئے تمہیں پھر بھی بخش دیتی ہے۔

ذرا سوچو تو سہی کیا اس طرزِ عمل کے بعد تم کسی قسم کے انعام و اکرام کے مستحق قرار دیئے جا سکتے ہو؟ لہٰذا اجابت و قبولیتِ دُعا کی متعدد صورتوں میں سے سب سے نمایاں صورت یہی ہے کہ انسان خلقِ خدا کے حق میں رحیم و کریم بن جائے۔ پھر اس کے رحم و کرم کے بے کنار نظاروں سے لُطف اندوز ہو سکے گا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من یرحم الناس یرحمه الله. (۱)

''جو بندوں پر رحم کرتا ہے اُسی پر خدا کی طرف سے بھی رحم کیا جاتا ہے۔''

(۵) عملِ اِنفاق تصدیقِ دین ہے اور ترکِ اِنفاق تکذیبِ دین

مذکورہ بالا عنوان اِس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ''اِنفاق فی المال'' دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تائید و تصدیق ہے اور اس سے انحراف دینِ حق کے جملہ مقاصد کی تکذیب و تردید ہے۔ اگر یہ حقیقت ہو تو پھر اِس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا کہ فعلِ انفاق ہی حصولِ نصب العین کا واحد ذریعہ ہے اور اس کے بغیر مقصدِ حیات کو پانے کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں۔ سب سے پہلے ہم اس کی شہادت دو ایسی قرآنی آیات سے پیش کرتے ہیں جن میں ''نیکی'' کی تصدیق اور تکذیب دونوں صورتوں کا موازنہ کیا گیا ہے، بلکہ اِس موازنے سے قبل بڑے حکیمانہ انداز سے ہر جنس میں تضاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے:

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ (۲)

''رات کی قَسم جب وہ چھا جائے (اور ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپا لے) ○
اور دن کی قَسم جب وہ چمک اٹھے ○''

ان دو آیات میں رات اور دن کا تضاد مذکور ہے اور ان کی الگ الگ علامتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اِسی طرح ''انسان'' کی جنس کو بھی دو مختلف انواع میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے:

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲: ۳۱۲، رقم: ۲۳۰۱
۲۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۱: ۴۸۳، رقم: ۷۷۸
(۲) اللّیل، ۹۲: ۱، ۲

وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰىO [(۱)]

''اور اس ذات کی (قَسم) جس نے (ہر چیز میں) نر اور مادہ کو پیدا فرمایاO''

''رات اور دن'' اور ''نر اور مادہ'' کی مذکورہ بالا دو مثالیں اور ان کے تضادات کو حلفیہ انداز میں بیان کرنے کے بعد اب ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰىO [(۲)]

''بیشک تمہاری کوشش مختلف (اور جداگانہ) ہےO''

یعنی کچھ لوگ اپنے عمل اور جد وجہد سے نیکی اور دین کی تصدیق کریں گے جبکہ کچھ لوگوں کی تگ و دو نیکی اور دین کی تکذیب سے عبارت ہو گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کس طرح ہو گا کہ کون نیکی کی تصدیق کر رہا ہے اور کون تکذیب؟

قرآن مجید نے اِس اَمر کا دوٹوک فیصلہ فرما دیا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰىO وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰىO فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰىO وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىO وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىO فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىO [(۳)]

''پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری اختیار کیO اور اس نے (اِنفاق و تقویٰ کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کیO تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گےO اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پرواہ رہاO اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایاO تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے

(۱) اللّیل، ۹۲: ۳

(۲) اللّیل، ۹۲: ۴

(۳) اللیل، ۹۲: ۵۔ ۱۰

سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے)o‘‘

ان آیات کی تصریح کے بعد موضوعِ متذکرہ کی تائید میں مزید کسی دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ قرآنِ مجید نے بڑے واشگاف الفاظ میں ’’انفاق‘‘ کو نیکی کی تصدیق اور ’’بخل‘‘ کو نیکی کی تکذیب قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا دینِ حق کی تصدیق وتکذیب کا معیار بھی لامحالہ یہی امتیاز قرار پائے گا۔ یہاں یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں نہ صرف انفاق کو ’’تصدیقِ حسنیٰ‘‘ اور ترکِ انفاق کو ’’تکذیبِ حسنیٰ‘‘ قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی ’’فعلِ انفاق‘‘ اپنائے گا اس کے لئے اس کی منزل اور نصب العین کا حصول نہایت آسان کر دیا جائے گا اور اس کے برعکس جو شخص بھی ترکِ انفاق یعنی بخل اور ارتکازِ دولت کے راستے پر گامزن ہوگا اس کے لئے منزلِ حق کا حصول دُشوار کر دیا جائے گا۔ اس قرآنی فیصلے میں کسی کے لئے کسی قسم کی کوئی اِستثنٰی یا رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ یہاں دو لفظ بڑے معنی خیز استعمال ہوئے ہیں:

مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰیo[1]

’’جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہاo‘‘

’’بخل‘‘ سے مراد اپنے سرمایہ و دولت کو خرچ نہ کرنا ہے۔ یہ ’’انفاق‘‘ کی متضاد حالت ہے جو ارتکاز اور اکتناز کی تمام صورتوں کو محیط ہے اور ’’استغناء‘‘ سے یہاں مراد معاشرے کے حاجتمند طبقے کی معاشی ضروریات سے صرفِ نظر کرنا ہے۔ اس میں ایک خاص نقطہ نظر کی نشاندہی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر معاشرے میں کچھ لوگ معاشی تعطّل کا شکار ہوں اور ان کی یہ حاجتمندی اور اضطراری حالت اُنہیں ضمیر فروشی، مصلحت کوشی اور عصمت فروشی تک مجبور کر رہی ہو تو یہ ان کی اپنی لا دینیت اور بے ضمیری ہے۔ اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں یا معاشرہ ہے۔ ان کے معاملے میں ہمارے اُوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ لوگ ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنی دینداری اور

(۱) اللیل، ۹۲: ۸

پارسائی کے تحفظ میں مصروف رہنا چاہتا ہیں۔ قرآن مجید ایسے نام نہاد دینداروں اور پارساؤں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے کہ جو شخص اپنی ذات اور انفرادی نیکیوں کے گنبد میں محصور رہ کر معاشرے کے دیگر پریشان حال لوگوں کے معاشی تعطّل کو رفع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا بلکہ اُنہیں اپنے حال پہ چھوڑ کر مستغنی اور بے نیاز رہنا چاہتا ہے تو وہ جان لے کہ اس کا یہ عمل نیکی اور دین کی تصدیق نہیں بلکہ تکذیب ہے اور جس نے نیکی اور دین کی تکذیب کی روش کو اختیار کیا تو وہ عذابِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (۱)

’’اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا ۝ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے) ۝‘‘

ایسا رویہ اختیار کرنے والا شخص دائمی خسارہ میں رہتا ہے کیونکہ جس مال کو اس نے سنبھال کر رکھا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا وہ مال آخرت میں اس کے کسی کام نہ آ سکے گا جہاں اس کو اس مال کی سخت ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس امر کی وضاحت کے ضمن میں قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝ (۲)

’’اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا ۝‘‘

(۶) سورۃ الماعون اور حقیقتِ اِنفاق

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حقیقت میں ’’اِنفاق فی المال‘‘ ہی تصدیق و

(۱) اللیل، ۹۲: ۹، ۱۰

(۲) اللیل، ۹۲: ۱۱

تکذیبِ دین کا معیارِ امتیاز ہے۔ ''سورۃ الماعون'' کا پورا مضمون اِسی امر کی تائیدی شہادت فراہم کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِo فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ o فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَo الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَo وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo[1]

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟o تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)o اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)o پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)o اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتےo''

آپ نے مذکورہ بالا سورت کا مضمون اوّل سے آخر تک ملاحظہ فرما لیا۔ اس میں ''دین کے جھٹلانے والوں'' کی اصل پہچان بیان کی گئی ہے۔ یوں تو بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کے اکثر لوگ اور بالخصوص مذہبی لیڈر ایک دوسرے کو یا عام گنہگار مسلمانوں کو ''مکذِّب بالدین'' یعنی دین کو جھٹلانے والا اور دین سے کفر کرنے والا قرار دیتے ہی رہتے ہیں لیکن اس سورت کے ذریعے ''تکذیبِ دین'' کا قرآنی معیار بھی جان لیجئے کہ وہ کیا ہے؟

قرآن مجید سوالیہ انداز میں اپنی بات کا آغاز کر رہا ہے کہ ''کیا آپ نے دین کو

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۱۔ ۷

جھٹلانے والا شخص دیکھا ہے؟ یا کیا آپ جانتے ہیں کہ دین کو جھٹلانے والے کون لوگ ہیں؟'' پھر خود ہی اس کا جواب دیتا ہے۔ یہاں تصدیقِ دین اور تکذیبِ دین کے معیار کے طور پر کسی مسلک یا اعتقاد کی بات نہیں کی گئی، توحید اور شرک کے مسائل کو بیان نہیں کیا گیا کیونکہ عقائدِ صحیحہ تو ہر مسلمان کے لئے شرطِ اوّلین ہیں۔ یہاں بات ہو رہی ہے ان لوگوں کی جو مسلمان ہیں۔ عقیدۃً کافر یا ملحد و مشرک نہیں بلکہ نمازی بھی ہیں۔ قرآن مجید یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں اور دینِ حق کے نام نہاد علمبرداروں میں بھی ''دین کے جھٹلانے والے'' موجود ہیں اور وہ کون ہیں؟ ان کی علامات کے طور پر قرآن مجید نے بقیہ آیات بیان کی ہیں۔

فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo

یہاں یتیم کا لفظ بطور علامت (Symbol) استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد تمام خستہ حال لوگ ہیں۔ آیت میں بیان کردہ لوگ وہ ہیں جو معاشرے کے بے سہارا یتیموں سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور ہمدردی و بہی خواہی کی کوئی تڑپ ان کے دلوں میں موجود نہیں ہوتی۔ ''دھکے دینے'' کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اپنے "Status" یعنی معاشرتی حیثیت کے برابر نہ سمجھتے ہوئے خود سے دُور رکھتے ہیں۔ ان سے لاتعلقی، بیگانگی اور کبر و نخوت کا سلوک کرتے ہیں بلکہ اُنہیں معاشرے پر بوجھ تصور کرتے ہیں۔ اس آیت کے ذریعے قرآن مجید نے ایک مخصوص ذہنیت کی نشاندہی کی ہے جو نام نہاد ''بڑے لوگوں'' میں فراوانی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِo

ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ حاجتمندوں اور مسکینوں کی معاشی کفالت کرنے کے لئے نہ خود تیار ہوتے ہیں اور نہ اس کے لئے دوسروں کو تیار کرتے ہیں یعنی ان ضرورت مندوں کو معاشی تعطّل سے نجات دلانے کے لئے ''اِنفاق فی المال'' نہیں

کرتے۔ ’’وَلَا يَحُضُّ‘‘ میں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان کی جدوجہد کا رُخ کبھی بھی یہ نہیں ہوتا کہ معاشرے کے اہلِ ثروت افراد کا روّیہ غریب اور بے سہارا لوگوں کی نسبت بدلا جائے۔ ’’ترغیب دلانے‘‘ سے مراد یہ ہے کہ اپنے قول و فعل اور سعی و کاوش سے دوسرے لوگوں کو اس امر کا قائل کیا جائے کہ ہمارے مال و دولت میں صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ معاشرے کے دیگر مستحق افراد کا بھی حق ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○ (۱)

’’اور ان کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا○‘‘

جس چیز کو قرآن مجید ایجابی اور وجوبی طور پر ’’حق‘‘ سے تعبیر کر رہا ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اُسے غیر ضروری یا محض نفل و استحباب قرار دے کر اس کی اہمیت کم نہیں کر سکتی۔ ’’حق‘‘ اُسے کہتے ہیں جس کا ادا کیا جانا ہر صورت میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر دینے والا رضا و رغبت سے کسی کا حق ادا نہ کرے تو حق دار اپنا حق جبراً بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اس کی صورت بھی باضابطہ ہو گی، بے ضابطہ نہیں۔ حق تو بہرحال حق ہی ہوتا ہے، کوئی مانے یا نہ مانے، ادا کرے یا نہ کرے، اس سے اس کی حقیقت متاثر نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی قانون کسی حق دار کو اس کے حق سے محروم گردان سکتا ہے۔ اگر کچھ لوگ اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کی بناء پر جائز طریقے سے اپنی ضروریات کے کفیل نہ ہوسکیں تو ان کی معاشی کفالت کا انتظام ان کا معاشرتی حق ہے جو اہلِ ثروت کے ذمے فرض اور لازم ہے۔ اگر وہ اپنا فرض ادا کریں تو اس میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہوگا بلکہ حق دار کو اس کا حق مہیا کیا جا رہا ہوگا۔ ہاں اگر ان کا معاشرتی مقام بلند کرنے کے لئے ان پر زائد از ضرورت کچھ خرچ کیا جائے تو یہ ’’فعلِ احسان‘‘ ہوگا جو انسان کو ’’انسانِ مرتضٰی‘‘ کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔

گویا جو لوگ نہ اپنے اندر ایسا داعیہ اور عمل رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی تحریک سے

(۱) الذّٰریٰت، ۵۱: ۱۹

دوسروں کو خودغرضانہ اور مفاد پرستانہ رویئے سے ہٹاتے ہیں بلکہ مسکینوں اور سفید پوش محتاجوں کو اسی مجبوری میں گرفتار دیکھ کر بے نیازی سے اپنا وقت گزار رہے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو دین کو جھٹلانے والے ہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنے ہی دین دار بنتے پھریں۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَo

یہاں قرآن مجید نے ’’اَلْمُصَلِّيْنَ‘‘ کی اصطلاح استعمال کر کے ایک اور عقدہ حل کر دیا۔ وہ یہ کہ تکذیبِ دین (یعنی دین کو جھٹلانے) کا فعل ظاہری عبادات کے التزام کے باوجود بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کچھ لوگ نماز وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے ہوں لیکن اس کے باوجود ان کا طرزِ عمل دینِ حق کو جھٹلانے کے مترادف ہو۔ قرآن حکیم اس امر کی وضاحت بڑے زور دار الفاظ میں کر رہا ہے کہ تباہی اور ہلاکت یا عذابِ آخرت کے حق دار ہیں وہ لوگ جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز کی رُوح ان کے عمل میں نہیں ہوتی یعنی روحِ نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اگر اس جگہ ’’هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ‘‘ سے مراد بھولنا یا یں معنی ہوتا کہ وہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتے یا نماز کو ترک کئے ہوئے ہیں تو ایسے لوگوں کو قرآن مجید کبھی بھی ’’المُصلّين‘‘ یعنی نمازی کی اصطلاح سے تعبیر نہ کرتا۔ قرآن حکیم کا ان لوگوں کے حق میں ’’نمازی‘‘ کا لقب استعمال کرنا اس حقیقت کو صراحت کے ساتھ واضح کر رہا ہے کہ وہ ’’فرض صلٰوۃ‘‘ تو ادا کرتے ہیں کیونکہ تارکِ صلٰوۃ کو قرآن مجید ’’مصلّی‘‘ نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بالالتزام یعنی باقاعدگی سے نماز نہ پڑھتا ہو تو اسے بھی قرآن ’’المصلّين‘‘ (نمازیوں) کے زمرے میں شامل نہیں کرسکتا اور پھر ایسے لوگوں کو ’’سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ‘‘ (نماز کو بھولے ہوئے) بھی نہیں کہا جا سکتا۔

’’سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوۃ‘‘ کی اصطلاح تقاضا کرتی ہے کہ نماز کو کلیتاً فراموش کر دیا گیا ہو۔

اور ’’اَلمُصلّین‘‘ کی اصطلاح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ لوگ نماز پڑھتے ہوں۔

لہٰذا ’’اَلمُصلّین‘‘ اور ’’سَاهُوْنَ عَنِ الصَّلٰوة‘‘ دونوں کا اکٹھا ہونا سوائے اس کے اور کسی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتا کہ ’’وہ ایسے لوگ ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود نماز کو فراموش کئے ہوئے ہیں‘‘ اس سے یہ ثابت ہوا کہ نماز پڑھ کر بھی نماز کو بھلایا جا سکتا ہے۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ نماز تو پڑھی جائے لیکن نماز کی اصل روح کو نظر انداز کر دیا جائے۔ الفاظِ قرآنی بھی اسی مفہوم کی تائید کرتے ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo [1]

’’پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o‘‘

اس کا مقصد یہ ہے کہ ’’وہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن نماز ان سے جس چیز اور طرزِ عمل کا تقاضا کرتی ہے اس کو کلیتًا پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں۔‘‘ اسی کو روحِ صلوٰۃ کا فراموش کرنا کہتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی نمازیں بارگاہِ ایزدی میں محض ریاکاری اور دکھلاوا قرار پا گئی ہیں۔

(۷) معاشی بحالی کی جدوجہد ہی روحِ نماز ہے

سوال یہ ہے کہ آخر وہ روحِ نماز کیا ہے؟ جسے فراموش کر کے پڑھی جانے والی تمام نمازیں خدا کے نزدیک ریاکاری بن جاتی ہیں اور بجائے بھلائی یا ثواب کے آخرت میں اذیت ناک عذاب یا تباہی و بربادی کا باعث بن جاتی ہیں؟

اس رُوحِ نماز کو فراموش کرنے کا ذکر قرآن مجید اسی سورت میں پہلے ہی واضح

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴، ۵

کر چکا ہے۔ ’’فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِo‘‘ یعنی اگر لوگ نماز پڑھ کر یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنا فرضِ بندگی اور تقاضائے دین پورا کر دیا درآنحالیکہ وہ اپنے معاشرے کے ضرورت مندوں اور بے سہارا لوگوں کی معاشی پریشانیوں کی کوئی پرواہ نہ کریں اور نہ اُنہیں ابتلاء کی اذیتوں سے نجات دلانے کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم ان لوگوں کو للکار کر کہہ رہا ہے کہ ’’اس طرح فریضۂ بندگی اور تقاضائے دین پورا نہیں ہوسکتا۔ ایسا طرزِ عمل خدا کے نزدیک ’’دین کی تکذیب‘‘ ہے، ایسی نمازیں دکھلاوا اور ریاکاری ہیں اور یہ ریاکارانہ عبادات جنت کا نہیں دوزخ کا باعث ہوں گی۔‘‘

خدا کی ذات تمہاری نمازوں اور دیگر عبادات کی محتاج نہیں اور نہ یہ عبادات مقصود بالذّات ہیں۔ نماز ہو یا کوئی اور عبادت وہ اسی لئے فرض کی جاتی ہے کہ وہ کسی اور اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے حصول کا ذریعہ بنے، اگر مقصد نظر انداز ہو جائے اور ذریعہ خود مقصود و مطلوب قرار پا جائے تو اس ذریعے کی اپنی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جیسے دولت اِنسانی زندگی میں حصولِ آسائش کا ذریعہ ہے۔ اگر مقصدِ آسائش پیشِ نظر نہ رہے اور دولت خود مقصد بن جائے تو اسے ’’بخل‘‘ کہیں گے اور ایسی دولت بخیل کے لئے کسی افادیت و منفعت کا باعث نہ رہے گی بلکہ اس شخص کے لئے ایسی دولت کا وجود بھی عذاب بن جائے گا۔ اسی طرح نماز اور دیگر عبادات کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے اِنسانی طرزِ عمل میں انقلاب آئے۔ انسان جس رب کے سامنے سربسجود ہو کر اس کی خالقیت و مالکیت اور اپنی غلامی و بندگی کا اعتراف کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ اب اس کی مخلوق کی خدمت کرے اور اسی کے حکم اور رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں کو آسودگی اور آسائش مہیا کرنے کے لئے خود کو وقف کر دے حتیٰ کہ اپنے وسائلِ دولت بھی سب سے پہلے خلقِ خدا کی معاشی ضروریات پر خرچ کرے۔ دردمندی اور نفع بخشی کے اسی طرزِ عمل کا نام ’’عین ایمان اور روحِ نماز‘‘ ہے جس کا ذکر ’’نیکی‘‘ کی تعریف میں قرآن مجید کے حوالے سے پہلے ہی کیا جا چکا ہے:

وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ ...... وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰکِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِی الرِّقَابِ.(۱)

’’بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے ...... اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے۔‘‘

گویا بندگی یہ ہے کہ انسان کس حد تک اپنے خالق و مالک کی رضا کی خاطر اس کے پریشان حال بندوں سے عملی ہمدردی اور بہی خواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اگر دل میں انسانیت کا یہ درد اور جذبۂ خدمت نہ ہو بلکہ اس کے برعکس زندگی کا طرزِ عمل خود غرضانہ، مفاد پرستانہ اور بہیمانہ ہو تو کوئی عبادت، عبادت نہیں اور نہ کوئی نماز، نماز ہے۔ یہ عمل دکھلاوا اور ریاکاری ہے، جو انسان کو خدا کے قریب کرنے کی بجائے جہنم کا ایندھن بنا دے گا۔

نماز کی روح اور دینِ نبوی ﷺ کی اصل یہی ہے کہ محبتِ الٰہی میں بندگانِ خدا کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔ معاشرے کے بے سہارا اور محتاج لوگوں کی خدمت و کفالت درحقیقت رضائے الٰہی اور قربِ الٰہی کا باعث ہے اور یہی مقصودِ صلوٰۃ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

يا عائشة! لا تردي المسکين ولو بشق تمرة يا عائشة! أحبي المساکين وقربيهم فإن الله يقربک يوم القيامة.(۲)

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۷، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بيهقي، السنن الکبری، ۷: ۱۲، رقم: ۱۲۹۳۱

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۶۷، رقم: ۱۴۵۳

۴۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۴: ۶۷، رقم: ۴۸۲۵ ←

’’اے عائشہ! کسی بھی محتاج اور ضرورت مند کو مایوس نہ کر خواہ کھجور کی گٹھلی ہی کیوں نہ دے سکو۔ مزید یہ کہ غریب اور محتاج لوگوں سے محبت کیا کرو اور ان سے قربت حاصل کیا کرو۔ بیشک (اس کے صلہ میں) اللہ تعالیٰ روزِ قیامت تمہیں اپنے قرب سے نوازیں گے۔‘‘

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: كالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر. (1)

’’بیوہ عورتوں اور محتاجوں کی خدمت و اعانت کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے برابر ہے اور اس نیکو کار کے برابر ہے جو (عمر بھر) ساری رات عبادت کرے اور دن کو روزے رکھے۔‘‘

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

...... ۵۔ مناوي، فيض القدير، ۲: ۱۵۲

۶۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۲۰۷، رقم: ۵۳۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من خلط في نذره طاعة بمعصية، ۲: ۷۲۴، رقم: ۲۱۴۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۱۰۰، رقم: ۳۰۶

أنا و كافل اليتيم في الجنة هكذا وأشار بالسبابة و الوسطى.(۱)

’’میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ ﷺ نے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا۔‘‘

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر سورۃ الماعون کی تعلیم کو اس طرح دہرایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا○(۲)

’’اور (اپنا) کھانا اللہ کی محبت میں (خود اس کی طلب و حاجت ہونے کے باوجود اِیثاراً) محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں○‘‘

اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول یہ تھا:

كان ابن عمر لا يأكل حتى يؤتى بمسكين يأكل معه.(۳)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جب تک کوئی حاجت مند مل کر کھانا نہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الطلاق، باب اللعان وقول الله تعالى والذين يرمون أزواجهم، ۵: ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان على الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۷۵، رقم: ۸۸۶۸
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۷، رقم: ۴۶۰
۵۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۲

(۲) الدهر، ۷۶: ۸

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب المؤمن يأكل في معي واحد، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۸
۲۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۹، رقم: ۸۴۱۷

کھاتا آپ کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔‘‘

(۸) غرباء کے معاشی حقوق کی ادائیگی اَصل دین داری ہے

جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے کہ روحِ نماز درحقیقت وہ جذبہ اور طرزِ عمل ہے جو معاشرے کے بے سہارا، ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کی زندگی سنوارنے سے عبارت ہے اور یہی عمل اصلِ دین ہے۔

ا۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُo فَکُّ رَقَبَةٍo اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍo یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍo اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍo ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِo اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِo وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِo(۱)

’’اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و افلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطّل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo پھر (شرط یہ ہے کہ ایسی جدّ و جہد کرنے والا) وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہیں اور باہم رحمت و شفقت کی تاکید کرتے ہیںo یہی لوگ دائیں طرف والے (یعنی اہلِ سعادت و مغفرت) ہیںo اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ بائیں طرف والے ہیں (یعنی اہلِ شقاوت و عذاب)

(۱) البلد، ۹۰: ۱۲۔ ۱۹

ہیں o“

مذکورہ بالا آیات نے ”العقبۃ“ (دینِ حق کی پیروی کا وہ اصل راستہ جو شہادت گہِ الفت ہے) کے عنوان سے جس عمل کا ذکر کیا ہے وہ صرف اور صرف ضرورت مندوں اور محتاجوں کے معاشی ابتلاء و تعطل کو دور کر کے انہیں زندگی میں آسودگی و آسائش مہیا کرنا ہے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی تخلیقی جد و جہد جاری رکھ سکیں۔ بالآخر اسی عمل کو شرطِ ایمان قرار دے کر صبر و تحمل اور باہمی مودت و رحمت کی تلقین کی گئی ہے اور ایسے لوگوں کو ”اصل دیندار اور جنتی“ قرار دیا گیا ہے جبکہ اس طرزِ عمل اور ہدایاتِ ربّانی سے انکار و انحراف کرنے والوں کو بے دین اور جہنمی قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اسی طرح قوم ثمود کی تباہی و ہلاکت کو بیان کرتے ہوئے قرآنِ مجید ”سورۃ الماعون“ کے مضمون کو پھر دہراتا ہے جس سے بے دینی کے قرآنی تصور کا اندازہ ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَo وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِo وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّاo وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّاo (۱)

”یہ بات نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ عزت اور مال و دولت کے ملنے پر) تم یتیموں کی قدر و اِکرام نہیں کرتےo اور نہ ہی تم مسکینوں (یعنی غریبوں اور محتاجوں) کو کھانا کھلانے کی (معاشرے میں) ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہوo اور وراثت کا سارا مال سمیٹ کر (خود ہی) کھا جاتے ہو (اس میں سے افلاس زدہ لوگوں کا حق نہیں نکالتے)o اور تم مال و دولت سے حد درجہ محبت رکھتے ہوo“

ان آیات کے بعد یہ فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ اس طرزِ عمل کو بے دینی اور قومِ ثمود کی تباہی کا

(۱) الفجر، ۸۹: ۱۷۔ ۲۰

باعث قرار دیا ہے۔

وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ○

سورۃ الماعون میں ’’دین کو جھٹلانے والوں‘‘ کی آخری علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی دسیسہ کاری کا یہ عالم ہے کہ وہ گھر کے برتنے کی معمولی چیزیں بھی اپنی ذات تک روک رکھتے ہیں۔ ان سے استفادہ و استعمال میں دوسروں کو شریک نہیں ہونے دیتے۔ یہاں عام نفع بخشی اور فیض رسانی کا تصور اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ قرآن مجید نے انسانی بہبود اور مفادِ عامہ کا وہ دینی ضابطہ مہیا کیا ہے کہ اشتراکیت سمیت دنیا کا کوئی اور نظامِ معیشت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اشتراکیت تو صرف ’’ذرائع پیداوار‘‘ کو مشترکہ عوامی افادیت کی چیز بنانا چاہتی ہے اور جہاں تک ذاتی استعمال کی چیزوں یعنی اشیائے صرف کا تعلق ہے، ان میں ہر مالک کو مکمل آزادی اور غیر مشروط و غیر محدود تصرف کا حق دیتی ہے لیکن اسلام تصورِ انفاق کی صورت میں دین کا جو وجوبی ضابطہ عطا کرتا ہے۔ اس میں اشیائے صرف یعنی گھر کے استعمال کی چیزوں میں بھی دوسروں کو حقِ انتفاع دیتا ہے۔ کوئی مالک ان اشیاء کی ملکیت بھی اس طرح غیر محدود اور غیر مشروط نہیں رکھ سکتا کہ دوسروں کی ضرورت کے باوجود انہیں ان سے محروم رکھا جا سکے بلکہ ایسا طرزِ عمل قرآن مجید کے واضح اعلان کے مطابق تکذیبِ دین ہے جسے سادہ لفظوں میں اسلام کے ساتھ کفر کہا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل و شواہد کے مطابق اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی تامل باقی نہیں رہنا چاہیے کہ ’’انفاق فی المال‘‘ ہی حقیقت میں تصدیقِ دین اور اس کا ترک تکذیبِ دین ہے۔ لہٰذا انفاق فی المال ہی رضائے الٰہی کے لئے عملی اساس کا درجہ رکھتی ہے۔

(۹) عملِ اِنفاق ہی رضائے اِلٰہی کی حقیقی اَساس ہے

اس اٹل اور نا قابلِ تردید حقیقت کو قرآن مجید نے ایک شاندار تمثیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○[1]

’’اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زور دار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے○‘‘

اس آیت نے موضوعِ متذکرہ کی صحت و حقانیت پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مدعائے آیت یہ ہے کہ جس طرح مرطوب آب و ہوا کے کسی علاقے میں اونچائی پر واقع باغ، بارش ہو یا نہ ہو، ہر حال میں پھل دیتا ہے اسی طرح ’’انفاق فی المال‘‘ تھوڑا ہو یا زیادہ ہر صورت میں رضائے الٰہی کا پھل لاتا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کی حتمی ضمانت جس انداز سے ’’عملِ انفاق‘‘ کے نتیجے میں بیان کی گئی ہے کسی اور عمل کے نتیجے میں نہیں کی گئی۔ اس تمثیل کے ذریعے دراصل یہ واضح کیا گیا ہے کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص رضائے الٰہی کی خاطر ’’انفاق‘‘ کرے اور اسے بالیقین رضائے الٰہیت کا ثمر نصیب نہ ہو۔ گویا ’’انفاق فی المال‘‘ اور ’’رضائے الٰہی‘‘ دونوں لازم و ملزوم ہیں یا ’’شرط‘‘ اور ’’صلہ‘‘ ہیں۔ اگر مطلوبہ شرط پوری کی جائے تو صلہ بہر صورت میسر آ کر رہے گا۔

قرآنِ مجید نے اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ یَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَیُدْخِلُهُمُ اللهُ فِیْ

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۵

رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُo(۱)

’’اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو، بیشک وہ ان کے لئے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo اور مہاجرین اور ان کے مددگار (انصار) میں سے سبقت لے جانے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے اور درجۂ احسان کے ساتھ اُن کی پیروی کرنے والے، اللہ ان (سب) سے راضی ہوگیا اور وہ (سب) اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی زبردست کامیابی ہےo‘‘

پہلی آیت نے ’’انفاق فی المال‘‘ کو ایجابی طور پر قربِ الٰہی اور قرب و رضائے رسول ﷺ کا باعث قرار دیا ہے اور دوسری آیت نے اس عمل کو احسان کے ساتھ تعبیر کرتے ہوئے رضائے الٰہی کی حقیقی اساس قرار دیا ہے۔

ماحصل

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حیاتِ انسانی کا اصل نصب العین اور مقصدِ وحید رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس کے لئے تحریک ’’تزکیۂ نفس کی آرزو‘‘ کی صورت میں شروع ہوتی

(۱) التوبة، ۹: ۹۹، ۱۰۰

ہے اور اس کا حصول ''فعلِ احسان'' سے ہوتا ہے لیکن فعلِ احسان کی واحد عملی اساس اور حقیقی صورت ''انفاق فی المال'' ہے، اس کے بغیر نہ ''احسان'' کا کوئی مفہوم باقی رہتا ہے اور نہ حصولِ نصب العین کی کوئی سبیل۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ''انفاق فی المال'' کی اہمیت و مقام کو سمجھتے ہوئے اس کو اپنی روزمرہ زندگی کے امور کا حصہ بنائیں۔

(۱۰) اِنفاق فی المال کے معاشی ثمرات

انفاق فی المال جہاں قربِ الٰہی، جذبۂ ایثار، حصولِ تقویٰ، علامتِ ایمان، طہارت و پاکیزگی، خیر و برکت، عمر میں اضافہ اور مصائب سے نجات دلاتا ہے وہاں اس کے معاشی ثمرات بھی بے حساب ہیں۔ ذیل میں ہم انفاق فی المال کی معاشی اہمیت و ثمرات کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

۱۔ امیر اور غریب کے درمیان خلیج کم ہو جاتی ہے۔

Decreasing the gap between Haves and Have-nots

۲۔ امیر اور غریب کے درمیان کشمکش، نفرت، عناد اور فساد کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

Removal of the rift between the Rich and the Poor

۳۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی خاطر غرباء اور مساکین وغیرہ پر خرچ کرنے والا فضول خرچی نہیں کرتا۔

Discouraging prodigality

۴۔ انفاق فی المال کے ذریعے تقسیمِ دولت میں توازن اور نظم پیدا ہوتا ہے۔

Balance and Discipline in the Distribution of Wealth

۵۔ احتکار اور اکتناز کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

Discouraging Accumulation and Hoarding

۶۔ ملک سے بے روزگاری (Unemployment) دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۷۔ حاجت مندوں کی کفالت کا بندوبست ہو جاتا ہے۔

۸۔ پیشہ ور گداگری، دوسروں پر بوجھ بننا اور معاشی جدوجہد سے اجتناب کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

۹۔ معیشت میں دولت کی گردش (Circulation of Wealth) سے اشیاء اور خدمات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور تجارت کے فروغ کی وجہ سے معاشی ترقی (Economic Development) کا حصول آسان اور یقینی ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ جب نادار، ضرورت مند اور معاشی استحصال کا شکار افراد کو روزگار ملتا ہے تو نہ صرف معاشی مثبت نتائج سامنے آتے ہیں بلکہ معاشرہ سے بہت سی معاشرتی برائیاں (چوری، ڈاکہ زنی، رہزنی، نفرت، حسد، قتل و غارت وغیرہ) بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ملک معاشی ترقی کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔

باب ششم

وَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(المائدة، ۵: ۲)

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

(متفق عليه)

اِسلامی معیشت میں اِمدادِ باہمی اور کفالتِ عامّہ کا نظام

اِمدادِ باہمی (Mutual Cooperation)

اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس کا عطا کردہ تصورِ فلاح و بہبود صرف نظریہ و عقیدہ تک ہی محدود نہیں بلکہ عملاً ایک نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مثالی اسلامی مملکت میں افرادِ معاشرہ کی سلامتی و فلاح کو یقینی بنانے کے لئے اسلام امدادِ باہمی اور کفالتِ عامہ کا تصور دیتا ہے۔ امدادِ باہمی سے مراد ''افرادِ معاشرہ کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے۔'' حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

خير الناس أنفعهم للناس.(۱)

''لوگوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو ان میں سے (عام) لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔''

منفعت فراہم کرنے سے مراد ہر شعبۂ زندگی میں دوسروں کی مدد و تعاون بھی ہے۔ خلقِ خدا ایک دوسرے سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جڑی ہوئی ہے۔ امدادِ باہمی اور تعاون کے بغیر معاشی و معاشرتی استحکام کے مفقود ہونے کا خطرہ ہوتا ہے لہٰذا اسلام نے امداد باہمی کا تصور دے کر افراد میں تعاون، اخوت، عزت و احترام اور خوشحال زندگی گزارنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔

کفالتِ عامہ سے مراد اسلامی مملکت میں آباد ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام ہے۔ ان بنیادی ضروریات میں غذا، لباس، رہائش، علاج اور وہ سب کچھ شامل ہے جن کی فراہمی پر انسان کی زندگی کی بقاء کا انحصار ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۶: ۵۸، رقم: ۵۷۸۷

۲۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۱۰۸، رقم: ۱۲۹

امدادِ باہمی کے فروغ کو قرآن حکیم نے ایک اصول اور قانون کے طور پر بیان فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.[1]

''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

یہ آیتِ مبارکہ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہے۔ ''تقویٰ'' اور ''اثم'' یعنی پرہیزگاری اور گناہ کا تعلق زندگی کے اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں سے، جبکہ ''بِرّ'' اور ''عدوان'' کا تعلق زندگی کے معاشرتی اور معاشی پہلوؤں سے ہے۔ ذیل میں ان امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ ان کی معنوی وسعت آشکار ہو سکے:

ا۔ تقویٰ

ارشادِ ربّانی ہے:

ا۔ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○[2]

''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ تم اس کے حضور پیش ہونے والے ہو، اور (اے حبیب!) آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں (کہ اللہ کے حضور ان کی پیشی بہتر رہے گی)○''

۲۔ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○[3]

''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان لو کہ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے○''

(۱) المائدة، ۵: ۲

(۲) البقرة، ۲: ۲۲۳

(۳) البقرة، ۲: ۲۳۳

۳۔ وَاتَّقُوا اللهَ وَاسْمَعُوْاط وَاللهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ○[1]

’’اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام کو غور سے) سنا کرو، اور اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا○‘‘

۲۔ اِثم

ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ.[2]

’’فرما دیجئے کہ میرے ربّ نے (تو) صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں (سب کو) اور گناہ کو۔‘‘

۲۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ○[3]

’’اور وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں○‘‘

۳۔ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ.[4]

’’جو لوگ چھوٹے گناہوں (اور لغزشوں) کے سوا بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔‘‘

اگرچہ ’’تقویٰ‘‘ اور ’’اِثم‘‘ کا تعلق زندگی کے مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں سے ہے

(۱) المائدۃ، ۵: ۱۰۸

(۲) الاعراف، ۷: ۳۳

(۳) الشوریٰ، ۴۲: ۳۷

(۴) النجم، ۵۳: ۳۲

مگر قرآن حکیم کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو بھی اس سے الگ نہیں کیا:

۴۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَo الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ يُنْفِقُوْنَo(۱)

’’(قرآن مجید) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہےo جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیںo‘‘

ان آیات مبارکہ میں مذہبی عقائد و احکام کے ساتھ معاشی زندگی کی اصلاح (انفاق فی سبیل اللہ) کو متقی لوگوں کی صفت بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم نے کئی مقامات پر ’’اثم‘‘ کو زندگی کے معاشرتی اور معاشی پہلوؤں پر بھی محیط قرار دیا ہے:

۵۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَـكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo(۲)

’’اور تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناحق نہ کھایا کرو اور نہ مال کو (بطورِ رشوت) حاکموں تک پہنچایا کرو کہ یوں لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم (بھی) ناجائز طریقے سے کھا سکو حالانکہ تمہارے علم میں ہو (کہ یہ گناہ ہے)o‘‘

۶۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌo(۳)

’’اور تم گواہی کو چھپایا نہ کرو، اور جو شخص گواہی چھپاتا ہے تو یقیناً اس کا دل

(۱) البقرۃ، ۲: ۲، ۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۸۸

(۳) البقرۃ، ۲: ۲۸۳

گنہگار ہے، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جاننے والا ہےo‘‘

۷۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا.(۱)

’’آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔‘‘

۳۔ برّ

ارشادِ ربّانی ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰـکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّکٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَo(۲)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) البقرة، ۲: ۱۷۷

کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں o‘‘

اس آیۂ مبارکہ میں نیکی کا جو تصور دیا گیا ہے وہ زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے:

عقائد: ایمان باللہ، ایمان بالرسالت والکتب اور ایمان بالآخرت

اعمال: قیامِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ

معاشرتی وظائف: رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین کی معاشی کفالت نیز زندگی کے ہر قدم پر مذکورہ بالا دستورِ حیات پر استقامت کے ساتھ کاربندی۔

۴۔ عدوان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ **ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ.** (۱)

’’پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کر رہے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے باہر نکال رہے ہو اور (مستزاد یہ کہ) ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے ساتھ (ان کے دشمنوں کی) مدد بھی کرتے ہو۔‘‘

۲۔ **وَتَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يُسَارِعُوۡنَ فِى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ‌ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ o** (۲)

(۱) البقرۃ، ۲: ۸۵

(۲) المائدۃ، ۵: ۶۲

اور آپ ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھیں گے جو گناہ اور ظلم اور اپنی حرام خوری میں بڑی تیزی سے کوشاں ہوتے ہیں۔ بیشک وہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت بُرا ہے o‘‘

اس وضاحت سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ برّ اور تقویٰ میں باہمی تعاون ہے یہ تصور زندگی کے ہر دائرے تک پھیلا ہوا ہے۔ ہم تعاون کی اس تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ باہمی معاشرتی تعاون (Mutual Social Cooperation)

۲۔ باہمی معاشی تعاون (Mutual Economic Cooperation)

۱۔ اِسلام میں باہمی معاشرتی تعاون

اسلام کے باہمی معاشرتی تعاون کا اصول قرآن و سنت کی مختلف نصوص سے واضح ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ.(۱)

’’بے شک (سب) اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے مؤمنین کے اسی بھائی چارے کو ایک جسم کی مانند قرار دیتے ہوئے باہمی معاشرتی تعاون کی وضاحت یوں فرمائی:

ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى.(۲)

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۰

(۲) ا۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

←

’’تم مؤمنین کو آپس میں مہربانی، شفقت اور لطف و کرم میں ایسے دیکھو گے جیسے کوئی جسم کہ جب اس میں کسی ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم (تکلیف میں مبتلا ہو کر) بے خوابی اور بخار کو دعوت دیتا ہے۔‘‘

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً وشبك أصابعه.(۱)

......۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۷۰

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۹، رقم: ۲۳۳

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۵۳، رقم: ۶۲۲۳

۶۔ عسقلاني، فتح الباري، ۱۰: ۴۳۹، رقم: ۵۶۶۴

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، أبواب المساجد، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، ۱: ۱۸۲، رقم: ۴۶۷

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب المظالم، باب نصر المظلوم، ۲: ۸۶۳، رقم: ۲۳۱۴

۳۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأداب، باب تعاون المؤمنين بعضهم بعضاً، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۸۰

۴۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۵

۵۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في شفقة المسلم على المسلم، ۴: ۳۲۵، رقم: ۱۹۲۸

۶۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۶۳، رقم: ۳۰۳۴۸

۷۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۴۰۴، رقم: ۱۹۶۲۴

۸۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳: ۲۷۹، رقم: ۷۲۹۵ ←

’’ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے ایسے ہے کہ جیسے عمارت جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں آپس میں گھ لیں۔‘‘

یہ ارشادِ نبوی ﷺ بھی باہمی معاشرتی تعاون کی دلیل ہے:

لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه. (۱)

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘

باہمی معاشرتی تعاون کی اَقسام

باہمی معاشرتی تعاون کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

...... ۹۔ ابن حبان، الصحيح، ۱: ۴۶۷، رقم: ۲۳۱

۱۰۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۸۷

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ۱: ۱۴، رقم: ۱۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، ۱: ۶۷، رقم: ۴۵

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب ۵۹، ۴: ۶۶۷، رقم: ۲۵۱۵

۴۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان وشرائعه، باب علامة الإيمان، ۸: ۱۱۵، رقم: ۵۰۱۶

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۶، رقم: ۱۲۸۲۴

(ا) باہمی سیاسی تعاون

اسلام میں ہر شہری کا سیاسی حق ہے کہ وہ حکمرانوں کا محاسبہ کرے اور انہیں مشورہ دے کیونکہ حکمران اُمت کے مستقبل کے ذمہ دار ہیں اس بنیاد پر معاشرہ اچھی سیاست کے فروغ کے لیے باہمی تعاون اور فساد و انحراف کا قلع قمع کرنے کا پابند ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته.(۱)

''تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی اس بات کی تائید کرتا ہے:

المسلمون تتكافأ دماؤهم يسعى بذمتهم أدناهم ويجير عليهم أقصاهم وهم يد على من سواهم.(۲)

''تمام مسلمانوں کے خون (کی حرمت) برابر ہے اور ان کی ذمہ داری پوری

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجمعة، باب الجمعة في قرى والمدن، ۱: ۳۰۴، رقم: ۸۵۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الجهاد، باب ما جاء في الإمام، ۴: ۲۰۸، رقم: ۱۷۰۵

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في السرد ترد على أهل العسكر، ۳: ۸۰، رقم: ۲۷۵۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الديات، باب المسلمون تتكافأ دماؤهم، ۳: ۸۹۵، رقم: ۲۶۸۳

کرنے کے لئے ان میں سے ادنیٰ بھی کوشش کرتا ہے، ان پر معاہدۂ امن کو پورا کرنا لازم ہے اور وہ دوسروں کے لئے باعثِ قوت ہیں۔‘‘

فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب کوئی بھی مسلمان کسی کو پناہ اور امان دے تو اس کا یہ عمل حکومت کے لئے بھی قابلِ احترام ہو گا اور وہ اس کی پابندی کرے گی خواہ پناہ دینے والا عالم ہو یا جاہل، مضبوط ہو یا ضعیف، مرد ہو یا عورت، سوائے اس صورت کے کہ اس کا یہ عمل مملکت کے مفادات کے خلاف ہو۔

اس کی تائید ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے کہ حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ میں ایک مشرک کو پناہ دی تو ان کے بھائی نے اسے پکڑ کر قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے یہ مسئلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قد أجرنا من أجرت يا أم هاني.(۱)

’’اے اُم ھانی! جسے تو نے پناہ دی اُسے ہم نے بھی پناہ دی۔‘‘

(۲) باہمی دفاعی تعاون

اسلامی مملکت کے ہر شہری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے شہری بھائیوں کے ساتھ باہمی دفاعی تعاون کرے اور مملکت پر حملہ کرنے والوں کے خلاف سینہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، أبواب الصلاة في الثياب، باب الصلاة في الثوب الواحد ملتحفا به، ۱: ۱۴۱، رقم: ۳۵۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الصلاة الضحى، ۱: ۴۹۸، رقم: ۳۳۶

۳۔ مالك، الموطأ، كتاب قصر الصلاة في السفر، باب الصلاة الضحى، ۱: ۱۵۲، رقم: ۳۵۶

سپر رہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا. (۱)

''تم ہلکے اور گراں بار (ہر حال میں) نکل کھڑے ہو۔''

ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ باہمی دفاعی تعاون میں دشمن پر حملہ آور ہو البتہ کوئی مریض ہو یا نابینا، اپاہج ہو یا معذور تو اس صورت میں اس پر حملہ واجب نہیں ہے۔ اسلام میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے باہمی دفاعی تعاون ضروری قرار دیا ہے۔ اس طرح ہمیں یہ تعلیم بھی دی گئی ہے کہ ہم دنیاوی مفاد کی خاطر باہمی مقاتلہ کا ارتکاب نہ کریں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

إذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول في النار. (۲)

''جب دو مسلمان آپس میں تلوار لے کر مقابلہ کریں (اور ان میں سے کوئی قتل ہو جائے تو) قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔''

---

(۱) التوبة، ۹: ۴۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وإن طائفتان من المسلمین اقتتلوا فأصلحوا بینهما فسماهم المؤمنین، ۱: ۲۰، رقم: ۳۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسیفیهما، ۴: ۲۲۱۴، رقم: ۲۸۸۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الفتن والملاحم، باب في النهي عن القتال في الفتنة، ۴: ۱۰۳، رقم: ۴۲۶۸

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الفتن، باب إذا التقی المسلمان بسیفیهما، ۲: ۱۳۱۱، رقم: ۳۹۶۴

امتِ مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ قتل و غارت سے اجتناب کرے۔ قرآنِ مجید نے اس سے سختی سے منع کیا ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. (۱)

’’اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو اُن کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے○ بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو۔‘‘

(۳) باہمی تعزیری تعاون

جب کوئی شخص کسی کو قتل کرے اور قاتل نامعلوم ہو تو شرعی اَحکام کے مطابق اس جگہ کو دیکھا جائے جہاں مقتول کی نعش پائی گئی ہے اور مقتول کے وارث اس جگہ رہنے والے پچاس آدمیوں سے قسم لیں کہ وہ قاتل کو نہیں جانتے اور نہ ہی انہوں نے اسے پناہ دی ہے۔ جب وہ قسم اٹھا لیں تو ایسی صورتحال میں دیت اہلِ علاقہ (جہاں قتل ہوا ہے) یا جن لوگوں نے قسمیں کھائیں، ان سے وصول کی جائے گی کیونکہ شریعت نے مقتول کی دیت ادا کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ مقتول کے ورثاء کو دی جائے گی۔

(۱) الحجرات، ۴۹: ۹، ۱۰

اِمام سرخسی لکھتے ہیں:

إذا وجد الرجل قتيلًا في محلة قوم، فعليهم أن يقسم منهم خمسون رجلًا، باﷲ ما قتلناه ولا علمنا له قاتلًا، ثم يغرمون الدية.(۱)

’’جب کوئی آدمی کسی مقتول (کی نعش) کو کسی ایسے علاقے سے پائے جہاں لوگ رہتے ہوں تو ان (علاقے والوں) پر لازم ہے کہ ان میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ بخدا انہوں نے اس آدمی کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی قاتل کو جانتے ہیں، پھر وہ دیت دیں گے۔‘‘

اگر وہ لوگ دیت ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو بیت المال سے دیت ادا کی جائے گی۔ یہ حکم ہر اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے جہاں دیت واجب ہوتی ہے اور قاتل یا اس کا خاندان دیت ادا نہیں کرسکتا تو ایسی صورت میں بیت المال پر دیت کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے کہ وہ قاتل کی جگہ اسے ادا کرے۔

دیت کا بیت المال کی طرف سے ادا کیا جانا مقتول کے خاندان کے ساتھ باہمی تعاون کی ایک صورت ہے جو قانونی سزا کے دیئے جانے میں ہوتا ہے۔

(۴) باہمی اخلاقی تعاون

اسلام معاشرے کو عام اخلاقی قدروں کا محافظ سمجھتا ہے، اس کی وجہ سے معاشرے کے لئے لازم ہے کہ وہ اخلاقی قدروں کو پامال کرنے والوں کو برا جانے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے باہمی اخلاقی تعاون کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ **مثل القائم على حدود اﷲ والواقع فيها كمثل قوم استهموا**

(۱) سرخسي، المبسوط، ۲۶: ۱۰۹

على سفينة فأصاب بعضهم أعلاها وبعضهم أسفلها فكان الذين في أسفلها إذا استقوا من الماء مرّوا على من فوقهم فقالوا: لو أنا خرقنا في نصيبنا خرقًا ولم نؤذ من فوقنا فإن يتركوهم وما أرادوا هلكوا جميعًا وإن أخذوا على أيديهم نجوا ونجوا جميعًا. (۱)

''اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے اور اس کو توڑنے والے کی مثال اس قوم کی سی ہے جس نے سوار ہونے کے لئے قرعہ ڈالا۔ بعض کے نامے اوپر والے حصہ میں آئے اور بعض کے نچلے حصہ میں۔ جو لوگ نچلے حصے میں تھے انہیں (دریا سے) پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا۔ ان (نیچے والوں) نے کہا: اگر ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیں تو اوپر والوں کو تکلیف دینے سے بچ جائیں گے۔ اب اگر اوپر والوں نے، چھوڑ دیا (کہ وہ سوراخ کر لیں) تو سارے کے سارے ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تو خود بھی نجات پائی اور سب کو بھی بچا لیا۔''

ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں اخلاقی تعاون کی دوسری مثال کچھ یوں ہے:

۲۔ من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإيمان. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب هل يقرع في القسمة والاستهام فيه، ۲: ۸۸۲، رقم: ۲۳۶۱

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الفتن، باب ۱۲، ۴: ۴۷۰، رقم: ۲۱۷۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ۱: ۶۹، رقم: ۴۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، ۴: ۱۲۳، ←

’’تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اسے اپنی زبان سے برا کہے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو اسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کی ضعیف ترین حالت ہے۔‘‘

(۵) باہمی علمی تعاون

حضور نبی اکرم ﷺ نے عالم پر لازم کیا ہے کہ وہ جاہل کو پڑھائے اور جاہل پر فرض ہے کہ وہ عالم سے سیکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

العالم والمتعلم شريكان في الأجر ولا خير في سائر الناس. (۱)

’’عالم اور متعلم دونوں اجر میں برابر کے شریک ہیں جبکہ باقی لوگوں میں کوئی خیر نہیں۔‘‘

ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مسلمانوں کی بھلائی کی تعریف کی پھر فرمایا:

ما بال أقوام لا يفقهون جيرانهم، ولا يعلمونهم، ولا يعظونهم، ولا يأمرونهم، ولا ينهونهم، وما بال أقوام لا يتعلمون من جيرانهم، ولا يتفقهون، ولا يتعظون، والله ليعلمن قوم جيرانهم، ويفقهونهم، ويعظونهم، ويأمرونهم، وينهونهم، وليتعلمن قوم من

------ رقم: ۴۳۴۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان، ۸: ۱۱۱، رقم: ۵۰۰۸

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ۱: ۸۳، رقم: ۲۲۸

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۲۲، رقم: ۴۹۳

جيرانهم، ويتفقهون، ويتعظون أو لأعاجلنهم العقوبة.(1)

''اس قوم کا کیا حال ہوگا جو اپنے پڑوسیوں کو نہ تو سمجھاتے ہیں، نہ پڑھاتے ہیں، نہ نصیحت کرتے ہیں، نہ انہیں (نیکی کا) حکم دیتے ہیں اور نہ انہیں (برائی سے) منع کرتے ہیں۔ اور اس قوم کا کیا حال ہوگا جو نہ تو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کرتے ہیں، نہ ان سے سمجھتے ہیں اور نہ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں بخدا! قوم اپنے پڑوسیوں کو ضرور تعلیم دے، سمجھائے، انہیں نصیحت کرے اور (نیکی کا) حکم دے اور (برائی سے) روکے۔ اور قوم کو اپنے پڑوسیوں سے ضرور سیکھنا چاہیے اور ان سے مسائل سمجھنے چاہئیں، یا پھر میں انہیں جلد سزا دوں گا۔''

۲۔ اِسلام میں باہمی معاشی تعاون

اسلام نے لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر کرنے پر بڑی توجہ دی ہے اور ان کے مال و دولت کے ضائع ہونے اور فضول خرچ ہو جانے سے حفاظت کی ہے۔ اسی لیے فضول جگہوں پر مال استعمال کرنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا حکومت پر واجب ہے کہ وہ ارتکازِ دولت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرے اور ان کے جمع شدہ اموال کو مناسب قیمت اور معقول منافع کے ساتھ پبلک میں تقسیم کر دے۔

اسی طرح حکومت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اموال میں تصرف کرنے سے منع کرے جو پاگل، کم عقل، بے وقوف اور اسراف و تبذیر کرنے والے ہوں اور یہ ممانعت اس وقت تک رہے جب تک ان کا پاگل پن اور بے وقوفی زائل نہیں ہو جاتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيٰمًا.(2)

(1) ۱۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۷۱، رقم: ۲۰۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۴، رقم: ۷۴۸

(2) النساء، ۴: ۵

’’اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔‘‘

باہمی معاشی تعاون پر چند اَحادیث

۱۔ حضرت ابو موسیٰ ﷛ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم.(۱)

’’جب دورانِ جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہو گیا یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے اہل و عیال کے لئے کھانا کم پڑ گیا تو انھوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا اسے ایک کپڑے میں جمع کیا، پھر اسے ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر دیا، (اسی لیے) وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔‘‘

۲۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحابِ صفہ غریب تھے جن کے پاس بعض اوقات کھانے کو بھی نہ ہوتا تھا ان کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين﷡، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۳۲

۴۔ ديلمي، الفردوس بما ثور الخطاب، ۱: ۲۳۲، رقم: ۸۸۸

۵۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۱۸۰

أربعة فليذهب بخامس أو سادس. (۱)

''جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس میں تیسرے کو بھی شامل کرے اور اگر چار کا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں پانچویں یا چھٹے بندے کو بھی شامل کرے۔''

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

طعام الاثنين كافي الثلاثة وطعام الثلاثة كافي الأربعة. (۲)

''دو افراد کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین افراد کا کھانا چار کے لئے کافی ہے۔''

۴۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر مع الضيف والأهل، ۱: ۲۱۷، رقم: ۵۷۷

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۲۰۵۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۱۷۰۲

۵۔ أبو عوانه، المسند، ۵: ۲۰۲، رقم: ۸۳۹۸

۶۔ عجلونی، کشف الخفاء، ۲: ۵۱ رقم: ۱۶۵۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۵: ۲۰۶۱، رقم: ۵۰۷۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة في الطعام القليل وأن طعام الاثنين يكفي الثلاثة ونحو ذلك، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

طعام الواحد يكفي الاثنين، وطعام الاثنين يكفي الأربعة، وطعام الأربعة يكفي الثمانية.(۱)

’’ایک شخص کا کھانا دو کے لئے کافی ہوتا ہے، دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

۵۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ليس بالمؤمن الذي يبيت شبعانًا وجاره جائع إلى جنبه.(۲)

’’وہ مؤمن نہیں جس نے خود تو شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔‘‘

۶۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب فضيلة المؤاساة في الطعام القليل وأن الطعام الاثنين يكفي الثلاثة ونحو ذلك، ۳: ۱۶۳۰، رقم: ۲۰۵۹

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في طعام الواحد يكفي الاثنين، ۴: ۲۶۷، رقم: ۱۸۲۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين، ۲: ۱۰۸۴، رقم: ۳۲۵۴

۴۔ دارمي، السنن، ۲: ۱۳۶، رقم: ۲۰۴۴

۵۔ بزار، المسند، ۱: ۲۴۰، رقم: ۱۷۷

۶۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵۹، رقم: ۷۴۴۴

۷۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۳۰۸

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۵، رقم: ۲۱۶۶

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۵۹، رقم: ۷۵۱

فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحد منا في فضل.(۱)

''جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہے وہ اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس کھانا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مال کی بہت سی اقسام بیان کیں حتی کہ ہم نے محسوس کیا کہ زائد مال میں سے ہمارا کوئی حق نہیں۔''

۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إذا أنزل الله بقوم عذابًا، أصاب العذاب من كان فيهم، ثم بعثوا على أعمالهم.(۲)

''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو یہ عذاب ہر اس شخص پر پہنچتا

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۳۲۶، رقم: ۱۰۶۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الفتن، باب إذا أنزل الله بقوم عذابًا، ۶: ۲۶۰۲، رقم: ۶۶۹۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالى عند الموت، ۴: ۲۲۰۶، رقم: ۲۸۷۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۰، رقم: ۴۹۸۵

۴۔ أبو يعلى، المسند، ۹: ۴۳۰، رقم: ۵۵۸۲

۵۔ قضاعي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۲۵۳، رقم: ۹۷۸

ہے جو اس قوم میں سے ہوتا ہے، پھر ان کو ان کے اعمال کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔‘‘

۸۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من مات وعليه صيام صام عنه وليه. (۱)

’’جو شخص فوت ہو جائے در آنحالیکہ اس پر روزہ فرض تھا تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔‘‘

۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ میرے پاس سے گزرے جبکہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ کر فرمایا:

أعمم ولا تخص فإن بين الخصوص والعموم كما بين السماء والأرض. (۲)

’’اے میرے چچا زاد بھائی! اس دعا کو عام کرو (یعنی فقط اپنے لئے رحم طلب نہ کرو بلکہ دوسروں کو بھی اس میں شامل کرو) خاص نہ کرو کیونکہ خاص اور عام میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین اور آسمان کے مابین ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب من مات وعليه الصوم، ۲: ۶۹۰، رقم: ۱۸۵۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصوم، باب قضاء الصيام على الميت، ۲: ۸۰۳، رقم: ۱۱۴۷

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الصوم، باب فيمن مات وعليه صيام، ۲: ۳۱۵، رقم: ۲۴۰۰

(۲) ۱۔ هندي، كنز العمال، ۲: ۸۵، رقم: ۳۲۵۹

۲۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۲۶، رقم: ۲۱۶۳

۱۰۔ عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومتِ وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

إني حريص على أن لا أرى حاجة إلا سددتها، ما أتسع بعضنا لبعض، فإذا عجز ذلک عنا تأسينا في عيشنا حتى نستوي في الكفاف، ولوددت أنكم علمتم من نفسي مثل الذي وقع فيها لكم، ولست معلمكم إلا بالعمل، إني والله لست بملک فاستعبدكم، ولكني عبد الله عرض عليّ الأمانة فإن ابيتها ورددتها عليكم واتبعتكم حتى تشبعوا في بيوتكم وترووا سعدت بكم، وإن أنا حملتها واستتبعتكم إلى بيتي شقيت بكم، ففرحت قليلًا وحزنت طويلًا، فبقيت لا أقول ولا أرد فأستعتب. (۱)

’’مجھے اسی بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی (تمہاری) کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں، جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعے گزر اوقات کریں گے یہاں تک کہ سب کا معیارِ زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمہارا کتنا خیال ہے۔ لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعے ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں (خلافت و حکومت کی) امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ (تمہاری امانت سمجھ کر) تمہاری طرف واپس کردوں اور (تمہاری خدمت و

(۱) ابن کثیر، البداية والنهاية، ۷: ۴۶

ادائے حقوق کے لئے) تمہارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمہارے ذریعے فلاح پاؤں گا اور اگر میں اسے اپنا بنا لوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور (اپنے حقوق طلب کرنے کے لئے) اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں تو تمہارے سبب میرا انجام خراب ہوگا۔ (دنیا میں) کچھ عرصے خوشی منالوں گا مگر (آخرت میں) عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔‘‘

کفالتِ عامہ

لفظ کفالت ذمہ داری، ضمانت، بار اٹھانا کے معانی میں اردو اور عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کفالتِ عامہ کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

’’اسلامی ریاست کے تمام باشندگان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کا اہتمام کرنا۔ ان بنیادی ضروریات میں خوراک، لباس، رہائش، تعلیم، علاج اور انصاف خصوصی طور پر شامل ہیں۔‘‘

کفالتِ عامہ کی اہمیت قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اسلامی ریاست کے اولوا الامر حضرات کو کفالتِ عامہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ مثلاً:

من ولاه الله ﷻ شيئًا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون صاحبة وخلته وفقره. (۱)

’’جسے اللہ ﷻ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔‘‘

ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصيحه إلا لم يجد رائحة الجنة. (۲)

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من الأمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

''جس بندہ کو خدا نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور اس نے اس کے ساتھ پوری خیرخواہی نہ برتی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔''

کفالتِ عامہ کے فریضہ کی عملاً ادائیگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر حکمرانانِ ملتِ اسلامیہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ پیش پیش ہیں جس کی تفصیل اسلامی کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔

کفالتِ عامہ میں نہ صرف اسلامی ریاست کے مسلمان شہری شامل ہیں بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی وہی حیثیت حاصل ہے جو مسلمانوں کو۔

اسلام کے عطا کردہ نظامِ معیشت میں کفالتِ عامہ اور امدادِ باہمی کی ذمہ داریاں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلامی ریاست کے سپرد کی گئی ہیں۔ کفالتِ عامہ کی تفصیل سمجھنے کے لئے ہم اسے دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔

۱۔ انفرادی کفالت

۲۔ اجتماعی کفالت

۱۔ اِنفرادی کفالت

انفرادی سطح پر معاشرہ میں مستحق افراد کی کفالت کے تصور کو قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝[1]

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے

(۱) البقرة، ۲:۲۶۷

تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو اور اس میں سے گندے مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کا ارادہ مت کرو کہ (اگر وہی تمہیں دیا جائے تو) تم خود اسے ہرگز نہ لو سوائے اس کے کہ تم اس میں چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ بیشک اللہ بے نیاز لائقِ ہر حمد ہےo‘‘

۲۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ج وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌلَّكُمْ ط وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌo[1]

’’اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہو گی) اور اگر تم انہیں مخفی رکھو اور وہ محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمہارے لئے (اور) بہتر ہے، اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمہارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا، اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہےo‘‘

۳۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo[2]

’’جو لوگ (اللہ کی راہ میں) شب و روز اپنے مال پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (روزِ قیامت) ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گےo‘‘

اس تصور کی وضاحت احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی ملتی ہے:

۱۔ ليس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع إلى جنبه.[3]

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۱

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۴

(۳) ۱۔ أبو يعلی، المسند، ۵: ۹۲، رقم: ۲۶۹۹ ←

’’وہ شخص کامل مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا پڑا رہے۔‘‘

٢۔ ما آمن بي من بات شبعانًا وجاره جائع إلی جنبه وهو يعلم به. (١)

’’وہ آدمی میرے اوپر ایمان نہ لایا جس نے خود تو رات سیر ہوکر بسر کی مگر اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا سویا اور یہ بات اس کے علم میں بھی تھی۔‘‘

٣۔ أيما أهل عرصة أصبح فيهم امرؤ جائع فقد برئت منهم ذمة الله تعالی. (٢)

’’جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت اور نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے۔‘‘

------ ٢۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ٤: ١٨٤، رقم: ٧٣٠٧

٣۔ بيهقي، السنن الکبری، ١٠: ٣

٤۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ٨: ١٦٧

(١) ١۔ طبراني، المعجم الکبير، ١: ٢٥٩، رقم: ٧٥١

٢۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ٢: ١٥، رقم: ٢١٦٦

٣۔ منذري، الترغيب والترهيب، ٣: ٢٤٣، رقم: ٣٨٧٤

٤۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ٨: ١٦٧

(٢) ١۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٢: ٣٣، رقم: ٤٨٨٠

٢۔ أبو يعلی، المسند، ١٠: ١١٧، رقم: ٥٧٤٦

٣۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ٢: ١٤، رقم: ٢١٦٥

٤۔ منذري، الترغيب والترهيب، ٢: ٣٦٣، رقم: ٢٧٣٦

۲۔ اجتماعی کفالت

اسلام نے نہ صرف انفرادی سطح پر کفالتِ عامہ کی تلقین و حوصلہ افزائی کی بلکہ اجتماعی سطح پر بھی اسے ایک نظام کے طور پر متعارف کروایا۔ جس کی سیرتِ نبوی ﷺ میں عملی تفسیر مواخاتِ مدینہ کی صورت میں ملتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے اور اسلامی سلطنت کا سنگِ بنیاد رکھا تو سب سے پہلے جو مسئلہ درپیش تھا وہ مہاجرین گھرانوں کی رہائش و خوراک کا تھا۔ کیونکہ مہاجرین اپنی ہر طرح کی منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں مکہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے۔

ریاستِ مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کے پاس اس قدر وسائل نہیں تھے کہ ان مہاجرین کی آبادکاری، رہائش اور دیگر ضروریات کا انتظام کیا جاتا۔ آپ ﷺ نے مہاجرین کو ان کے حال پر چھوڑنے کی بجائے اہلِ مدینہ، جو بعد میں انصار کہلائے، اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرما کر اس مسئلہ کو نہ صرف مستقل طور پر حل کر دیا بلکہ ایک اسلامی ریاست میں اجتماعی سطح پر کفالتِ عامہ کے تصور کو بھی عملاً واضح کر دیا۔ مہاجرین و انصار کے اس تعلق کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ.(۱)

’’بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے (اللہ کے لئے) وطن چھوڑ دیئے اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔‘‘

انصار زراعت پیشہ اور زمینوں اور باغات کے مالک تھے۔ اپنے ذاتی اثاثوں

(۱) الانفال، ۸: ۷۲

سے قدرتی محبت کے باوجود انصار نے مہاجرین کے لئے آپ ﷺ کو یہ پیشکش کی:

اقسم بيننا وبين إخواننا النخيل. (۱)

’’(یا رسول اللہ!) ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان ان باغات کو تقسیم فرما دیں۔‘‘

انصار کی طرف سے یہ پیشکش صرف زمینوں اور باغات میں ہی نہیں تھی بلکہ وہ عقدِ مواخات کے بعد اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں لے گئے اور اپنا کل اثاثہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ آدھا تمہارا ہے اور آدھا ہمارا، انصار میں جس کے دو مکانات تھے انہوں نے ایک اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا۔ حتیٰ کہ جس انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی کو ایک بیوی کی بھی پیشکش کر دی کہ جس کو چاہو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تو اس سے شادی کر سکے۔ ذیل میں ایک انصاری صحابی کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں جنہیں امام بخاری نے نقل کیا ہے:

فاقسم مالي نصفين، ولي مرأتان فالنظر أعجبهما إليک فسمها لي أطلقها فإذا انقضت عدتها فتزوجها. (۲)

’’میرے مال کو دو حصوں میں تقسیم کر لو (ایک حصہ تمہارا اور ایک حصہ ہمارا)، اور میری دو بیویاں ہیں (ان دونوں کو) دیکھ لو اور جو تجھے پسند ہو اس کا نام مجھے بتا دو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لے

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب إذا قال اكفني مؤونة النخل أو غيره وتشركني في الثمر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۲۲۰۰

۲۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۲۰۲، رقم: ۶۳۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، ۳: ۱۳۷۸، رقم: ۳۵۶۹

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵: ۸۶، رقم: ۸۳۲۲

تو تُو اس سے شادی کر لینا۔‘‘

الغرض حضور نبی اکرم ﷺ نے مہاجرین کی خوراک، روزگار، رہائش اور آباد کاری کا یوں ہنگامی طور پر انتظام فرمایا اور کفالتِ عامہ کی ایسی مثال قائم کر دی جو ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

معاشی کفالت کا تصور قرآن و حدیث کی روشنی میں

اَفرادِ معاشرہ کی معاشی ضروریات اور قرآن مجید کے الفاظ میں ’’رِزق‘‘ کی فراہمی اللہ ﷻ نے اپنے ذمۂ کرم پر لے رکھی ہے:

۱۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللهِ رِزْقُهَا.(۱)

’’اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَاق اَللهُ یَرْزُقُهَا وَاِیَّاکُمْ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُo(۲)

’’اور کتنے ہی جانور ہیں جو اپنی روزی (اپنے ساتھ) نہیں اٹھائے پھرتے اللہ انہیں بھی رزق عطا کرتا ہے اور تمہیں بھی، اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہےo‘‘

سورۃ الفاتحہ میں اللہ ﷻ نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا:

۳۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo(۳)

(۱) ہود، ۱۱: ۶

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۶۰

(۳) الفاتحۃ، ۱: ۱

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پرورش فرمانے والا ہےo''

ایک اور مقام پر رزق کی فراہمی کو اپنے ذمۂ کرم پر لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۴۔ **وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ.** (۱)

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

الخلق عيال الله. (۲)

''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔''

رزق کی فراہمی کی یہ ذمہ داری جو رب العالمین نے اپنے ذمۂ کرم پر لی، اسلامی ریاست کے اندر نیابتِ الٰہی میں اسلامی حکومت کی طرف سے انجام دی جائے گی۔ مشہور حنفی فقیہ سید علی زادہ اِسلامی حکومت کے اس فریضہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا يدع فقيرًا في ولايته إلا أعطاه ولا مديونًا إلا قضى عنه دينه ولا ضعيفًا إلا أعانه ولا مظلومًا إلا نصره ولا ظالمًا إلا منعه عن الظلم ولا عاريًا إلا كساه كسوة. (۳)

---

(۱) الانعام، ٦: ۱۵۱

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۳٦۵، رقم: ۵۵۴۱

۲۔ أبو يعلى، المسند، ٦: ٦۵، رقم: ۳۳۱۵

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۱

(۳) سيد علي زاده، شرح شرع الإسلام

’’اسلامی ریاست کا امیر اپنی مملکت میں کوئی ایسا فقیر نہ چھوڑے جس کو عطا نہ کرے اور کوئی ایسا مقروض نہ چھوڑے جس کی طرف سے قرض کو ادا نہ کرے اور کوئی کمزور نہ چھوڑے مگر یہ کہ اس کی مدد کرے اور کوئی مظلوم نہ چھوڑے مگر اس کی مدد کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور کوئی ننگا نہ چھوڑے جس کو پہنا نہ دے۔‘‘

قرآن و حدیث کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ خلفائے راشدین نے اپنے دورِ خلافت میں اس ذمہ داری کا کمال احساس رکھا اور اسے پورا کرنے کے لئے مصروفِ کار رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو مات جمل ضياعاً على شط الفرات لخشيت أن يسألني الله عنه. (۱)

’’اگر ساحلِ فرات پر کوئی بے سہارا اونٹ مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھ سے اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔‘‘

دوسری روایت میں ہے:

لو ماتت شاة (وفي رواية: عناقًا) على شاطيء الفرات ضائعة، لظنت أن الله سائلي عنها يوم القيامة. (۲)

’’اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری (دوسری روایت کے مطابق بکری کا بچہ) بھی بے سہارا ہونے کی وجہ سے مر جائے تو میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے بارے میں جواب طلبی فرمائے گا۔‘‘

جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کچھ فقہاء آپ کی اہلیہ کے پاس

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۳۰۵

(۲) ابن جوزي، مناقب عمر بن خطاب: ۱۶۱

آپ کی تعزیت کے لئے آئے تو ان کے سامنے آپ کی اہلیہ نے بیان کیا:

والله ما كان بأكثركم صلاة ولا صيامًا، ولكن والله ما رأيت عبد الله كان أشد خوفًا لله من عمر. كان رحمه الله قد فرّغ بدنه ونفسه للناس فكان يقعد لحوائجهم يومه، فإذا أمسى ـــ وعليه بقية من حوائجهم ـــ وصله بليلته. فأمسى يومًا وقد فرغ من حوائجهم فدعا بمصباح قد كان يستصبح به من ماله، ثم صلى ركعتين ثم أقعى واضعًا يده تحت ذقنه تسيل دموعه على خده، فلم يزل كذلك حتى برق الفجر فأصبح صائمًا. فقلت له: يا أمير المؤمنين! لشيء ما كان منك ما رأيت الليلة؟ قال: أجل، إني قد وجدتني وليت أمر هذه الأمة أسودها وأحمرها فذكرت الغريب القانع الضائع، والفقير المحتاج، والأسير المقهور وأشباههم في أطراف الأرض، فعلمت أن الله تعالى سائلني عنهم، وأن محمداً ﷺ حجيجي فيهم، فخفت أن لا يثبت لي عند الله عذر، ولا يقوم لي مع محمد ﷺ حجة، فخفت على نفسي، ووالله إن كان عمر ليكون في المكان الذي ينتهي إليه سرور الرجل مع أهله فيذكر الشيء من أمر الله فيضطرب كما يضطرب العصفور قد وقع في الماء، ثم يرتفع بكاءه، حتى أطرح اللحاف عني وعنه رحمة له. ثم قالت: والله لوددت لو كان بيننا وبين هذه الإمارة بعد ما بين المشرقين. (۱)

”(فقہاء کی جماعت کے پوچھنے پر آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت فاطمہ نے آپ

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۷، ۱۸

کے حالات کو اس طرح بیان فرمایا:) بخدا! وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہیں تھے لیکن اللہ کی قسم! میں نے کسی بندۂ خدا کو عمر بن عبد العزیز سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنے جسم اور ذات کو لوگوں کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ دن بھر لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے اگر دن گزر جاتا اور ابھی لوگوں کے کام باقی رہ جاتے تو وہ رات میں بھی لگے رہتے۔ ایک دن یوں ہوا کہ لوگوں کی حاجات سے دن ہی دن میں فارغ ہو گئے تو شام کو ایک چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے جلاتے تھے پھر انہوں نے دو رکعت نماز نفل ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اس حال میں سیدھے بیٹھے رہے کہ آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی رہیں اور ساری رات یونہی بیٹھے روتے رہے۔ حتیٰ کہ سپیدۂ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزے کی نیت کر لی میں نے پوچھا: امیر المومنین! آپ کس وجہ سے یوں بیٹھے روتے رہے؟ انہوں نے کہا: ہاں میرا حال یہ ہے کہ میں اسود و احمر تمام امتِ مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں۔ مجھے ملک کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مساکین، فقراء، محتاج قیدیوں اور ان جیسے مظلوم و مقہور لوگوں کی یاد آئی تو مجھے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ان کے معاملے میں مجھ سے ضرور جھگڑا فرمانے والے ہوں گے تو میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ اس وقت اللہ کے سامنے کوئی عذر نہ چل سکے گا اور نہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے میں کوئی حجت پیش کر سکوں گا۔ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور رونے لگ گیا۔ (اس کے بعد ان کی اہلیہ نے کہا) اللہ کی قسم! حضرت عمر بن عبد العزیز بعض اوقات اپنے گھر میں ہوتے جس میں عام آدمی بھی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ خوشی محسوس کرتا ہے، اس دوران اگر انہیں اللہ کی پیشی یاد آ جاتی تو وہ مضطرب ہو جاتے جس طرح وہ چڑیا مضطرب ہوتی ہے جسے پانی میں گرا دیا گیا

ہو۔ پھر اتنی بلند آواز سے آہ و بکا کرتے کہ میں ان پر رحم کرتے ہوئے اپنے سے اوران سے لحاف ہٹا دیتی۔ پھر فاطمہ نے کہا اللہ کی قسم! میں اس وقت چاہتی کہ کاش ہمارے درمیان اور اس خلافت و امارت کے درمیان زمین و آسمان کی دوری ہوتی۔‘‘

رعیت کی ذمہ داری کا یہی وہ احساس تھا کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلفاء اور عوام کے مابین کوئی دیوار کھڑی نہ کی گئی کہ رعایا کو اپنے کسی حق کی طلب میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں والئ کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے رہنے کے لئے ایک محل بنوایا اوراس میں پھاٹک لگوایا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلم کو بھیج کر اسے آگ لگوا دی۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:

فأحرق الباب. (۱)

’’پس (محمد بن مسلم نے حضرت سعد کے محل کا) دروازہ جلا دیا۔‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلم حکمرانوں کے کردار کو اس طرح بیان فرمایا:

۱۔ من ولاه الله عزوجل شيئًا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته وفقره. (۲)

’’جسے اللہ عزوجل نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۵۴، رقم: ۳۹۰

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية والحجة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲

۳۔ حاکم، المستدرک علی الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔‘‘

اس حدیثِ مبارکہ میں ’’فقر‘‘ غذا، لباس، مکان اور علاج جیسی بنیادی ضرورتوں کا احاطہ کرتا ہے جبکہ ’’حاجة‘‘ میں زندگی کی دیگر بنیادی ضروریات آ گئی ہیں۔

۲۔ **ما من إمام يغلق بابه دون ذوي الحاجة والخلة والمسكنة إلا أغلق الله أبواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنته.**(۱)

’’جو امام ضرورت مندوں، فقراء اور مساکین پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ اس کی ضروریات، فقر اور مسکنت پر آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔‘‘

۳۔ **ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع وهو مسئول عن رعيته.**(۲)

’’آگاہ رہو تم میں سے ہر ایک آدمی نگران ہے اور (روزِ قیامت) اس سے اس کی رعیت (ماتحت لوگوں) کے بارے میں باز پرس کی جائے گی تو (اس طرح) لوگوں پر امیر یا حکمران بھی ایک نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما جاء في إمام الرعية، ۳: ۶۱۹، رقم: ۱۳۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۳۱، رقم: ۱۸۰۳۳

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۳: ۱۳۴، رقم: ۱۵۶۵

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۹، رقم: ۱۸۲۹

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ امارت (حکومت) کا سوال کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۴۔ أنت ضعیف وھي أمانة وھي یوم القیامة خزي وندامة إلا من أخذھا بحقھا وأدی ما علیه فیھا.[۱]

''اے ابو ذر! تو کمزور ہے اور یہ (امارت وحکومت) ایک بہت بڑی امانت اور بروز قیامت (امیر کے لئے) رسوائی اور ندامت کا باعث ہے۔ البتہ (اس حاکم کے لئے رسوائی نہیں ہو گی) جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ اختیار کیا اور امارت وحکومت میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اس کو کماحقہ ادا کیا۔''

یعنی شریعتِ اسلامیہ میں امارت وسیادت کے منصب پر فائز شخصیت اپنی رعیت کی کفالت سے کسی صورت بھی بری الذمہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ خلافت کی تعریف کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إن الخلیفة ھو الذي یقضي بکتاب الله، ویشفق علی الرعیة شفقة الرجل علی أھله، فقال کعب الأحبار: صدق.[۲]

''خلیفہ وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اور (اپنی) رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح آدمی اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سن کر کعب الاحبار نے کہا: سلیمان نے سچ کہا۔''

مندرجہ بالا تعریف کی تشریح کرتے ہوئے ابن تیمیہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) کہتے ہیں:

الوالي راع علی الناس بمنزلة راعي الغنم.[۳]

---

(۱) ۱۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۹
۲۔ أبو عبید، کتاب الأموال: ۱۱، رقم: ۶
(۲) أبو عبید، کتاب الأموال: ۱۳، رقم: ۱۲
(۳) ابن تیمیه، السیاسة الشریعة في إصلاح الراعي والرعیة: ۱۶

’’جس طرح گڈریا بکریوں کی رکھوالی کرتا ہے اسی طرح سربراہِ حکومت رعایا کا راعی ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۵۔ ما من أمير يلي أمر المسلمين ثم لا يجهد لهم وينصح إلا لم يدخل معهم الجنة. (۱)

’’جو آدمی مسلمانوں کے معاملے (حکومت) کا نگران بنے پھر ان کی بہتری کے لئے کوشش نہ کرے اور نہ ہی ان کی خیر خواہی کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔‘‘

۶۔ ما من عبد يسترعيه الله رعية فلم يحطها بنصحه إلا لم يجد رائحة الجنة. (۲)

’’جس بندے کو ربِ ذو الجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا۔ پھر اس نے اس کے ساتھ پوری خیر خواہی نہ برتی تو وہ (حکمران) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔‘‘

۷۔ ما من عبد يسترعيه الله رعية يموت يوم يموت وهو غاش

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۶، رقم: ۱۴۲

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۲۵، رقم: ۵۲۴

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۴۰، رقم: ۸۹

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، ۶: ۲۶۱۴، رقم: ۶۷۳۱

لرعيته إلا حرم الله عليه الجنة.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس بندے کو رب ذوالجلال نے کسی رعایا کا حکمران بنایا اور وہ اس حال میں مرتا ہے کہ قوم کا خیرخواہ نہ ہوتو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔‘‘

منصف اور عادل حکمران کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۸۔ إن المقسطين عند الله على منابر من نور عن يمين الرحمٰن ﷻ وكلتا يديه يمين، الذين يعدلون في حكمهم وأهليهم وما ولوا.(۲)

’’بے شک انصاف کرنے والے (حکام و امراء) اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیرِ حکومت امور میں عادل ہیں۔‘‘

۹۔ السلطان ولي من لا ولي له.(۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ۱: ۱۲۵، رقم: ۱۴۲
۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۷، رقم: ۲۷۹۶
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۰: ۳۴۶، رقم: ۴۴۹۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۷
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۶۰، رقم: ۵۹۱۶
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۹، رقم: ۳۴۰۳۵

(۳) ۱۔ترمذي، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي، ۳: ۴۰۷، رقم: ۱۱۰۲

''حکمران (یا حکومت) ہر اس آدمی کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔''

یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ یہ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ محروم المعیشت افراد کے معاشی استحکام اور ان کی کفالت کا اہتمام کرے اور اس کے لئے جملہ ذرائع بروئے کار لائے جائیں۔ بقول امام ابن حزم (م۴۵۶ھ):

فرض علی الأغنیاء من أهل کل بلد أن یقوموا بفقرائهم ویجبرهم السلطان علی ذلک إن لم تقم الزکوات بهم ولا في سائر أموال المسلمین بهم فیقام لهم بما یأکلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة.(۱)

''ہر ملک کے مال دار لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے غریب لوگوں کی کفالت کریں اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور سارے مسلمانوں کا مالِ فئی اس کے لئے کافی نہ ہو تو سلطان ان کو ایسا کرنے پر مجبور کرے گا ان (اہلِ حاجت) کے لئے اتنے مال کا انتظام کیا جائے گا جس سے وہ بقدرِ ضرورت غذا حاصل کرسکیں اور اس طرح جاڑے اور گرمی کا لباس وغیرہ بھی (حاصل کرسکیں) اور ایک ایسا مکان جو انہیں بارش، گرمی، دھوپ اور راہ گیروں کی نظروں سے محفوظ رکھ سکے۔''

امام جصاص (م۳۷۰ھ) سورۃ یوسف کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب النکاح، باب في الولي، ۲: ۲۲۹، رقم: ۲۰۸۳

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۳۸۶، رقم: ۴۰۷۵

۴۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۲: ۱۸۲، رقم: ۲۷۰۶

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

قص الله تعالى علينا من قصة يوسف وحفظه للأطعمة في سني الجدب وقسمته على الناس بقدر الحاجة دلالة على أن على الائمة في كل عصر أن يفعلوا مثل ذلک إذا خافوا هلاک الناس من القحط. [1]

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام کا جو قصہ سنایا ہے اور ان کے بارے میں قحط کے زمانے میں غذائی اشیاء کو محفوظ کر کے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ جب ان کو اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو ایسا ہی طریقہ اختیار کریں۔''

بحیثیت سربراہِ مملکت اسی احساسِ ذمہ داری کا مظاہرہ ہمیں خلفائے راشدین کے ہاں ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی سرکاری وحکومتی حیثیت کو ہمیشہ ایک امانت کی حیثیت دی اور عملاً بھی اس کا مظاہرہ کیا۔

۱۰۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال پوچھا کہ مجھے خلیفہ ہونے سے اب تک بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔ حساب کر کے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے یہ روپیہ بیت المال میں جمع کروا دیا جائے۔ پھر فرمایا کہ اس دوران میرے مال میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ:

(۱) ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔

(۲) ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے۔

(۳) ایک چادر جو چند درہم مالیت کی تھی۔

---

(۱) جصاص، أحكام القرآن، ۳: ۱۷۶

آپ رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ میری وفات کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفۂ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل میں یہ چیزیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے:

رحمة الله علی أبي بكر لقد أتعب من بعده تعبًا شديدًا. (۱)

’’اللہ تعالیٰ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے وہ اپنے جانشینوں کے لئے کام بہت دشوار کر گئے ہیں۔‘‘

۱۱۔ یہی عمل حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ بطور امیر المؤمنین اپنی سرکاری حیثیت کا تعارف آپ رضی اللہ عنہ نے یوں کروایا:

ألا أخبركم بما استحل من مال الله؟ حلتين: حلة الشتاء والقيظ، وما احج عليه واعتمر من الظهر، وقوت أهلي كرجل من قريش، ليس بأغناهم ولا بأفقرهم. ثم أنا رجل من المسلمين يصيبني ما يصيبهم. (۲)

’’کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ اللہ کے مال (بیت المال) میں سے میرے لئے کیا حلال (اور جائز) ہے؟ میرے لئے بیت المال میں سے دو جوڑے کپڑے ایک سردی کے لئے اور ایک گرمی کے لئے حج و عمرہ کے لئے ایک سواری اور ایک متوسط درجہ کے قریشی آدمی کے معیار کے مطابق اپنے اہل وعیال کی گزر بسر کے لئے خرچ حلال ہے۔ اس کے بعد بیت المال میں سے جو عام آدمی کو ملے، وہی مجھے ملے گا۔‘‘

۱۲۔ عامۃ الناس کی کفالت کا آپ رضی اللہ عنہ کو کس حد تک اِحساس تھا اس کا اندازہ آپ

(۱) ابن سعد، طبقات الکبری، ۳: ۱۹۲، ۱۹۳

(۲) أبو عبید، کتاب الأموال: ۳۴۱، رقم: ۶۶۳

کے اس فرمان سے ہوتا ہے:

لئن بقيت ليبلغن الراعي بصنعاء نصيبه من هذا الفيء. (۱)

’’اگر میں زندہ رہا تو اس مالِ فئی میں سے (ہر مسلمان حتی کہ) صنعاء (یمن) میں بسنے والے چرواہے کو بھی اس کا حصہ (اور حق) پہنچے گا (یعنی لوگوں کو اپنے حقوق کے لئے سرکاری عمال کے پیچھے نہیں بھاگنا پڑے گا)۔‘‘

۱۳۔ ایک موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أما والله لئن بقيت لأرامل أهل العراق لأدعنهم لا يفتقرون إلى أمير بعدي. (۲)

’’بخدا اگر میں زندہ رہا تو اہلِ عراق کی بیوگان کو اتنا خوشحال کر دوں گا کہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔‘‘

۱۴۔ ایک موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا:

أيها الناس إن الله قد كلفني أن أصرف عنه الدعاء. (۳)

’’لوگو! اللہ نے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ میں اس کے حضور جانے والی دعاؤں کو رد کروں (یعنی لوگوں کی معاشی مشکلات کو کم کروں)۔‘‘

۱۵۔ ایک موقع پر فرمایا:

ومن أراد أن يسأل عن المال فليأتني فإن الله تعالى جعلني له خازنًا وقاسمًا. (۴)

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۲۵

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۴۰

(۳) عز الدين بن عبد السلام، قواعد الأحكام في مصالح الأنام، ۱: ۱۳۳

(۴) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۸: ۲۰

←

’’اور جو مال مانگنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ نے مجھے (اپنے مال کا) خزانچی اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔‘‘

۱۵۔ اسی نوعیت کا طرزِ معیشت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی نظر آتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی بیت المال کو عوام کی امانت سمجھا اور اس میں سے ایک جبہ اور چادر کے سوا کچھ نہ لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

لم يرزأ على بن أبي طالب من بيت مالنا حتى فارقنا غير جبة محشوة وخميصة درا بجردية.(۱)

’’حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمارے بیت المال سے اپنی وفات تک ایک روئی بھرے جبہ اور سیاہ چوخانوں دار کپڑے کے سوا کچھ نہ لیا۔‘‘

۱۶۔ اسی طرح ہارون ابن عنترہ نے اپنے باپ سے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ جاڑے کا موسم تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر صرف ایک پھٹا پرانا قطیفہ (مخملی لبادہ) تھا جس میں آپ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ اور آپ کے گھر والوں کے لئے اس حال میں کچھ حق مقرر کیا ہے اور آپ اپنے ساتھ یہ برتاؤ کر رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إني والله ما أرزأكم شيئًا، وما هي إلا قطيفتي التي اخرجتها من بيتي أو قال: من المدينة.(۲)

...... ۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۵۷، رقم: ۳۲۸۹۶

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۳: ۳۰۶، رقم: ۵۱۹۱

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۲۱۰، رقم: ۱۱۹۲۹

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۴۴، رقم: ۶۷۰

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۴۴، رقم: ۶۷۱

”واللہ! میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کروں گا۔ یہ میرا وہی قطیفہ ہے جسے میں اپنے گھر سے، یا فرمایا: مدینہ سے لایا تھا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ یہ برتاؤ کرتے وقت اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا تھے کہ احکامِ شریعت اس سے بہت زیادہ مال بطور خرچ لینے کی اجازت دیتے ہیں اور یہ ضروری قرار نہیں دیتے کہ خود کو ہر طرح کی آسائش سے محروم رکھ کر روکھے سوکھے پر قناعت کرتے ہوئے ایک زاہدانہ زندگی گزار دی جائے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت مسلمانوں کے ایک عام فرد کی حیثیت سے بیت المال سے ان کا اچھا خاصا حصہ تھا جو وہ لے سکتے تھے۔ نیز یہ بھی کہ بحیثیت ایک حاکم کے جو عوام کی خدمت کے لئے وقف ہو، ان کا حصہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ وہ چاہتے تو اتنا معاوضہ لے سکتے تھے جتنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض ممالک کے والیوں کے لئے مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی بنایا تو ان کے اور ان کے معاونین کے لئے چھ ہزار درہم ماہانہ مقرر کئے اور عام افراد کی طرح جو عطاء ان کے حصہ میں آتی تھی وہ علیحدہ تھی۔ ابو عبید (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

أن عمر جعل عطاء عمار بن یاسر ستة آلاف.(۱)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے لئے چھ ہزار (درہم) مقرر کئے۔“

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں لوگوں کی تعلیم اور بیت المال کی نگرانی پر مامور کیا تو سو درہم ماہانہ اور چوتھائی بکری روزانہ مقرر کیا۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے لئے اس سالانہ عطاء کے علاوہ جو پانچ ہزار درہم کے بقدر تھی، چوتھائی بکری روزانہ اور ڈیڑھ سو درہم ماہانہ مقرر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ جو کچھ کیا وہ ان باتوں سے ناواقف رہتے ہوئے

(۱) أبو عبید، کتاب الأموال: ۳۰۱، رقم: ۵۷۷

نہیں کیا۔ دراصل وہ اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حاکم نمونہ بنتا ہے اور اس پر شک کی بھی بہت گنجائش ہوتی ہے۔ چونکہ خزانۂ عام اس کے تحت ہوتا ہے اس لیے اس پر اس میں خرد برد کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے والیوں اور اپنی عام رعایا کے لئے احتیاط و پرہیزگاری کا نمونہ بنتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے نفس کو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقوں کا پابند بنایا، جو لوگ اللہ کے دین میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب مقرر ہوتے تھے ان کے لئے یہ اونچا معیار ہی موزوں تھا۔

۱۷۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جو مالیاتی پالیسی اختیار کی اسے آپ رضی اللہ عنہ نے بیعتِ خلافت کے بعد اپنے خطبہ میں یوں بیان فرمایا:

إلا أن أكون عليكم ألا وإنه ليس لي أمر دونكم إلا أن مفاتيح مالكم معي ألا وإنه ليس لي أن آخذ منه درهمًا دونكم رضيتم.(۱)

”لوگو! میں صرف ایک شرط پر تمہارا خلیفہ بنوں گا کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے قبضہ میں ہوں گی لیکن میں تمہاری رضامندی کے بغیر اس میں سے ایک درہم بھی نہ لوں گا۔“

۱۸۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عطا کردہ زمینوں، جاگیروں اور انعام واکرام کے طور پر دیئے گئے مال کو بیت المال میں واپس لائے اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

والله لو وجدته قد تزوجه به النساء، وتملك به الإماء، لرددته، فإن في العدل سعة، ومن ضاق عليه العدل، فالجور عليه أضيق.(۲)

”خدا کی قسم! اگر میں کسی مال کو اس حالت میں پاتا کہ اس کے ذریعے عورتوں سے شادی کی جا چکی ہے، لونڈیاں خریدی جا چکی ہیں (یا اس مال کو مختلف ملکوں

(۱) طبري، تاريخ الأمم والملوك، ۳: ۱۵۲

(۲) سيدنا علي المرتضى رضی اللہ عنہ، نهج البلاغه: ۵۲

میں پھیلایا جا چکا ہے) تو بھی میں اسے واپس لاتا کیونکہ عدل میں بڑی وسعت ہے اور جس کے لئے حق تنگ ثابت ہو اس کے لئے ظلم و جور اور زیادہ تنگ ہوتا ہے۔‘‘

۱۹۔ لوگوں کی کفالت اور ان پر خرچ کرنے کے بارے میں آپ ﷛ کے معمول کو حضرت موسیٰ ابن طریف ﷛ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

دخل علي بيت المال فاضرط به، ثم قال: لا أمسى وفيك درهم. ثم أمر رجلًا من بني أسد فقسمه، حتى أمسى.(۱)

’’حضرت علی ﷛ بیت المال میں داخل ہوئے اور انہوں نے اسے بے وقعت سی چیز سمجھتے ہوئے کہا: میں شام ہونے سے پہلے پہلے تیرے اندر ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑوں گا پھر انہوں نے بنی اسد کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس مال کو تقسیم کر دے اور اس نے وہ مال تقسیم کر دیا حتی کہ شام ہو گئی۔‘‘

مختلف طبقاتِ معاشرہ کی کفالت

قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی نظامِ معیشت کے تحت معاشرے میں کوئی بھی طبقہ ایسا نہیں رہنا چاہئے جسے معاشی کفالت کی ضرورت ہو اور وہ معاشی کفالت نہ پا سکے، ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَo وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُo فَکُّ رَقَبَةٍo اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍo یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍo اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍo(۲)

’’وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہواo اور

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۴۴، رقم: ۲۷۲
(۲) البلد، ۹۰: ۱۱۔۱۶

آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہےo وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہےo یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)o قرابت دار یتیم کوo یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہےo''

۲۔ وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ط اِنَّهٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًاo (۱)

''اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور بُری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہےo''

۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًاo (۲)

''بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گےo''

قرآن مجید نے نہ صرف یتیموں کے مالی حقوق کی ادائیگی پر زور دیا بلکہ ان کے احترام اور معاشرے میں انہیں با عزت مقام عطا کرنے کی بھی بار بار تلقین کی تاکہ ان میں کسی قسم کا احساسِ کمتری پیدا نہ ہو، یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ یتیم کی توہین اور ازرہِ حقارت اسے نظر انداز کرنے کو قرآن حکیم نے براہِ راست دین کی تکذیب قرار دیا:

۴۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِo فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَo (۳)

(۱) النساء، ۴: ۲

(۲) النساء، ۴: ۱۰

(۳) الماعون، ۱۰۷: ۱، ۲

’’کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟o تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)o‘‘

دوسرے مقام پر یتیموں کے حقوق کی تائید کرتے ہوئے رب ذوالجلال نے آپ ﷺ کے اس دور کا تذکرہ بھی فرمایا جب آپ ﷺ دورِ یتیمی سے عملاً خود گزرے، دراصل اس تذکرے سے مقصود مخاطب کو اس مظلوم اور بے یار و مددگار طبقے کی تکالیف اور مصائب کا احساس دلانا ہے:

۵۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰیo وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰیo وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰیo فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْo وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْo[1]

’’(اے حبیب!) کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر اس نے (آپ کو معزّز و مکرّم) ٹھکانا دیاo اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ و گم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیاo اور اس نے آپ کو (وصالِ حق کا) حاجت مند پایا تو اس نے (اپنی لذتِ دید سے نواز کر ہمیشہ کے لئے ہر طلب سے) بے نیاز کر دیاo سو آپ بھی کسی یتیم پر سختی نہ فرمائیںo اور (اپنے در کے) کسی منگتے کو نہ جھڑکیںo‘‘

ا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اس طرزِ عمل یعنی بے یار و مددگار اور بے سہاروں کی کفالت سے عبارت ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ابتدائے وحی میں یہی بات کہہ کر آپ ﷺ کو تسلی دی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں فرمائے گا کیونکہ:

تحمل الکل وتکسب المعدوم.[2]

(۱) الضحی، ۹۳: ۶۔۱۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ ﷺ، ۱: ۴، رقم: ۳

’’آپ بے یار و مددگار اور بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے اور ناداروں کو کما کر عنایت فرماتے ہیں۔‘‘

۲۔ آپ ﷺ کے اسی معمول مبارک کی طرف حضرت ابو طالب نے یوں اشارہ کیا:

وأبیض یستسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتامی عصمة للأرامل (۱)

(وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے سے ابرِ رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا ماوی اور فریادرس وہ بیواؤں اور مساکین کا سرپرست اور حامی و محافظ۔)

۳۔ بشیر بن عقبہ الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ احد کے دن حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! میرے باپ کا کیا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ سن کر میں رونے لگا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے پکڑا اور میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا اور فرمایا:

...... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بدء الوحي إلی رسول الله ﷺ، ۱: ۱۴۱، رقم: ۱۶۰

۳۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۱۰۳، رقم: ۳۲۸

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، ۱: ۳۴۲، رقم: ۹۶۳

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء في الدعاء في الاستسقاء، ۱: ۴۰۵، رقم: ۱۲۷۲

أما ترضی أن أکون أنا أبوک وعائشة أمک.(۱)

''اے بشیر! کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں تیرا باپ اور عائشہ تیری ماں ہیں۔''

۴۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! میرے باپ آپ پر قربان میں ایک یتیم لڑکا ہوں۔ میری ایک بہن اور بیوہ ماں ہے (ہم مفلوک الحال اور کئی دن سے بھوکے ہیں۔) لہٰذا اپنے مال میں سے ہمیں کھانا عنایت فرمایئے، اس کھانے کے بدلے میں اللہ آپ کو کھلائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بچے کی مؤدبانہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ہمارے گھر جاؤ وہاں سے کھانے کے لئے جو کچھ ملے میرے پاس لے آؤ۔ وہ لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر سے اکیس عدد کھجوریں لے آیا اور لا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کھجوروں پر پھونک ماری اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا: بیٹا! یہ سات کھجوریں تیرے لئے، سات تیری ماں کے لئے اور سات تیری بہن کے لئے ہیں صبح شام ایک ایک کھا لیا کرو۔

یہ لڑکا بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اٹھ کر باہر آیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی کہ اللہ کریم تمہارے حالات بہتر بنائے اور تمہیں اپنے باپ کا خلیفہ بنائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بچے پر رحمت کے جذبے کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۷: ۴۷۵، رقم: ۱۱۰۴۴

۲۔ بخاري، التاریخ الکبیر، ۲: ۷۸، رقم: ۱۷۵۱

۳۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۱

۴۔ تمیمي، الثقات، ۳: ۳۱، رقم: ۱۰۱

والذي نفس محمد بيده لا يلي أحد من المسلمين يتيمًا فيحسن ولايته إلا جعل الله له بكل شعرة درجة وأعطاه بكل شعرة حسنة وكفر عنه بكل شعرة سيئة.(۱)

’’اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد رسول اللہ ﷺ کی جان ہے جو مسلمان کسی یتیم بچے کی اچھی طرح کفالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ یتیم کے ہر بال کے بدلے اس کا درجہ بلند کرتا ہے ہر بال کے بدلے اسے ایک نیکی عطا کرتا اور ہر بال کے بدلے اس کی ایک خطا معاف کرتا ہے۔‘‘

اسلامی معاشرے میں کمزور و نادار اور فقراء و مساکین کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کی روش پر خلفائے راشدین بھی کاربند رہے اور افرادِ معاشرہ کو خوشگوار زندگی کی فراہمی کے لئے جملہ وسائل و ذرائع اختیار کرتے رہے جو آج بھی موجودہ حالات کے مطابق رہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے قریب ایک جگہ ربذۃ (چراہ گاہ) کو خرید کر سرکاری ملکیت بنا دیا اور اسے مسلمانوں کے چوپاؤں کے لئے وقف کر دیا۔ اس پر فقراء و مساکین اور کم آمدنی والے افراد کا حق سب سے فائق رکھا تاکہ وہ اس مفت چراگاہ کو اپنی حیوانی دولت و آمدن میں اضافہ کا ذریعہ بنا لیں اور حکومت سے کسی قسم کی امداد و اعانت کے محتاج نہ رہیں۔ آپ نے ایک شخص کو اس چراگاہ کا نگران مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

اضمم جناحک عن الناس، واتق دعوة المظلوم، فإنها مجابة

(۱) ۱۔ بزّار، المسند، ۸: ۳۰۱، رقم: ۳۳۷۵
۲۔ حارث، المسند، ۲: ۸۵۲، رقم: ۹۰۵
۳۔ بیهقي، شعب الإيمان، ۷: ۴۷۴، رقم: ۱۱۰۴۲
۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۱

وأدخل رب الصريمة والغنيمة، ودعني من نعم ابن عفان، ونعم ابن عوف، فإنهما إن هلكت ماشيتهما رجعا إلى نخل وزرع، وأن هذا المسكين إن هلكت ماشيته جاء يصرخ يا أمير المؤمنين! أفالكلأ أهون علی أم غرم الذهب والورق؟[1]

’’لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو اور مظلوم کی بدعا سے ڈرو کیونکہ وہ مستجاب ہے اور تھوڑے اونٹوں اور تھوڑی بکریوں والوں کو چراگاہ میں داخلے کی اجازت دو اور ابن عفان اور ابن عوف کے چوپاؤں (یعنی امت کے امیر لوگوں) کو رہنے دو۔ کیونکہ ان کے مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ اپنے دوسرے کھیتوں اور نخلستانوں کی طرف پلٹ جائیں گے (یعنی ان کی آمدن کے ذرائع اور جائیدادیں کثیر ہیں) اور یہ مسکین (جو محروم المعیشت ہیں) اگر مال مویشی سے محروم ہو گئے تو وہ اپنے بچوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آ کر دہائی دیں گے کہ اے امیر المؤمنین! (ہماری مدد کریں)۔ کیا میں ان بچوں کو چھوڑ دوں؟ لہٰذا ان کے لئے گھاس پھوس (ذرائع معیشت) مہیا کرنا سیم و زر کی قدر سے زیادہ آسان ہے۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم سے درج ذیل احکامات سامنے آتے ہیں:

(۱) مسلمان حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ قلیل آمدنی والے افرادِ معاشرہ کا خاص طور پر خیال رکھے اور انہیں ایسے معاشی مواقع فراہم کرے کہ وہ معاشی محرومی سے نکل آئیں، چاہے اس کے لئے دولت مند افراد کو کچھ عرصہ کے لئے کچھ وسائل سے محروم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

(۲) اسلامی حکومت کے ہر شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر اس کے پاس ذرائع آمدنی نہ ہوں اور حصولِ رزق کا کوئی ذریعہ نہ رہے تو وہ اپنے اور اپنے اہلِ

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۷۶، رقم: ۷۴۱

خانہ کی کفالت کے لئے اسلامی حکومت سے مطالبہ کرے، اور حکومت کو بھی اس کا مطالبہ پورا کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(۳) اسلامی حکومت اس طرح کی معاشی پالیسی اختیار کرے کہ محروم المعیشت افرادِ معاشرہ کو روزگار اور ذرائع آمدنی میسر آ سکیں اور وہ حکومتی امداد و اعانت سے مستغنی ہو کر معاشی استحکام حاصل کر سکیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''گھاس پھونس مہیا کرنا میرے لئے سیم و زر مہیا کرنے سے زیادہ آسان ہے۔''

۶۔ اسلامی ریاست پر صرف مسلمان شہریوں کی کفالت کی ذمہ داری ہی عائد نہیں ہوتی بلکہ غیر مسلم رعایا کو بھی وہی مقام حاصل ہے جو مسلم رعایا کو۔ اسوۂ فاروقی سے اس امر کی رہنمائی بھی ملتی ہے:

مرّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بباب قوم وعليه سائل يسأل، شيخ كبير ضرير البصر، فضرب عضده من خلفه وقال: من أيّ أهل الكتاب أنت؟ فقال: يهودي. قال: فما ألجاك إلى ما أرى؟ قال: أسئل الجزية والحاجة والسن. قال: فأخذ بيده وذهب به إلى منزله فرضخ له بشيء من المنزل ثم أرسل إلى خازن بيت المال. فقال: انظر هذا وضرباءه، فوالله ما أنصفناه أن أكلنا شبيبته ثم نخذله عند الهرم.(۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر کسی کے دروازہ پر ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا وہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کس اہل کتاب سے ہو؟ اس نے کہا: یہودی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۶

میں بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے اسے کچھ لا کر دیا پھر آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے نگران کو بلایا اور فرمایا: اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو کیونکہ خدا کی قسم یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی میں ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔"

۷۔ سفرِ شام سے واپسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے؟ سرکاری کارندوں نے بتایا: ان کے ذمے جزیہ ہے جسے انہوں نے ادا نہیں کیا اس لئے انہیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا عذر پیش کرتے ہیں؟ سرکاری کارندوں نے بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں: ہمارے پاس جزیہ کی رقم نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان بیچاروں کو چھوڑ دو، انہیں ایسی چیز کی تکلیف نہ دو جس کی یہ طاقت نہیں رکھتے کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:

لا تعذبوا الناس فإن الذين يعذبون الناس في الدنيا يعذبهم الله يوم القيامة.(۱)

"لوگوں کو بلا وجہ عذاب نہ دو کیونکہ جو لوگ بلا وجہ کسی کو عذاب دیں گے بروز قیامت اللہ انہیں عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔"

معاشی کفالت کا دائرہ کار

ایک اسلامی ریاست میں ان تمام بنیادی لوازمات کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے جن پر زندگی کے قیام و استحکام کا انحصار ہے۔ موجودہ دور کے لحاظ سے ان بنیادی

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۵

ضروریاتِ زندگی کو سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حقِ خوراک ۲۔ حقِ لباس

۳۔ حقِ رہائش ۴۔ حقِ ذریعہ معاش (روزگار)

۵۔ حقِ تعلیم ۶۔ حقِ علاج

۷۔ حقِ انصاف

ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

۱۔ حقِ خوراک

خوراک انسان کی وہ بنیادی ضرورت ہے جس کی فراہمی کے بغیر زندگی کے قیام و بقا کا کوئی امکان نہیں۔ اس بنیادی خدمت کی فراہمی کی جہاں قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر مختلف انداز سے تلقین فرمائی ہے وہاں آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے بھی ہمیں اس کے عملی نمونے ملتے ہیں۔

۱۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں اور ننگے جسم، دھاری دار چادریں پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اس فقر و فاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پریشانی میں آپ ﷺ کبھی اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر تشریف لے آتے، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا، خطبے میں آپ ﷺ نے سورۃ النساء کی پہلی آیت کریمہ - ﴿يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ج وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا○ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے○)﴾ - اور سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۸ - ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ (اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے آگے کیا بھیجا ہے)﴾ - پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب، مفلس اور حاجت مند بھائیوں پر صدقے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر آدمی کو چاہیے کہ اگر اس کے پاس ایک ہی دینار ہو، ایک ہی درہم ہو، ایک ہی کپڑا ہو، ایک ہی صاع گندم ہو یا ایک صاع کھجور ہو تو بھی اس میں سے صدقہ کرے حتیٰ کہ اگر اس کے پاس ایک کھجور ہے تو کھجور کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی مدد کرے۔ آپ ﷺ کا فرمانا تھا کہ لوگ گھروں کو دوڑ کر گئے اور دھڑا دھڑ حسبِ توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف کھانے اور کپڑے کے ڈھیر لگ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس جذبۂ ہمدردی کو دیکھ کر آپ ﷺ کو اتنی مسرت ہوئی کہ بقول راوی:

رأيت وجه رسول الله ﷺ يتهلل كأنه مذهبة.[1]

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا گویا کہ وہ چمکتا ہوا سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔''

۲۔ حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقر و فاقہ اور سخت

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة وأنها حجاب من النار، ۲: ۷۰۵، رقم: ۱۰۱۷
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۲: ۳۹، رقم: ۲۳۳۵
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۳۵۰، رقم: ۹۸۰۳ ←

بھوک نے میرے دو ساتھیوں اور مجھے آ لیا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ جب اور کوئی سبیل نظر نہ آئی تو ہم نے سوچا کہ اصحابِ رسول ﷺ کے پاس چلتے ہیں مگر وہاں بھی افلاس نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بھی ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے، آپ ﷺ کے ہاں چار بکریاں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

احلبهن يا مقداد، وجزئهن أربعة أجزاء، وأعط كل إنسان جزءًا، فكنت أفعل ذلك.(۱)

’’اے مقداد! ان (چاروں بکریوں کا) دودھ دھو لو اور پھر ان کے (دودھ) کو چار اجزاء میں تقسیم کر لو اور ہر فرد کو ایک ایک حصہ دے دو، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔‘‘

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خرجت يومًا من بيتي إلى المسجد لم يخرجني إلا الجوع فوجدت نفرًا من أصحاب رسول الله ﷺ فقالوا: يا أبا هريرة! ما أخرجك هذه الساعة؟ فقلت: ما أخرجني إلا الجوع. فقالوا: نحن والله ما أخرجنا إلا الجوع، فقمنا فدخلنا على رسول الله ﷺ فقال: ما جاء بكم هذه الساعة؟ فقلنا: يا رسول الله! جاء بنا الجوع. قال: فدعا رسول الله ﷺ بطبق فيه تمر فأعطى كل

...... ۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲: ۳۲۸، رقم: ۲۳۷۲

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۵۳۰

(۱) ابن كثير، البداية والنهاية، ۵: ۳۳۸

رجل منا تمرتين فقال: كلوا هاتين التمرتين واشربوا عليهما من الماء فإنهما ستجزيانكم يومكم هذا، قال أبو هريرة: فأكلت تمرة وجعلت تمرة في حجرتي، فقال رسول الله ﷺ: يا أبا هريرة! لم رفعت هذه التمرة؟ فقلت: رفعتها لأمي فقال: كلها فإنا سنعطيك لها تمرتين، فأكلتها فأعطاني لها تمرتين.(۱)

’’ایک دن مجھے بھوک نے ستایا تو میں مجبوراً گھر سے مسجد نبوی ﷺ کی طرف نکل پڑا راستے میں چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ملاقات ہوئی تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے: ابو ہریرہ! اس وقت کدھر کا قصد ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اس وقت بھوک نے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ کہنے لگے: بخدا ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ ہمیں بھی بھوک ہی نے گھروں سے نکالا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب مل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس وقت تم سب کیسے آئے؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت بھوک ہمیں آپ ﷺ کے پاس لائی ہے۔ (آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کا کوئی تاثر نظر نہیں آیا بلکہ) آپ ﷺ نے فوراً کھجوروں کا ایک طبق منگایا اور ہر آدمی کو دو دو کھجوریں عنایت فرماتے ہوئے فرمایا: یہ کھا لو اور اوپر سے پانی پی لو یہ آج تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کھجور کھا لی اور دوسری بچا کر اپنی گود میں رکھ لی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: ابو ہریرہ! تم نے یہ کھجور کیوں بچا رکھی ہے؟ میں نے عرض کیا: اپنی والدہ کے لئے۔ فرمایا: تم کھاؤ تمہاری والدہ کے لئے ہم مزید دو کھجوریں دے دیں گے۔ چنانچہ وہ کھجور میں نے کھا لی اور والدہ کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید دو کھجوریں دے دیں۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن سعد، طبقات الكبرى، ۴: ۳۲۹

۲۔ ذهبي، سير أعلام النبلاء، ۲: ۵۹۲

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لكثرة من يغشاه وأضيافه وقوم يلزمونه لذلك فلا يأكل طعامًا أبدًا إلا ومعه أصحابه وأهل الحاجة يتتبعون من المسجد.(۱)

’’کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آنے والے مہمانوں اور مفلس لوگوں کی وجہ سے جو کھانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹے رہتے تھے (آپ کے ہاں فاقہ کی کیفیت رہتی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کھانا تناول فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم اور وہ اہلِ حاجت بھی شریک ہو جاتے جو مسجد سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے آ جاتے۔‘‘

۵۔ حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أتيت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما هاجرت وذلك قبل أن أسلم فحلب لي شويهة كان يحتلبها لأهله فشربتها فلما أصبحت أسلمت وقال عيال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: نبيت الليلة كما بتنا البارحة جياعًا.(۲)

’’میں اسلام لانے سے قبل ایک رات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بکری کا دودھ دھو کر مجھے پلایا جس کا دودھ گھر والوں کو ملا کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والے کہنے لگے کہ آج رات بھی اسی طرح بھوکے گزار لیں گے جس طرح کل رات بھوکے گزاری تھی۔ آپ کا یہ بلند اخلاق اور کمال ایثار دیکھ کر صبح ہوتے ہی ابو بصرہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔‘‘

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۴۰۹

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۹۷، رقم: ۲۷۲۶۹

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۵: ۳۱

۶۔ ضرورت مندوں کی کفالت کے لئے نہ صرف آپ ﷺ خود بلکہ پورا گھرانۂ نبوت اکثر اوقات فاقہ کشی کرتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يبيت الليالي المتتابعة طاويًا وأهله لا يجدون عشاء وكان أكثر خبزهم خبز الشعير.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی راتیں متواتر بھوکے رہ جاتے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں جب بھی روٹی میسر ہوتی تو اکثر جو کی روٹی ہوتی۔''

حقِ خوراک کی فراہمی کا اہتمام نہ صرف آپ ﷺ کی انفرادی زندگی میں بکثرت نظر آتا ہے بلکہ قومی زندگی میں بھی قوانین کے نفاذ کے وقت آپ ﷺ نے اس حق کی کماحقہ ادائیگی کو ملحوظ رکھا اور جہاں کہیں اس اساسی حق کی وجہ سے شرعی قوانین کے نفاذ کا معاملہ درپیش ہوا تو آپ ﷺ نے اولاً لوگوں کے لئے حقِ معاشرہ کی فراہمی کو ترجیح دی۔

۷۔ حضرت عباد بن شرحبیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أصابتني سنة فدخلت حائطاً من حيطان المدينة، ففركت سنبلاً، فأكلت وحملت في ثوبي، فجاء صاحبه فضربني وأخذ ثوبي فأتيت رسول الله ﷺ فقال له: ما علمت إذ كان جاهلاً ولا أطعمت إذ كان جائعًا أو قال: ساغبًا. وأمره فرد عليّ ثوبي

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء في معيشة النبي ﷺ وأهله، ۴: ۵۸۰، رقم: ۲۳۶۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأطعمة، باب خبز الشعير، ۲: ۱۱۱۱، رقم: ۳۳۴۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۵۵، رقم: ۲۳۰۳

وأعطاني وسقًا أو نصف وسق من طعام.[1]

’’ایک مرتبہ قحط نے مجھے آ لیا تو میں مدینے کے ایک باغ میں داخل ہو گیا اور ایک خوشہ توڑ کر پہلے خود کھایا اور پھر کچھ (اپنے اہلِ خانہ کے لئے) اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ اتنے میں باغ کا مالک آ گیا۔ اس نے ایک تو میری پٹائی کی اور پھر وہ پھل جو میں نے کپڑے میں باندھ رکھے تھے، اپنے قبضے میں لے لئے۔ پس میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے (سارا واقعہ سننے کے بعد مجھے کوئی سزا دینے کی بجائے) اسے فرمایا: جب یہ بیچارہ جاہل تھا تو تُو نے اسے تعلیم کیوں نہ دی۔ جب یہ بیچارہ بھوکا تھا تو اسے کھانے کو کیوں نہ دیا۔ اور اسے حکم دیا کہ اس کا کپڑا اسے واپس کر دو چنانچہ اس نے مجھے کپڑا واپس کر دیا اور آپ ﷺ کے حکم سے مجھے وسق (ایک اونٹ کا بوجھ) یا نصف وسق غلہ بھی دیا۔‘‘

آپ ﷺ نے نہ صرف شرعی قوانین کے نفاذ میں لوگوں کے معاشی مسائل کو مستحضر رکھا بلکہ عبادات میں بھی معاشی تنگی کا لحاظ رکھا۔ جس سے اسلام کی عطا کردہ نظریۂ حیات میں انسان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جاء رجل إلی رسول اللہ ﷺ فقال: هلكت، فقال: وما ذاك؟ قال: وقعت بأهلي في رمضان، قال: تجد رقبة؟ قال: لا، قال:

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في بن السبيل يأكل من التمر ويشرب من اللبن إذا مرّ به، ۳: ۳۹، رقم: ۲۶۲۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من مرّ على ماشية القوم هل يصيب منه، ۲: ۷۷۰، رقم: ۲۲۹۸

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۴۸، رقم: ۷۱۸۲

فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين؟ قال: لا، قال: فتستطيع أن تطعم ستين مسكينًا؟ قال: لا، قال: فجاء رجل من الأنصار بعرق والعرق المكتل فيه تمر، فقال: اذهب بهذا فتصدق به، قال: على أحوج منّا يا رسول الله! والذي بعثک بالحق ما بين لابتيها أهل بيت أحوج منّا، وفي رواية فضحک النبي ﷺ حتى بدت أنيابه، ثم قال: أطعمه أهلک.(۱)

''ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے عرض کی: میں رمضان المبارک کے روزے میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس اتنا مال ہے جس سے کفارہ میں ایک غلام آزاد کر سکے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: پھر بیٹھ جا۔ اتنے میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا کسی نے لا کر خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا یہ ٹوکرا لے جا اور اسے فقراء پر صدقہ کر دے۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الهبة وفضلها، باب إذا وهب هبة فقبضها الآخر ولم يقل قبلت، ۲: ۹۱۸، رقم: ۲۴۶۰

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الصوم، باب إذا جامع في الرمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه فليكفر، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في النهار رمضان على الصائم، ۲: ۷۸۱، رقم: ۱۱۱۱

۴۔ ترمذي، السنن، كتاب الصوم، باب ما جاء في كفارة الفطر في رمضان، ۳: ۱۰۲، رقم: ۷۲۴

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وادی میں ہم سے بڑھ کر ضرورت مند گھر کوئی نہیں۔ اس کی یہ بات سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر فرمایا: جا اپنے خانہ کو ہی یہ کھجوریں کھلا دے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ اور دیگر مہاجرین جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تو اس وقت ان کو جو مسائل درپیش تھے ان میں سے ایک پانی کا مسئلہ بھی تھا۔ پورے شہر میں بئرِ رومہ کے علاوہ کہیں پانی نہ تھا۔ مگر اس کنویں کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے مخیّر حضرات کو مسلمانوں کے لئے اس کی خریداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

۹۔ من يشتري بئر رومة فيجعل دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منها في الجنة.(۱)

’’جو آدمی اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں اس سے کہیں بہتر کنواں عطا کرے گا۔‘‘

یہ سعادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میسر آئی کہ آپ رضی اللہ عنہ وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرنے پر تیار ہو گئے مگر کنویں کا مالک نصف حصہ فروخت کرنے پر آمادہ ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم کے عوض نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط طے پائی کہ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوگی اور دوسرے دن یہودی کی۔ اس طرح جس دن

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب المناقب، باب في مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ۵: ۶۲۷، رقم: ۳۷۰۳

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأحباس، باب وقف المساجد، ۶: ۲۳۵، رقم: ۳۶۰۸

۳۔ حلبي، السيرة الحلبية، ۲: ۲۶۸

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باری ہوتی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے کہ دو دن تک کے لئے وہ پانی کافی ہوتا۔ جب یہودی نے دیکھا کہ اس طرح خاطر خواہ نفع حاصل نہیں ہو رہا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر تیار ہوگیا۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقی نصف بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

یہی عمل ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی خدمت اور ان کی ضروریات کا کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو جاتا ہے:

۱۰۔ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ كان يتعاهد عجوزاً كبيرة عمياء في بعض حواشي المدينة من الليل فيستسقي لها ويقوم بأمرها، وكان إذا جاءها وجد غيره قد سبقه إليها فأصلح ما أرادت، فجاءها غير مرة فلا يسبق إليها، فرصده عمر، فإذا هو بأبي بكر الصديق الذي يأتيها وهو خليفة، فقال عمر: أنت لعمري.(۱)

''مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا بڑھیا تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے لئے پانی اور دیگر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر یہ کام کرجاتا تھا ایک روز تحقیق کی غرض سے آپ کچھ رات گزرنے کے بعد وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خلیفۂ اوّل یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہوکر اس کے جھونپڑے سے نکل رہے تھے۔ آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بولے: اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قسم ہے کیا آپ ہی روزانہ یہ کام کر جاتے ہیں۔''

(۱) هندي، كنز العمال، ۱۲: ۴۹۰ رقم: ۳۵۶۰۷

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس بات کا سخت اہتمام کر رکھا تھا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقے میں مبتلا نہ ہو۔ ملک میں جس قدر اپاہج یا مفلوج ہوں، ان کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ خوراک کی مقدار کو متعین کرنے کے لئے آپ رضی اللہ عنہ نے ۳۰ افراد کے لئے دو وقت کا کھانا تیار کرایا اور یوں یومیہ خرچ کا اندازہ لگا کر ان کے وظائف مقرر کر دیئے۔ ابو عبید (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

۱۱۔ أن عمر رضی اللہ عنہ أمر بجريب من طعام فعجن، ثم خبز ثم ثرد بزيت، ثم دعا عليه ثلاثين رجلاً، فأكلوا من غداءهم حتى أصدرهم، ثم فعل بالعشاء مثل ذلك، وقال يكفي الرجل جريبان كل شهر، فكان يرزق الناس: المرأة، والرجل، والمملوك: جريبين كل شهر.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جریب (تقریباً ۲۵ سیر) آٹا گوندھنے کا حکم دیا پھر اس کی روٹیاں پکوائیں اور ان روٹیوں کو زیتون کے تیل میں چور کر ثرید بنوایا۔ بعد ازاں تیس آدمیوں کو بلا کر دوپہر کو انہیں وہ ثرید کھلایا اور انہیں واپس بھیج دیا پھر شام کے کھانے پر بھی ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں کہنے لگے: فی کس ماہانہ خوراک کے لیے دو جریب غلہ کافی ہے۔ چنانچہ ہر فرد (مرد، عورت اور غلام) کا دو دو جریب غلہ ماہوار مقرر کر دیا گیا۔‘‘

۱۲۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پیمانہ ہاتھ میں لے کر فرمایا:

إني قد فرضت لكل نفس مسلمة في كل شهر مدى حنطة وقسطي

---

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۴، رقم: ۶۱۲

۲۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۴۴۶

خل، وقسطي زيت، فقال رجل: والعبيد؟ فقال عمر: نعم، والعبيد.(۱)

’’میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں، دو قسط سرکہ اور دو قسط زیتون کا تیل مقرر کر دیا ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا: کیا غلام کے لئے بھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں غلام کے لئے بھی۔‘‘

۱۳۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم بلا تخصیصِ مذہب جاری کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے عامل کو ہدایت لکھی:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ والفقراء هم المسلمون، وهذا من المساكين من أهل الكتاب.(۲)

’’رب ذوالجلال کے فرمان: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ (بیشک صدقات فقراء و مساکین کے لئے ہیں) میں فقراء سے مسلمان اور مساکین سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔‘‘

۱۴۔ مملکت کے عام شہریوں کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اہتمامات کا یہ عالم تھا کہ ابن سعد (۱۶۸۔۲۳۰ھ) نے لکھا ہے:

اتخذ عمر دار الرقيق فجعل فيها الدقيق والسويق والتمر والزبيب وما يحتاج إليه يعين به المنقطع به والضيف ينزل بعمر ووضع عمر في طريق السبل ما بين مكة والمدينة ما يصلح من ينقطع به.(۳)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سٹور یا لنگر خانہ بنوایا جس میں آٹا، جو، کھجور، پنیر اور

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۴، رقم: ۶۱۳

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۴۴۷

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۶

(۳) ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۳: ۲۸۳

دیگر ضروریات کی چیزیں رکھوائیں۔ جس سے آپ مسافروں اور بھولے بھٹکوں کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان راستے میں سرائیں بنوائیں جہاں مسافر آ کر آرام کرتے تھے۔‘‘

۱۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نومولود بچوں کے حقِ خوراک کو سمجھتے ہوئے ان کے لئے بھی وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كان عمر لا يفرض للمولود حتى يفطم قال: ثم أمر منادياً فنادى: لا تعجلوا أولادكم عن الفطام، فإنا نفرض لكل مولود في الإسلام، قال: وكتب بذلک في الآفاق بالفرض لكل مولود في الإسلام. (۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نومولود بچے کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے تھے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا، راوی کہتے ہیں: لیکن بعد میں انہوں نے منادی کرا دی کہ اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، ہم ہر مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کا وظیفہ جاری کریں گے۔ یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچے کا اس کی پیدائش سے ہی وظیفہ مقرر کر دو۔‘‘

۱۶۔ ۱۸ھ میں مدینہ اور اس کے اطراف و اکناف میں مشہور قحط پڑا جس کی وجہ سے اس سال کا نام تاریخِ اسلام میں ’’عام الرمادۃ‘‘ پڑ گیا۔ اسلامی ریاست کے لئے یہ ایک آزمائش کا موقع تھا۔ اس موقع پر جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کمال احساسِ ذمہ داری سے عامۃ الناس کی مشکلات دور کرنے کے لئے تگ و دو کی وہ مسلمان حکمرانوں کے

---

(۱) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۲، رقم: ۵۸۳
۲۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۴۴۵

لئے ہمیشہ ایک نمونہ رہے گی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں غذائی اجناس کی عام تقسیم کی اور سرکاری طور پر ہزاروں افراد کے لئے کھانا پکوا کر دونوں وقت کھلانے کا انتظام کیا۔ مصرو شام اور دوسرے علاقوں سے غلہ، آٹا، چربی، تیل اور دوسری اشیائے ضرورت منگوائیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مویشی اور اونٹ باہر سے منگوا کر ذبح کروائے اور پورے قحط زدہ علاقے میں اعلان کروا دیا کہ باہر سے آنے والے ان سرکاری قافلوں سے ضرورت کے مطابق چیزیں لے لیں۔ آپ ﷺ نے قحط کا مقابلہ جنگی بنیادوں پر کیا۔ آپ ﷺ نے ذاتی طور پر تمام انتظامات کی نگرانی کی اور اس حد تک ہر انتظام کو انجام دیا کہ لوگ کہہ رہے تھے:

لولم یرفع اللہ المحل عام الرمادۃ لظننا أن عمر یموت همًّا بأمر المسلمین. (۱)

’’اگر اللہ عام الرمادہ میں قحط دور نہ کرتا تو ہمیں اندیشہ تھا کہ حضرت عمر ﷺ مسلمانوں کے اس مسئلہ میں فکر کرتے کرتے مر جاتے۔‘‘

۱۷۔ أن عمر بن الخطاب ﷺ مرّ برجل وهو یأکل بشماله وعمر یقوم علی الناس وهم یأکلون فقال له: کل بیمینک یا عبد اللہ! قال: إنها مشغولة، ثم مرّ به الثانیة، فقال: مثل ذلک، ثم مرّ به الثالثة، فقال: مثل ذلک، فقال: شغل ماذا؟ قال: قطعت یوم موته، قال: ففزع عمر لذلک فقال: من یغسل ثیابک، من یدهن رأسک، من یقوم علیک، قال: فعدد علیه بمثل هذا ثم أمر له بجاریة وراحلة طعام ونفقة. (۲)

’’(اس قحط کے سال میں ایک دفعہ) حضرت عمر ﷺ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے (ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے گشت کر رہے تھے کہ) آپ ﷺ نے ایک شخص کو

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۳: ۳۱۵

(۲) أبو یوسف، کتاب الآثار، ۱: ۲۰۸، رقم: ۹۲۷

دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے جواب دیا: ''وہ مشغول ہے۔'' آپ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے۔ جب دوبارہ گزرے تو پھر وہی فرمایا اور اس شخص نے وہی جواب دیا۔ جب تین بار اس شخص نے یہی جواب دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تیرا دایاں ہاتھ کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ موتہ کی لڑائی میں کام آ گیا۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پاس بیٹھ کر اس سے پوچھنے لگے کہ تمہارے کپڑے کون دھوتا ہے؟ تمہارے سر میں تیل کون لگاتا ہے؟ تیری ضروریات کون پوری کرتا ہے؟ اور فلاں فلاں کام کون کرتا ہے؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایک ملازم لگوایا، اسے ایک سواری دلوائی اور دوسرے سامانِ ضرورت بھی دلوایا۔''

۱۸۔ ان تمام اہتمامات کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو رعایا کے احوال کی فکر دامن گیر رہتی تھی اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لئن عشت إن شاء الله لأسيرن في الرعية حولاً، فإني أعلم أن للناس حوائج تقطع عني، أما هم فلا يصلون إليّ، وأما عمالهم فلا يرفعونها إليّ، فأسير إلى الشام، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى مصر، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى البحرين، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى الكوفة، فأقيم بها شهرين، ثم أسير إلى البصرة، فأقيم بها شهرين. (۱)

''اگر زندگی نے مہلت دی اور میرے مولا نے چاہا تو میں پورا سال رعایا میں سفر کر کے گزاروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کو مشکلات مجھ سے روک لیتی ہیں اور وہ مجھ تک نہیں پہنچ پاتے اور عمال بھی ان کی (شکایات و مشکلات) کو مجھ

(۱) ابن جوزي، مناقب عمر بن الخطاب: ۱۲۱

تک نہیں پہنچاتے۔ پس میں شام جاؤں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر میں مصر جاؤں گا اور وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بحرین جا کر دو ماہ قیام کروں گا، پھر دو ماہ کوفہ جا کر ٹھہروں گا اور پھر دو ماہ بصرہ میں قیام کروں گا (تاکہ عوام کے مسائل کو جان سکوں لیکن موت نے آپ کو اس کی مہلت نہ دی)۔''

۲۔ حقِ لباس

ارشادِ ربانی ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ط ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ○(۱)

''اے اولادِ آدم! بیشک ہم نے تمہارے لئے (ایسا) لباس اتارا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپائے اور (تمہیں) زینت بخشے اور (اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک باطنی لباس بھی اتارا ہے اور وہی) تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے۔ یہ (ظاہر و باطن کے لباس سب) اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں○''

لباس کی فراہمی بھی بنیادی ضروریاتِ زندگی میں شامل ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ سے متعدد ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ضرورت مندوں کو لباس کی فراہمی کا اہتمام بھی فرمایا اگرچہ آپ ﷺ کو اس حوالے سے خود تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

بينا رسول الله ﷺ جالس إذ أتاه صبي فقال: إن أمي تستكسيك درعاً فقال: من ساعة إلى ساعة يظهر فعد إلينا فذهب إلى أمه فقالت: قل له أن أمي تستكسيك الدرع الذي عليك. فدخل ﷺ داره ونزع قميصه وأعطاه وقعد عرياناً

(۱) الاعراف، ۷: ۲۶

وأذن بلال وانتظر فلم يخرج ﷺ إلى الصلاة.(۱)

’’ایک خاتون نے اپنا لڑکا آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ اسے قمیص عطا کر دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت نہیں پھر کسی وقت آ جانا۔ لڑکا واپس گیا تو اس کی ماں نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کہو اگر اور قمیص نہیں تو آپ ﷺ کے جسم پر تو ہے۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور قمیص اتار کر لڑکے کے حوالے کر دی۔ اب مزید کوئی کپڑا نہ ہونے کے سبب آپ ﷺ گھر میں ہی بیٹھے رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آپ ﷺ نماز کے لئے بھی باہر تشریف نہ لا سکے۔ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی جب تحقیق کی تو اصل صورت حال معلوم ہوئی)۔‘‘

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

(۱) عورت کا آپ ﷺ سے قمیص کا تقاضا کرنا اس امر کا اظہار ہے کہ اسلامی معاشرے کے ایک عام فرد کو بھی اس حقیقت کا علم تھا کہ کفالتِ عامہ کی ذمہ داری سربراہِ مملکت پر ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے کوئی دوسرا لباس نہ ہونے کے باوجود اپنا کرتا مبارک عورت کے حوالے کر کے مسلمان سربراہِ مملکت کے لئے ایک عملی مثال قائم فرما دی کہ رعایا کی خبر گیری اور ان کی بنیادی ضروریات کی کفالت کے لئے سربراہِ مملکت کو کس حد تک اہتمام کرنا چاہئے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ آلوسي، روح المعاني، ۱۵: ۶۵
۲۔ بغوي، معالم التنزيل، ۳: ۱۱۲

أتى صاحب بز فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم فخرج وهو عليه فإذا رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله! اكسني قميصًا كساك الله من ثياب الجنة. فنزع القميص فكساه إياه ثم رجع إلى صاحب الحانوت فاشترى منه قميصًا بأربعة دراهم.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے کپڑے کے ایک تاجر سے چار درہم میں ایک قمیص خریدا۔ اسے زیب تن فرما کر آپ ﷺ باہر نکلے ہی تھے کہ ایک انصاری سامنے آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! مجھے قمیص پہنائیے (شاید وہ ننگے جسم تھا) اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے کپڑوں میں سے قمیص پہنائے۔ آپ ﷺ کے پاس اور تو کوئی قمیص نہ تھا وہی قمیص اتارا اور اس انصاری کو پہنا دیا۔ پھر دکان پر تشریف لے گئے اور وہاں سے اپنے لئے مزید ایک قمیص چار درہم کے عوض خریدا۔''

۳۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

إن امرأة جاءت النبي ﷺ ببردة منسوجة فيها حاشيتها، قالت نسجتها بيدي فجئت لأكسوكها فأخذها النبي ﷺ محتاجاً إليها فخرج إلينا وإنها إزاره فحسنها فلان فقال: اكسنيها ما أحسنها قال القوم ما أحسنت لبسها النبي ﷺ محتاجاً إليها ثم سألتها وعلمت أنه لا يرد، قال: إني والله ما سألته لألبسه إنما سألته لتكون كفني.(۲)

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۴۴۱، رقم: ۱۳۶۰۷

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۱۳

۳۔ ابن كثير، البداية والنهاية، ۶: ۳۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي ﷺ فلم ينكر عليه، ۱: ۴۲۹، رقم: ۱۲۱۸

’’ایک خاتون حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک بُنی ہوئی چادر لائیں، اس کے حاشیے ابھی تک جوں کے توں تھے (یعنی نئی تھی)، اس عورت نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بُنا ہے اور آپ ﷺ کو پہنانے کے لئے لائی ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے وہ کپڑا قبول کر لیا جیسے آپ ﷺ کو اس کی ضرورت رہی ہو پھر اسے ازار کے طور پر باندھ کر باہر تشریف لائے تو ایک صاحب نے اس کی تعریف کی اور کہا کہ بڑی اچھی چادر ہے آپ ﷺ مجھے عنایت فرما دیجئے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ آپ نے (مانگ کر) کچھ اچھا نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ضرورت کی وجہ سے پہنا تھا اور آپ نے مانگ لیا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کسی سوال کو رد نہیں کرتے۔ ان صاحب نے جواب دیا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنے پہننے کے لئے آپ ﷺ سے چادر نہیں مانگی بلکہ میری تو یہ آرزو تھی کہ اس چادر سے میں اپنا کفن بناؤں۔‘‘

۳۔ حقِ رہائش

انسانی زندگی کی بقا کے لئے حقِ رہائش بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ رہائش و سکونت کی فراہمی کی اہمیت اس حقیقت سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمت کے طور پر بیان فرمایا:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب اللباس، باب لباس رسول الله ﷺ، ۲: ۱۱۷۷، رقم: ۳۵۵۵

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۶

وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِيْنٍ○[۱]

’’اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو (مستقل) سکونت کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے (عارضی) گھر (یعنی خیمے) بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے وقت اور (دورانِ سفر منزلوں پر) اپنے ٹھہرنے کے وقت ہلکا پھلکا پاتے ہو اور (اسی اللہ نے تمہارے لئے) بھیڑوں اور دنبوں کی اون اور اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو استعمال اور (معیشت وتجارت میں) فائدہ اٹھانے کے اسباب بنائے (جو) مقررہ مدت تک (ہیں)○‘‘

دوسرے مقام پر حقِ رہائش سے محروم کر دینے کو کفار کی روش قرار دیا کہ یہ کافرانہ عمل ہے کہ افرادِ معاشرہ کو حقِ رہائش وسکونت سے محروم کر دیا جائے:

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ.[۲]

’’(یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی انہوں نے باطل کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا)۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی مناسب رہائش کو انسان کا بنیادی حق قرار دیا، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ليس لإبن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز.[۳]

(۱) النحل، ۱۶: ۸۰

(۲) الحج، ۲۲: ۴۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۷۴، رقم: ۷۸۶۶ ←

''ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی ضروری حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی اور پانی۔''

ابن حزم (م ۴۵٦ھ) نے جہاں غریبوں کی کفالت کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری بھی امراءِ علاقہ پر عائد کی ہے۔ ان کے نزدیک بھی بنیادی ضروریات حقِ خوراک، حقِ لباس اورحقِ رہائش ہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لابد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلک وبمسکن يکنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة.(۱)

''ان کی ضروریات میں زندگی کی بقا کے لئے ضروری کھانا، سردیوں اور گرمیوں کا لباس اور ایک ایسا گھر (شامل ہے) جو ان کو بارش (کے پانی)، گرمی، دھوپ اور گزرنے والوں کی تانک جھانک سے محفوظ رکھے۔''

۴۔ حقِ معاش (روزگار)

اسلامی ریاست میں نہ صرف بنیادی ضروریات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ جن کا مفصل تذکرہ اوپر گزر چکا، بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اسوۂ حسنہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو مالی کفالت کی ضرورت ہو تو ریاست اس کا بھی اہتمام کرے تاکہ افرادِ معاشرہ معاشی مجبوریوں کے شکنجوں سے نجات حاصل کرسکیں اور اپنے قدموں پر کھڑا ہوکر اپنی معاشی تخلیق کے عمل کو شروع کرسکیں۔

۱۔ جب فتوحات ہونے لگیں اور بیت المال میں مال غنیمت آنے لگا تو آپ ﷺ

.... ۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۴٦، رقم: ۴٦

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۱۵۷، رقم: ٦۸۰

(۱) ابن حزم، المحلی، ٦: ۱۵٦

نے آیت قرآنی - ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾(۱) - کا حوالہ دیتے ہوئے عام اعلان فرمایا:

فأیما مؤمن مات وترک مالاً فلیرثه عصبته من کانوا فإن ترک دینًا أو ضیاعاً فلیاتني وأنا مولاہ.(۲)

’’جو مؤمن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ (قریبی رشتہ دار) ہوں گے جو کوئی بھی ہوں گے اور اگر وہ اپنے ذمہ دین (قرض) یا بچے (جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو) چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں اور میں ہی ان کا والی ہوں (یعنی ان کی کفالت کروں گا اور ان پر مال خرچ کروں گا)۔‘‘

۲۔ فأیکم ما ترک دینا أو ضیعة فادعوني فأنا ولیه.(۳)

---

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب التفسیر، باب اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ، ۴: ۱۷۹۵، رقم: ۴۵۰۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۷، رقم: ۱۶۱۹

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب الفرائض، باب ما جاء من ترك مالاً فلورثته، ۴: ۴۱۳، رقم: ۲۰۹۰

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، ۳: ۱۲۳۸، رقم: ۱۶۱۹

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الفرائض، باب في میراث ذوي الأرحام، ۳: ۱۲۳، رقم: ۲۹۰۰

۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۸: ۲۹۱، رقم: ۱۵۲۶۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۸، رقم: ۸۲۱۹

←

’’تم میں سے جو آدمی قرض یا چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائے تو مجھے بلاؤ، بیشک قرض اور بچوں کے معاملے میں اس کا میں ولی ہوں۔‘‘

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أتی النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمال من البحرین، فقال: انثروه في المسجد، وکان أکثر مال أُتي به رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فخرج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إلی الصلاة ولم یلتفت إلیه، فلما قضی الصلاة جاء فجلس إلیه، فما کان یری أحدًا إلا أعطاه، ...... **فما قام رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم منها درهم.**(۱)

’’بحرین سے خراج اور جزیئے کا مال بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس مال کو مسجد (کے صحن) میں پھیلا دو۔ بقول راوی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جتنے بھی اموال آئے ان میں یہ سب سے زیادہ تھا (محدثین نے ایک لاکھ درہم کا اندازہ لگایا ہے) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب نماز ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال کے پاس بیٹھ گئے۔ پس جو بھی نظر آتا اسے ضرورت کے مطابق عطا فرما دیتے ...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک نہ اٹھے جب تک سارا مال تقسیم نہ ہو گیا اور ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔‘‘

...... ۵۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۲۰۱، رقم: ۱۱۹۱۰

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الصلاة، باب القسمة وتعلیق القنو في المسجد، ۱: ۱۶۲، رقم: ۴۱۱

۲۔ بخاري، الصحیح، کتاب الجزیة والموادعة، باب ما أقطع النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من مال البحرین، ۳: ۱۱۵۴، رقم: ۲۹۹۴

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۳۵۶، رقم: ۱۲۸۰۷

اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے ریاست کی جملہ آمدنی اور محاصل آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھے مگر آپ ﷺ نے اس تمام تر آمدنی کو شخصی تصرف میں لانے کی بجائے مسلمانوں کی ملکیت قرار دیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی ساری رقم بھی اپنے اور اپنے اہل و عیال اور خاندان بنو ہاشم پر حرام فرما دی اور اسے بحکمِ الٰہی غرباء اور اہلِ حاجت کا حق قرار دیا۔

۴۔ **قال رسول اللہ ﷺ: ما أوتیکم من شيء وما أمنعکموہ إن أنا إلا خازن أضع حیث أمرت.** (۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو نہ کچھ دے سکتا ہوں اور نہ کچھ روک سکتا ہوں۔ میں صرف خزانچی ہوں جس جگہ صرف کرنے کا مجھے حکم دیا جاتا ہے وہاں ہی صرف کرتا ہوں۔‘‘

آپ ﷺ کا یہ فرمان مبارک دراصل مسلمان حکمرانوں کے لئے صرفِ خرچ کے باب میں ایک رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔

۵۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إن رجلاً جاء إلی رسول اللہ ﷺ فسأله أن یعطیه فقال النبي ﷺ: ما عندي شيء ولکن ابتع عليّ فإذا جاءني شيء قضیته، فقال عمر: یا رسول اللہ! قد أعطیته فما کلفک اللہ ما لا تقدر

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارۃ والفيء، باب فیما یلزم الإمام من أمر الرعیة والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۹
۲۔ إسحاق بن راھویه، المسند، ۱: ۴۲۵، رقم: ۴۸۶
۳۔ ابن عبدالبر، التمھید، ۴۰: ۵۱
۴۔ مناوي، فیض القدیر، ۵: ۴۳۰

عليه، فكره النبي ﷺ قول عمر، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أنفق ولا تخف من ذي العرش إقلالاً. فتبسم رسول الله ﷺ وعرف البشر في وجهه لقول الأنصاري ثم قال: بهذا كما أمرت.(۱)

’’ایک مرتبہ ایک حاجت مند حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ آپ ﷺ مجھے کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز نہیں البتہ جو کچھ لینا چاہتے ہو میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس کوئی چیز آ جائے گی تو میں ادائیگی کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاضرِ خدمت تھے، نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ جس چیز پر قدرت نہیں رکھتے یا جو چیز آپ ﷺ کے پاس نہیں، اللہ نے جب آپ ﷺ کو اس کا مکلّف نہیں کیا تو آپ ﷺ خواہ مخواہ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو پسند نہ فرمایا۔ ایک انصاری نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس ناگواری کو دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ! آپ خرچ فرماتے رہیں اور عرش والے مالک سے کسی قسم کی کمی کا خوف نہ فرمائیں۔ انصاری کی یہ بات سنتے ہی آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

۶۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے انہوں نے مدینہ منورہ کے ایک سرمایہ دار یہودی سے تیس وسق قرض لے رکھا تھا۔ اتفاقاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کھجوریں کم پھل لائیں جس سے یہودی کا قرض پورا نہیں ہوتا تھا۔

(۱) ۱۔ ترمذي، الشمائل المحمدية، ۱: ۲۹۴
۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۱: ۱۸۰، رقم: ۸۸
۳۔ قرشي، مكارم الأخلاق، ۱: ۱۱۸، رقم: ۳۹۰

یہودی نے تقاضا کیا تو حضرت جابر ﷛ نے سارا واقعہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور سفارش کی درخواست کی۔ آپ ﷺ یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ تو اپنے قرض کے بدلے جابر ﷛ کے باغ کی ساری کھجوریں لے لے اور اس پر اکتفا کر لے مگر یہودی کسی طور نہ مانا۔ آپ ﷺ حضرت جابر ﷛ کے باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے درختوں کے درمیان چلے پھرے۔ آپ ﷺ کے قدمین مبارک کی تاثیر تھی کہ جونہی آپ ﷺ باغ میں داخل ہوئے تمام درختوں کے خوشے کھجوروں سے لبریز ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت جابر ﷛ سے فرمایا کہ اب کھجوریں اتارو اور یہودی کا قرض ادا کر دو۔ آپ ﷺ کی واپسی پر حضرت جابر ﷛ نے کھجوریں کاٹیں اور قرض خواہ کی تیس وسق کھجوریں ادا کیں پھر بھی سترہ وسق کھجوریں بچ گئیں۔ حضرت جابر ﷛ نے جب اس کی خبر آپ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضرت عمر ﷛ کو بھی بتا دو۔ حضرت جابر ﷛ نے جب حضرت عمر ﷛ کو خبر دی تو انہوں نے فرمایا:

لقد علمت حين مشى فيها رسول الله ﷺ ليبارکن فيها. (۱)

”مجھے اسی وقت یقین ہوگیا تھا جب آپ ﷺ باغ میں چلے تھے کہ کھجوروں میں ضرور بالضرور برکت ہو گی۔“

۷۔ حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے روایت ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الإستقراض و أداء الديون والحجر والتفليس، باب إذا قاص أو جازفه في الدين تمرًا بتمر أو غيره، ۲: ۸۴۴، رقم: ۲۲٦٦

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الصدقات، باب إداء الدين عن الميت، ۲: ۸۱۳، رقم: ۲۴۳۴

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۹: ٦۷، رقم: ۹۱۴۳

أصيب رجل في عهد رسول الله ﷺ في ثمار ابتاعها فكثر دينه فقال رسول الله ﷺ: تصدقوا عليه، فتصدق الناس عليه، فلم يبلغ ذلک وفاء دينه، فقال رسول الله ﷺ لغرمائه: خذوا ما وجدتم وليس لكم إلا ذلک.(۱)

’’عہدِ نبوی ﷺ میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں کسی وجہ سے نقصان ہو گیا۔ تجارت میں خسارے کی وجہ سے وہ مقروض ہو گیا اور قرض خواہ اسے پریشان کرنے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اس کی یہ پریشانی دیکھی نہ گئی آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ صدقہ خیرات کر کے اس بیچارے کو اس مصیبت سے نکالو۔ حکم ملنے کی دیر تھی سب نے حسبِ استعداد اس کی امداد کی مگر ساری رقم ملا کر بھی اس کے قرض کی رقم کے برابر نہ ہو سکی۔ اب آپ ﷺ نے قرض خواہوں سے فرمایا: (تم لوگ بھی کچھ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرو) جو کچھ اس کے پاس موجود ہے وہ لے لو اور باقی چھوڑ دو۔‘‘

یہ واقعہ فتوحات اور خوشحالی سے پہلے کا ہے جب فتوحات ہونے لگیں تو آپ ﷺ نے عام اعلان فرما دیا کہ جو آدمی قرض چھوڑ کر مرے اور اسے اتارنے کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑے تو اس کا قرض ادا کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ فتوحات اور خوشحالی کے بعد تو آپ ﷺ کی عنایات میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ’’صحیح مسلم‘‘ میں ہے:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، ۳: ۱۱۹۱، رقم: ۱۵۵۶

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء تحل له الصدقة من الغارمين وغيرهم، ۳: ۴۴، رقم: ۶۵۵

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الإجارة، باب في وضع الجائحة، ۳: ۲۷۶، رقم: ۳۴۶۹

۸۔ إن رجلاً سأل النبي ﷺ غنمًا بين جبلين، فأعطاه إياه، فأتى قومه فقال: أي قوم! أسلموا، فو الله إن محمدًا ليعطي عطاءً ما يخاف الفقر.[۱]

’’ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے بکریوں کا وہ ریوڑ مانگا جو پہاڑوں کے درمیان چر رہا تھا، آپ ﷺ نے سارا ریوڑ اسے عطا فرما دیا (اسے اس قدر بخشش کی امید نہ تھی) وہ جب یہ ریوڑ لے کر اپنے قبیلے میں واپس پہنچا تو کہنے لگا لوگو! اسلام قبول کر لو کیونکہ پیغمبرِ اسلام اتنے فیاض اور سخی ہیں کہ جب دینے پر آتے ہیں تو کسی قسم کے فقر اور تنگ دستی سے نہیں ڈرتے۔‘‘

۹۔ حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نہیں چاہتا کہ کوئی چیز مجھے آپ ﷺ کی خدمت سے غافل کر دے۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ کچھ دن بعد پھر مجھ سے پوچھا: ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک تو میں نہیں چاہتا کہ کوئی مصروفیت مجھے آپ کی خدمت سے غافل کرے دوسرا میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ بیوی کو مہر بھی دے سکوں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ایک دن پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ربیعہ! کیا تو شادی نہیں کرے گا؟ میں نے عرض کیا: حضور مجھے کون رشتہ دے گا؟ میرے پاس تو اتنا پیسہ بھی نہیں کہ بیوی کو دے سکوں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب ما سئل النبي ﷺ شيئًا قط فقال لا وكثرة عطائه، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۲۳۱۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۵۹، رقم: ۱۳۷۵۶
۳۔ أبو يعلى، المسند، ۶: ۵۶، رقم: ۳۳۰۲
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۲۸۷، رقم ۶۳۷۳
۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۱۹، رقم: ۱۲۹۶۷

آپ ﷺ نے فرمایا:

انطلق إلى آل فلان، حيّ من الأنصار، فقل لهم: إن رسول الله ﷺ أرسلني إليكم يأمركم أن تزوجوني فلانة.(۱)

’’جا فلاں انصاری قبیلہ کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ مجھ سے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح کر دو۔‘‘

انہوں نے پیغامِ نکاح سن کر حضور نبی اکرم ﷺ کو اور مجھے مرحبا کہا اور مجھے اپنی لڑکی نکاح کر کے دے دی۔ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اب حق مہر کہاں سے دوں؟ آپ ﷺ نے بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ربیعہ کے لئے ایک گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کرو۔ انہوں نے سونا جمع کر کے مجھے دیا اور میں نے لا کر اپنی بیوی کے گھر والوں کو دے دیا۔ میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اب ولیمہ کہاں سے کروں؟ آپ ﷺ نے پھر بریدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لئے ایک مینڈھے کی قیمت کا انتظام کرو۔ انہوں نے فوراً مینڈھے کا انتظام کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان کے پاس جو جَو ہیں وہ لے آؤ۔ میں گیا تو انہوں نے تمام جَو میرے حوالے کر دیئے حالانکہ کاشانۂ نبوی ﷺ میں اس کے سوا شام کے کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ میرے سسرال والوں نے کہا کہ جو ہم تیار کر دیتے ہیں اور وہ مینڈھا اپنے ساتھیوں سے ذبح کروا کر کھا لو۔ اس طرح ولیمہ تیار ہو گیا۔

قرآن مجید کی عطا کردہ معاشی تعلیمات، جن کی عملی تعبیر و تشریح سیرتِ نبوی ﷺ سے میسر آتی ہے اور جن پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے مبارک ادوار میں

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۵۸، رقم: ۱۶۵۷۷

۲۔ حاکم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۸۸ رقم: ۲۷۱۸

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۲۵۶، رقم: ۷۳۳۴

عمل کر کے ملتِ اسلامیہ کے لئے عملی مثال قائم کی، سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مثالی فلاحی معاشرے اور فلاحی ریاست کا قیام اسلام کی عطا کردہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے۔ جہاں افرادِ معاشرہ کو ہر نوع کا معاشی تحفظ عطا کیا گیا ہو تاکہ وہ معاشی تعطل سے نکل کر تخلیق کی راہ پر گامزن ہو سکیں جس میں انفرادی اور قومی ارتقاء کا راز مضمر ہے۔

۵۔ حقِ تعلیم

تعلیم کسی بھی ملت کے افراد کا وہ شعبہ ہے جس پر ان کے معاش و معاد کا زیادہ تر دار و مدار ہوتا ہے۔ اسلام میں تعلیم و تربیت کے حق کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی پہلی وحی کا آغاز لفظ ''اقرأ'' سے ہوا جو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے نازل ہونے والے اس پہلے حکم کے مطابق اسلام میں تعلیم و تربیت حاصل کرنا حق ہی نہیں فرض ہے۔ اسلامی ریاست اس امر کی پابند ہے کہ وہ شہریوں کو وہ تمام سہولتیں فراہم کرے جو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ضروری ہیں اس طرح:

۱۔ ہر شخص اپنی فطری صلاحیتوں اور قابلیتوں کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کا حق دار ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے پیشے اور مستقبل کے مشاغل منتخب کرنے کا آزادانہ حق رکھتا ہے۔ اسے اپنی فطری صلاحیتوں کے بھرپور اظہار کا موقع دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لیے حصولِ تعلیم کے مواقع فراہم کرے۔

فرد کی زندگی میں تعلیم کی اہمیت سے سرِمُو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے اس حقیقت کو آغاز ہی سے تسلیم کیا ہے چنانچہ پیدائشِ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے

جس بخشش و عنائت سے انہیں نوازا گیا وہ علم ہی تھا ارشادِ رباری تعالیٰ ہوا:

۱۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا.(۱)

’’اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے۔‘‘

یہ علم ہی کا عرفان تھا کہ انسان دیگر مخلوقات سے ممیّز ہوا اور خلیفۃ اللہ ہونے کا شرف حاصل کیا:

۲۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.(۲)

’’اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔‘‘

اسی علم ہی نے انسان کو مسجودِ ملائکہ ہونے کا شرف عطا کیا اور اشرف المخلوقات بنایا:

۳۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْا.(۳)

’’اور (وہ وقت بھی یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔‘‘

۴۔ چونکہ علم قیادت کا ایک خاصہ ہے اس لیے امتِ مسلمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ.(۴)

(۱) البقرة، ۲: ۳۱

(۲) البقرة، ۲: ۳۰

(۳) البقرة، ۲: ۳۴

(۴) آل عمران، ۳: ۱۱۰

’’تم بہترین اُمت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

۵۔ یہ ان بنیادی عوامل میں سے ہے جو کسی بھی قوم یا تہذیب کی مثبت ترقی و عروج کے لیے ضروری ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام نے حصولِ علم اور ترسیلِ علم کو فرد کی اولین ضرورت قرار دیا اور اس میں ہمہ وقت اضافہ کی تلقین کی اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِی عِلْمًا ○[1]

’’اور آپ (رب کے حضور یہ) عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا تاج اور مرتبہ عطا کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے جو اہم ذمہ داریاں سونپیں ان میں تعلیم، دعوت و تبلیغ اور کردار سازی (تربیت) اہم ہیں۔ اِسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

إنما بعثت معلمًا.[2]

’’بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔‘‘

۲۔ اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآں ہونے کی غرض سے آپ ﷺ نے تلاوتِ کتاب، تعلیم و حکمت، تشریح و توضیحِ کلامِ الٰہی، تزکیہ نفس اور کردار سازی پر خصوصی توجہ دی۔ حصولِ علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) طه، ۲۰: ۱۱۴

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ۱: ۸۳، رقم: ۲۲۹

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۱۱۱، رقم: ۳۴۹

۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۵: ۱۱۸

طلب العلم فريضة علی کل مسلم و مسلمة. (۱)

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔''

۳۔ دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

من خرج في طلب العلم کان في سبيل اﷲ حتی يرجع. (۲)

''جو علم کے حصول کے لئے نکلتا ہے وہ اس وقت تک اللہ کی راہ میں رہتا ہے جب تک واپس نہ لوٹ آئے۔''

۴۔ حصولِ علم کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

من طلب العلم کان کفارة لما مضی. (۳)

''جس نے علم حاصل کیا تو وہ (علم) اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ حاجي خليفة، کشف الظنون، ۱: ۵۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۱: ۸۱

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۲۸۹، رقم: ۲۰۰۸

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب العلم، باب فضل طلب العلم، ۵: ۲۹، رقم: ۲۶۴۷

۲۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۶: ۱۲۵، رقم: ۲۱۲۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب العلم، باب فضل طلب العلم، ۵: ۲۹، رقم: ۲۶۴۸

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۱۴۹، رقم: ۵۶۱

اطلبوا العلم ولو بالصين.[1]

’’علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین ہی جانا پڑے۔‘‘

ان احادیث کے علاوہ بے شمار احادیث نبوی ﷺ کتبِ احادیث میں موجود ہیں جن میں حصولِ علم کی ترغیب دی گئی ہے اورعلم اور اہلِ علم کی منقبت، مرتبہ اورعزت و شرف بیان کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے تاحیات ترسیل و اشاعتِ علم پر توجہ دی۔ مقامِ صفہ پر تعلیم دینے کا اہتمام فرمایا، غزوہ بدر کے تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ مسلمان بچوں کو تعلیم دینا مقرر فرمایا، مساجد میں مدارس کا قیام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی تعلیم دینے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجا اورعمال (گورنروں) کواشاعتِ علم کی ہدایات اہم امثلہ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہے کہ تعلیم انسانی زندگی کا جزو لاینفک ہے جس کے بغیر انفرادی، اجتماعی اور ملی ترقی ناممکن ہے اس لیے ریاست کا فرض ہے کہ وہ عوام الناس کے لیے حصولِ تعلیم کا اہتمام کرے اوران کا یہ پیدائشی حق فراہم کرنے میں کماحقہ انتظام وانصرام کرے۔

حقِ تعلیم کی فراہمی میں ریاست کے کردار کے بارے میں شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔ ۱۱۷٦ھ) فرماتے ہیں:

واحياء علوم الدين كند بنفس خود قدرے كه ميسر شود مقرر سازد مدرسين درهر بلدى چنانچه حضرت عمر رضی اللہ عنہ عبد الله ابن مسعود رضی اللہ عنہ را با جماعته كوفه نشاند ومعقل

(۱) ۱۔ بزّار، المسند، ۱: ۱۷۵، رقم: ۹۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۲۵۳، رقم: ۱٦٦۳

بن یسار رضی اللہ عنہ عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ ابن معقل بربصرہ فرستاد۔ [1]

''اور خلیفہ پر واجب ہے کہ جس قدر ہو سکے علوم دینیہ کو قائم رکھے اور ہر شہر میں مدرسین کو مقرر کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کوفہ میں مقرر کیا اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن معقل رضی اللہ عنہ کو تعلیم و تدریس کے لئے بصرہ بھیجا۔''

۶۔ حقِ علاج

اسلام ہر فردِ معاشرہ کو ایسا سماجی مقام دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرے کا ایک جزو تصور کرے، جہاں اس کے ماحول کا ہر فرد اس کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اس کا ہمہ گیر احاطہ کرتی ہیں۔ مریض جو قدرتی معذوری کے سبب معاشرے کا عضوِ فعال نہیں رہتا، اس امر کا مستحق ہے کہ اسے بھرپور توجہ دی جائے۔ اسلام نے مریض کو وہ حقوق عطا کئے ہیں جو کسی دوسرے معاشرے میں نہیں دیکھے جا سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افرادِ معاشرہ کو مریض کے معاشرتی، نفسیاتی، طبی اور سماجی حقوق کے تحفظ کی تلقین فرمائی کہ نہ صرف مریض کی صحت یابی کے لئے جملہ اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے نفسیاتی و سماجی مورال (Morale) کو بھی بلند رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں مریض کی عیادت کو مستحسن فعل اور اس کو مریض کا حق قرار دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

حق المسلم على المسلم خمس رد السلام وعيادة المريض واتباع الجنائز وإجابة الدعوة وتشميت العاطس. [2]

---

(۱) شاه ولي الله، ازالة الخفاء عن خلافت الخلفاء، ۱: ۳۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، ۱: ۴۱۸، رقم: ۱۱۸۳

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کی چھینک کا جواب دینا۔“

۲۔ حقِ عیادت مریض کا مورال بلند رکھنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے، اس کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

إن المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة الجنة حتى يرجع.(۱)

”جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو لوٹنے تک گویا وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔“

۳۔ حضرت ثویر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

أخذ علي رضی اللہ عنہ بيدي، قال: انطلق بنا إلى الحسن نعوده. فوجدنا عنده أبا موسى، فقال علي رضی اللہ عنہ: أ عائداً جئت، يا أبا موسى! أم

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، ۴: ۱۷۰۴، رقم: ۲۱۶۲

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في العاطس، ۴: ۳۰۷، رقم: ۵۰۳۰

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل عيادة المريض، ۴: ۱۹۸۹، رقم: ۲۵۶۸

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۴۴۳، رقم: ۱۰۸۳۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۷۹، رقم: ۲۲۴۶۰

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۷: ۲۲۳، رقم: ۲۹۵۷

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳: ۳۸۰، رقم: ۶۳۷۱، ۶۳۷۲

زائراً؟ فقال لا، بل عائداً. فقال علي رضی اللہ عنہ: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: ما من مسلم یعود مسلماً غدوة إلا صلی علیه سبعون ألف ملک حتی یمسي وإن عاده عشیة إلا صلی علیه سبعون ألف ملک حتی یصبح وکان له خریف في الجنة.(۱)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: میرے ساتھ آؤ حسن کی عیادت کریں اور ہم نے دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوموسیٰ! کیا تم حسن کی عیادت کے لئے آئے تھے یا ملنے کے لئے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں بلکہ میں عیادت کے لئے آیا ہوں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرے تو شام تک اس پر ستر ہزار فرشتے سلام بھیجتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس پر سلام بھیجتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کیلئے ایک چشمہ (خاص) کر دیا جائے گا۔‘‘

طبی سہولیات کی فراہمی کا حق

اسلام نے جملہ فرائض کی ادائیگی کو صحت کے ساتھ مشروط ٹھہرایا ہے۔ مریضوں کو فرائض کی ادائیگی میں رعایت عطا کی گئی ہے۔ مریضوں کو جہاں عیادت اور مزاج پرسی کا

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب الجنائز، باب ما جاء في عیادة المریض، ۳: ۳۰۰، رقم: ۹٦۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۹۱، رقم: ۷۰۲

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲٦٦، رقم: ۷۴٦۴

۴۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۱: ۵۰۱، رقم: ۱۲۹۴

۵۔ بیهقي، السنن الکبری، ۳: ۳۸۰، رقم: ٦۳۷٦

سماجی و معاشرتی حق عطا کیا گیا ہے وہاں انہیں یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی صحت کی بحالی اور علاج و معالجہ کے لئے اقدامات کر سکیں۔ بیماری کی وجہ سے عبادات اور فرائض میں رعایت کے احکامات قرآن مجید نے یوں بیان کئے:

۱۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ج فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝(۱)

’’اور حج اور عمرہ (کے مناسک) اللہ کے لئے مکمل کرو، پھر اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جو قربانی بھی میسر آئے (کرنے کے لیے بھیج دو) اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوالے تو اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے) پھر جب تم اطمینان کی حالت میں ہو تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا فائدہ اٹھائے تو جو بھی قربانی میسر آئے (کردے) پھر جسے یہ بھی میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے (زمانۂ) حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے واپس لوٹو، یہ پورے دس (روزے) ہوئے، یہ (رعایت) اس کے لئے ہے جس کے اہل و عیال مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے

(۱) البقرة، ۲: ۱۹۶

ہوں، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہےo‘‘

۲۔ لَیۡسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الۡمَرۡضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ مَا یُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ؕ مَا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ مِنۡ سَبِیۡلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌo(۱)

’’ضعیفوں (کمزوروں) پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ (ہی) ایسے لوگوں پر ہے جو اس قدر (وسعت بھی) نہیں پاتے جسے خرچ کریں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کیلئے خالص و مخلص ہو چکے ہوں، نیکو کاروں (یعنی صاحبانِ احسان) پر الزام کی کوئی راہ نہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo‘‘

۳۔ لَیۡسَ عَلَی الۡاَعۡمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الۡمَرِیۡضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ یُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبۡهُ عَذَابًا اَلِیۡمًاo(۲)

’’(جہاد سے رہ جانے میں) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ (ہی) بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا وہ اسے بہشتوں میں داخل فرما دے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی، اور جو شخص (اطاعت سے) منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گاo‘‘

مغربی قانون اور طبی سہولیات کا حق

صحت کی نگہداشت اور طبی سہولیات پر ہر ایک کا حق ہے تاکہ ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ معیارِ صحت برقرار رکھا جاسکے۔ اس کی یقین دہانی 1948ء کے Universal

(۱) التوبۃ، ۹: ۹۱

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۷

The International کے 1966ء، Declaration of Human Rights 1948ء، Covenant on Economic, Social and Cultural Rights The American Declaration of Rights and Duties of Man کے اور 1981ء کے The African Charter on Human and People's Rights میں کرائی گئی ہے۔ یورپی ماہرین کی کمیٹی (European Committee of Experts) نے جانچ پرکھ کے لئے کچھ بنیادی اصول مقرر کئے ہیں جن کی موجودگی کسی ملک کی طرف سے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی کی شہادت فراہم کرسکتی ہے۔ جانچ پرکھ کے ان اصولوں کے مطابق یورپین سوشل چارٹر 1961ء کے تحت ایک ریاست اپنے فرض کو ادا کرنے کی حالت میں اس وقت متصور ہوگی جب وہ طبی اور صحت کے علاج معالجہ کا نظام قائم کرے گی تاکہ لوگوں کو ضروری حدتک مناسب طبی خدمات فراہم کی جاسکیں۔

European Committee of Experts نے طے کیا ہے کہ منشور کا پابند کوئی ملک مذکورہ آرٹیکل کے تحت اپنی ذمہ داری سے سبکدوش سمجھا جائے گا اگر وہ اس امر کی شہادت فراہم کر دے کہ وہ درج ذیل اقدامات پر مشتمل طبی خدمات اور صحت کے نظام کو وجود میں لے آیا ہے:

۱۔ عوامی صحت کے لیے کئے گئے انتظامات کے تحت میڈیکل اور تربیت یافتہ نگران طبی عملہ اور صحت کے بڑے مسائل کی مناسبت سے موزوں سامان و آلات اور ان انتظامات کو یقینی بنانا ہوگا:

(ا) تمام تر آبادی کے لئے مناسب طبی سہولیات

(ب) بیماری کی تشخیص اور روک تھام

۲۔ ماؤں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے حفظانِ صحت کے خصوصی اقدامات

۳۔ عمومی اقدامات جو بالخصوص پانی اور ہوا کی آلودگی روکنے کے لئے کیے جائیں۔ تابکار اشیاء کے اثرات سے تحفظ، شور میں کمی، غذائی کنٹرول، تحفظِ ماحول و

صحت اور شراب نوشی و منشیات کی روک تھام

۴۔ تعلیمِ صحت کا نظام

۵۔ حفاظتی ٹیکے، جراثیم کش ادویات کا چھڑکاؤ اور متعدی و بائی امراض کی روک تھام، علاقائی اور وبائی امراض پر قابو پانے کے ذرائع کی فراہمی، اجتماعی تنظیموں کی طرف سے تمام یا کم از کم خدمات صحت کے مصارف کے خاطر خواہ حصے کی برداشت۔ (۱)

مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ معاشرے میں مریض کی دیکھ بھال ضروری ہے۔ اس ضمن میں مریضوں کے لئے ہسپتال، ڈسپنسریاں، صحت کے مراکز وغیرہ کا اجراء ناگزیر ہے۔ ان علاج گاہوں میں ادویات کی فراہمی، متعلقہ مرض کا سپیشلسٹ ڈاکٹر، آپریشن تھیٹر اور پیرا میڈیکل سٹاف کی تعیناتی اہم امور شامل ہیں۔ یہ حکومت ہی کا فرض نہیں ہے کہ وہ ہسپتال اور ڈسپنسریاں بنائے بلکہ معاشرے کے متمول افراد کو بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔نجی سطح پر خیراتی ہسپتال، فری ڈسپنسریاں قائم کر کے معاشرہ کے مصیبت زدہ (بیماروں) کے ساتھ بھلائی کی جا سکتی ہے۔ ایسی بھلائی کرنا اسلامی تعلیمات میں شامل ہے۔

۷۔حقِ انصاف

فرد کا فطری تقاضا ہے کہ اسے انصاف ملے اگر وہ مظلوم ہے تو ظالم کو سزا دی جائے اور اگر کسی نے اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی زیادتی کی ہے تو اس کا ازالہ بذریعہ عدالت، قانون، جرم و سزا سے کیا جائے۔حقِ انصاف میں چند ذیلی حقوق بھی شامل ہیں۔

(۱) قانونی مساوات کا حق

(۲) حصولِ انصاف کا حق

(۱) سگارٹ، حقوقِ انسانی کا بین الاقوامی قانون: ۱۹۵۔ ۱۹۸

(۳) آزادانہ سماعت کا حق

(۴) دوسروں کے جرائم سے برأت کا حق

(۵) صفائی پیش کرنے کا حق

اب ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

(۱) قانونی مساوات کا حق

اسلام کا عطا کردہ حقِ مساوات صرف عمومی یا سماجی و معاشرتی نوعیت ہی کا نہیں بلکہ قانونی اور ریاستی سطح کا بھی حامل ہے۔ اسلامی ریاست کے تمام شہری یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔ اسلام کے عطا کردہ قوانین کے نفاذ کے باب میں شہریوں میں کسی بھی نوعیت کا امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا بلکہ حقوق و فرائض کے تعین کے لیے جب بھی قانون کے نفاذ کی ضرورت پڑے گی وہ مساوی بنیادوں پر نافذ کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس نوعیت کے بے شمار نظائر کا حامل ہے۔ جیسا کہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے ظاہر ہے:

۱۔ عن حسن بن محمد بن علي قال: سرقت امرأة. قال عمرو: حسبت أنه قال: من بنات الكعبة، فأتى بها النبي ﷺ، فجاء عمر بن أبي سلمة، فقال للنبي ﷺ: إنها عمتي، فقال النبي ﷺ: لو كانت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها.[1]

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۰۲، رقم: ۱۸۸۳۱

۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب الحدود، باب إقامة الحدود على الشريف والوضيع، ٦: ۲۴۹۱، رقم: ٦۴۰۵

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره والنهي عن الشفاعة في الحدود، ۳: ۱۳۱٦، رقم: ۱٦۸۹

’’حضرت حسن بن محمد بن علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک عورت نے چوری کی عمرو کا کہنا ہے کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ قریش کے معزز خاندان میں سے تھی۔ پس اسے حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا۔ تو عمر بن ابی سلمہ آئے اور حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یہ میری پھوپھی ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹتا۔‘‘

۲۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أن قريشًا أهمهم شأن المرأة (المخزومية) التي سرقت في عهد النبي ﷺ، في غزوة الفتح. فقالوا: من يكلم فيها رسول الله ﷺ؟ فقالوا: ومن يجترئ عليه إلا أسامة بن زيد، حبّ رسول الله ﷺ؟ فأتى بها رسول الله ﷺ. فكلمه فيها أسامة بن زيد. فتلون وجه رسول الله ﷺ. فقال ”أتشفع في حد من حدود الله؟ فقال له أسامة: استغفر لي. يا رسول الله! فلما كان العشي قام رسول الله ﷺ فاختطب فاثنى على الله بما هو أهله. ثم قال: ’’أما بعد. فإنما أهلك الذين من قبلكم، أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف، تركوه وإذا سرق فيهم الضعيف، أقاموا عليه الحد. وإني، والذي نفسي بيده، لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها“ ثم أمر بتلك المرأة التي سرقت فقطعت يدها.(۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره والنهي عن الشفاعة في الحدود، ۳: ۱۳۱۵، رقم: ۱۶۸۸
۲۔ بخاري، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر أسامة بن ←

’’قریش کو اس عورت کی خاندانی شرافت کا خیال آیا کہ جس نے فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کون رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے گا؟ انہوں نے کہا کہ وہ صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی ہیں کہ جو حضور نبی اکرم ﷺ کے لاڈلے ہیں۔ اس عورت کو حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں سفارش کی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا اور فرمایا گیا: تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کر رہے ہو؟ پس حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے۔ جب عشاء کا وقت ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا: اللہ تعالیٰ کی، اس کے لائق، تعریف کی پھر فرمایا: بے شک تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ جب کبھی کسی امیر نے چوری کی تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا اور جب کبھی کسی کمزور نے چوری کی تو اس پر حد قائم کر دیتے اور میں وہ ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا پھر آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔‘‘

۳۔ درج ذیل حدیث بھی حقِ انصاف کی فراہمی کی اہم مثال ہے:

عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن أسيد بن حضير رجل من الأنصار، قال: بينما هو يحدث القوم وكان فيه مزاح بينا يضحكهم، فطعنه النبي ﷺ في خاصرته بعود، فقال: أصبرني، قال: اصطبر، قال:

...... زید رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۶۶، رقم: ۳۵۲۶

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء في كراهية أن يشفع في الحدود، ۴: ۳۷، رقم: ۱۴۳۰

إن علیک قمیص ولیس عليّ قمیص، فرفع النبي ﷺ عن قمیصه فاختضنه وجعل یقبل کشحه، قال: إنما أردت هذا یارسول الله!. (۱)

’’عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰ سے روایت ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو انصار کے ایک فرد تھے، وہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور مزاحیہ باتیں سنا کر لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک لکڑی سے کونچا دیا۔ اس نے عرض کی کہ مجھے قصاص دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: لے لو۔ عرض گزار ہوئے کہ آپ ﷺ کے اوپر قمیص ہے جب کہ میرے اوپر قمیص نہ تھا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا کرتا مبارک اٹھا دیا تو وہ لپٹ گئے اور آپ ﷺ کے پہلو کو بوسہ دینے لگے، عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! میرا صرف یہی مقصد تھا۔‘‘

(۲) حصولِ اِنصاف کا حق

قرآن مجید نے زندگی کے تمام معاملات کو عدل و انصاف پر استوار کرنے کی تعلیم دے کر ہر شخص کو بے لاگ انصاف کے حصول کا حق عطا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یہ مضمون واضح ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا بنیادی مقصد معاشرتی اور ریاستی معاملات کو عدل و انصاف پر استوار کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرے کا کوئی فرد ظلم اور استحصال کا شکار نہ ہو۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في قبلة الجسد، ۴: ۳۵۶، رقم: ۵۲۲۴

۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱: ۲۰۵، رقم: ۵۵۶

۳۔ حاکم، المستدرك علی الصحیحین، ۳: ۳۲۷، رقم: ۵۲۶۲

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۷: ۱۰۲، رقم: ۱۳۳۶۴

النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ۝ (۱)

''بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں انہی لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہیں، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ۝''

۲۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۝ (۲)

''(اے رسولِ گرامی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف حق پر مبنی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں میں اس (حق) کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ (کبھی) بددیانت لوگوں کی طرف داری میں بحث کرنے والے نہ بنیں ۝''

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ۚ اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ۚ وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ۝ (۳)

''اے ایمان والو! تم انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے (محض) اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو جاؤ خواہ (گواہی) خود تمہارے اپنے یا

(۱) النساء، ۴: ۵۸

(۲) النساء، ۴: ۱۰۵

(۳) النساء، ۴: ۱۳۵

(تمہارے) والدین یا (تمہارے) رشتہ داروں کے ہی خلاف ہو اگرچہ (جس کے خلاف گواہی ہو) مال دار ہے یا محتاج، اللہ ان دونوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہشِ نفس کی پیروی نہ کیا کرو کہ عدل سے ہٹ جاؤ (گے) اور اگر تم (گواہی میں) پیچدار بات کرو گے یا (حق سے) پہلو تہی کرو گے تو بے شک اللہ (ان سب کاموں سے) جو تم کر رہے ہو خبردار ہے۔‘‘

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [1]

’’اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم (اس سے) عدل نہ کرو عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور اللہ سے ڈرا کرو۔ بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔‘‘

۵۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ط فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [2]

’’اور ہم نے اس (تورات) میں ان پر فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے عوض آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے عوض کان اور

(۱) المائدة، ۵: ۸

(۲) المائدة، ۵: ۴۵

دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں (بھی) بدلہ ہے تو جو شخص اس (قصاص) و صدقہ (یعنی معاف) کر دے تو یہ اس (کے گناہوں) کے لیے کفارہ ہو گا اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ (وحکومت) نہ کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں○‘‘

۶۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○[1]

’’اور یتیم کے مال کے قریب مت جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پیمانے اور ترازو (یعنی ناپ اور تول) کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم (کسی کی نسبت کچھ) کہو تو عدل کرو اگرچہ وہ (تمہارا) قرابت دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کیا کرو یہی (باتیں) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو○‘‘

۷۔ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۖ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ○[2]

’’فرما دیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور تم ہر سجدہ کے وقت و مقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو اور تمام تر فرمانبرداری اس کے لیے خاص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو جس طرح اس نے تمہاری (خلق و حیات کی) ابتداء کی تم اسی طرح (اس کی طرف) پلٹو گے○‘‘

(۱) الانعام، ۶: ۱۵۲

(۲) الاعراف، ۷: ۲۹

۸۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○[۱]

’’بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا، اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو○‘‘

۹۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ج وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ط لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ط اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ط وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○[۲]

’’پس آپ اسی (دین) کے لئے دعوت دیتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے (اسی پر) قائم رہئے اور اُن کی خواہشات پر کان نہ دھریئے، اور (یہ) فرما دیجئے: جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اُس پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔ اللہ ہمارا (بھی) ربّ ہے اور تمہارا (بھی) ربّ ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف (سب کا) پلٹنا ہے○‘‘

۱۰۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ.[۳]

(۱) النحل، ۱۶: ۹۰

(۲) الشوریٰ، ۴۲: ۱۵

(۳) الحدید، ۵۷: ۲۵

’’بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔‘‘

(۳) آزادانہ سماعت کا حق

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام فریقوں کو سماعت کا مساوی حق نہ دے دیا جائے چونکہ نزول قرآن مجید کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہے اس لئے ہر فردِ معاشرہ کو سماعت کا حق عطا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ امر واضح ہے کہ اس حق کا تعین خود اللہ رب العزت نے اپنی سنت سے کیا جب آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس سرتابی پر ابلیس کو سزا دینے سے پہلے وضاحت کا موقع دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○[۱]

’’بیشک ہم نے تمہیں (یعنی تمہاری اصل کو) پیدا کیا پھر تمہاری صورت گری کی (یعنی تمہاری زندگی کی کیمیائی اور حیاتیاتی ابتداء و ارتقاء کے مراحل کو آدم (علیہ السلام) کے وجود کی تشکیل تک مکمل کیا) پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا○‘‘

۲۔ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ○[۲]

’’ارشاد ہوا: (اے ابلیس!) تجھے کس (بات) نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا

(۱) الاعراف، ۷: ۱۱

(۲) الاعراف، ۷: ۱۲

جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا، اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا ہےo‘‘

۳۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَo(۱)

’’ارشاد ہوا: پس تو یہاں سے اتر جا! تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں تکبر کرے پس (میری بارگاہ سے) نکل جا۔ بیشک تو ذلیل وخوار لوگوں میں سے ہےo‘‘

۴۔ اسی طرح جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی ریاستی انتظامیہ (State bureaucracy) کا ایک حصہ یعنی ہُدہُد بغیر آپ کو اطلاع دیئے لشکر سے غائب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسے سخت سزا دوں گا اِلّا یہ کہ وہ اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو سزا دینے سے پہلے حقِ سماعت عطا کیا۔ قرآن حکیم فرماتا ہے:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَo لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَ اذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍo(۲)

’’اور سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ (واقعی) غائب ہو گیا ہےo میں اسے (بغیر اجازت غائب ہونے پر) ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس (اپنے بے قصور ہونے کی) واضح دلیل لائے گاo‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۱۳

(۲) النمل، ۲۷: ۲۰، ۲۱

(۴) دوسروں کے جرائم سے برأت کا حق

عدل و انصاف کا لازمی تقاضا ہر شخص کو صرف اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ اسلام نے ہر فردِ معاشرہ کو عدل و انصاف کی اس روح کے پیشِ نظر دوسروں کے جرائم سے برأت کا بنیادی حق عطا کیا ہے کہ ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور دنیا یا آخرت میں کہیں بھی کسی کو دوسرے کے اعمال و افعال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جائے گا:

۱۔ **تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ج لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ج وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○**(۱)

''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی، ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہوگا جو تم کماؤ گے، اور تم سے ان کے اعمال کی باز پرس نہ کی جائے گی○''

۲۔ **مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○**(۲)

''جو کوئی راہِ ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے فائدہ کے لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال (بھی) اسی پر ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم ہرگز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج لیں○''

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۳۴

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۵

(۵) صفائی پیش کرنے کا حق

معاشرہ میں مختلف اخلاقی، سماجی، معاشی و معاشرتی برائیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ اکثر اوقات جھگڑا، فساد اور مار پیٹ تک نوبت چلی جاتی ہے۔ مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ مظلوم کی داد رسی نہیں ہوتی اور اس کو بسا اوقات قانون نافذ کرنے والے ادارے بوجہ رشوت، سفارش، فرض شناسی اور ذمہ داری سے پہلو تہی کرتے ہوئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ سراسر ناانصافی اور ظلم کے مترادف ہے۔ ایک طرف اگر مظلوم، ستم زدہ اور مجبور شخص کو اپنی شکایت حکام بالا سے عرض کرنے کی اجازت ہونی چاہیے تو اس کے ساتھ ساتھ دوسری جانب اس پر لگائے گئے الزامات کی نفی کرنے کے لئے صفائی پیش کرنے کا حق دینا بھی ضروری ہے۔ اسلام ان اقدامات کی بھرپور حمایت کرتا ہے کیونکہ یہ عمل معاشرہ سے ناانصافی، ظلم، جبر اور استحصال ختم کرنے میں ممد و معاون ہے۔

اسلام ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے کا حق عطا کرتا ہے۔ چونکہ جملہ معاملات کے تصفیہ میں اسلام کا بنیادی اصول عدل و انصاف کا قیام ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ط اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًاۢ بَصِیۡرًا ۝ (۱)

’’اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بیشک اللہ تمہیں کیا ہی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ۝‘‘

عدل و انصاف کا قیام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کو اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنا مؤقف بیان کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بنیادی حق عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

(۱) النساء، ۴: ۵۸

فإذا جلس بين يديک الخصمان فلا تقضين حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الأول.(۱)

’’جب تیرے پاس دو فریق فیصلہ کروانے کے لئے آئیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے فریق کو بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق سے سنا تھا۔‘‘

معاشی کفالت کے سلسلہ میں مندرجہ بالا سات حقوق کا تمام افرادِ معاشرہ تک پہنچنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت کے ساتھ ساتھ نجی شعبہ کے صاحبِ حیثیت افراد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افراد کی ان حقوق تک رسائی کو یقینی بنائیں۔

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأقضية، باب كيف القضاء، ۳: ۳۰۱، رقم: ۳۵۸۲
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۵
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۱۰: ۱۴۰

باب ہفتم

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ○

(الواقعہ، ۵۶: ۶۳، ۶۴)

زمین، زراعت اور مزارعت

زمین (LAND)

تعریف

زمین سے مراد ''سطحِ زمین'' یا ''قشر الارض'' ہے۔ اس میں وہ تمام قدرتی وسائل اور عطیاتِ خداوندی شامل ہیں جن پر محنت کر کے انسان اپنی گزر بسر کا سامان حاصل کرتا ہے۔

زمین رقبہ ہے جس میں باری تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی منفعت کے بے شمار مواقع، اسباب اور وسائل مہیا فرما دیئے ہیں۔ یہ قدرت کا بہترین عطیہ ہے جس میں کسی فرد، قوم یا ملت کی محنت، تنظیمِ کار یا جدوجہد کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ربِ کریم کا عطا کردہ یہ فرشِ عظیم خلقِ خدا کے لئے حصولِ رزق اور رہائش کا سب سے بڑا اور منفرد ذریعہ ہے۔

اَہمیتِ زمین

زمین سے انسان کی دو بڑی بنیادی اغراض وابستہ ہیں ایک کاشتکاری یا زراعت اور دوسری رہائش یا سکونت، انسان کو اس کی اہمیت سے روشناس کرانے کے لئے قرآن مجید میں واضح آیات موجود ہیں مثلاً:

۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا. (۱)

''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا۔''

۲۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاo (۲)

(۱) المؤمن، ۴۰: ۶۴

(۲) نوح، ۷۱: ۱۹

’’اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیاo‘‘

۳۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًاo(۱)

’’کیا ہم نے زمین کو (زندگی کے) قیام اور کسب و عمل کی جگہ نہیں بنایا؟o‘‘

۴۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ط فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰىo(۲)

’’وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور اس میں تمہارے (سفر کرنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) انواع و اقسام کی نباتات کے جوڑے نکال دیئےo‘‘

۵۔ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْo(۳)

’’اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح (گولائی کے باوجود) بچھائی گئی ہے؟o‘‘

۶۔ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَo(۴)

(۱) النبأ، ۷۸: ۶

(۲) طہ، ۲۰: ۵۳

(۳) الغاشیۃ، ۸۸: ۲۰

(۴) الرعد، ۱۳: ۴

’’اور زمین میں (مختلف قسم کے) قطعات ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، جھنڈدار اور بغیر جھنڈ کے، ان (سب) کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اور (اس کے باوجود) ہم ذائقہ میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشتے ہیں، بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیںo‘‘

۷۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَo(۱)

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo‘‘

۸۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَo(۲)

’’اور اسی نے زمین میں (مختلف مادوں کو باہم ملا کر) بھاری پہاڑ بنا دیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ (اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے) تمہیں لے کر کانپنے لگے اور نہریں اور (قدرتی) راستے (بھی) بنائے تاکہ تم (منزلوں تک پہنچنے کے لئے) راہ پا سکوo‘‘

۹۔ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ط وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَo(۳)

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) النحل، ۱۶: ۱۵

(۳) الرعد، ۱۳: ۳

''اور وہی ہے جس نے (گولائی کے باوجود) زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور ہر قسم کے پھلوں میں (بھی) اس نے دو دو (جنسوں کے) جوڑے بنائے (وہی) رات سے دن کو ڈھانک لیتا ہے، بیشک اس میں تفکر کرنے والوں کے لئے (بہت) نشانیاں ہیںo''

۱۰۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍo[۱]

''اور (اِسی طرح) ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے بہت بھاری پہاڑ رکھے اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوشنما پودے اُگائےo''

۱۱۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ...... وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ.[۲]

''اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا تو وادیاں اپنی (اپنی) گنجائش کے مطابق بہہ نکلیں ...... اور البتہ جو کچھ لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔''

۱۲۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَo[۳]

(۱) ق، ۵۰: ۷

(۲) الرعد، ۱۳: ۱۷

(۳) البقرة، ۲: ۱۶۴

’’بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کی گردش میں اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں اور اس (بارش) کے پانی میں جسے اللہ آسمان کی طرف سے اتارتا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے (وہ زمین) جس میں اس نے ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے ہیں اور ہواؤں کے رُخ بدلنے میں اور اس بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان (حکمِ الٰہی کا) پابند (ہو کر چلتا) ہے (ان میں) عقلمندوں کے لئے (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں٥‘‘

۱۳۔ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ٥(۱)

’’اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے٥‘‘

۱۴۔ اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ج فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥(۲)

’’جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمانوں کی طرف سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لئے (انواع و

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۳۰

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۲

اقسام کے) پھل پیدا کئے، پس تم اللہ کے لئے شریک نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم (حقیقتِ حال) جانتے ہوo‘‘

۱۵۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَo(۱)

’’وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان کی جانب سے پانی اتارا، اس میں سے (کچھ) پینے کا ہے اور اسی میں سے (کچھ) شجر کاری کا ہے (جس سے نباتات، سبزے اور چراگاہیں اُگتی ہیں) جن میں تم (اپنے مویشی) چراتے ہوo‘‘

۱۶۔ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَo(۲)

’’آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافقین نہیں سمجھتےo‘‘

۱۷۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰىo(۳)

’’(پس) جو کچھ آسمانوں (کی بالائی نوری کائناتوں اور خلائی مادی کائناتوں) میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان (فضائی اور ہوائی کرّوں میں) ہے اور جو کچھ سطحِ ارضی کے نیچے آخری تہہ تک ہے سب اسی کے (نظام اور قدرت کے تابع) ہیںo‘‘

(۱) النحل، ۱۶: ۱۰

(۲) المنافقون، ۶۳: ۷

(۳) طه، ۲۰: ۶

۱۸۔ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًاط وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُo[1]

''وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے، اور نصیحت صرف وہی قبول کرتا ہے جو رجوع (الی اللہ) میں رہتا ہےo''

۱۹۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَo[2]

''اور آسمان میں تمہارا رزق (بھی) ہے اور وہ (سب کچھ بھی) جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہےo''

۲۰۔ وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُج وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَo[3]

''اور ہم ہواؤں کو بادلوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے بھیجتے ہیں پھر ہم آسمان کی جانب سے پانی اتارتے ہیں پھر ہم اسے تم ہی کو پلاتے ہیں اور تم اس کے خزانے رکھنے والے نہیں ہوo''

۲۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖج فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَo[4]

''اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر وہ اس (بادل)

(۱) المؤمن، ۴۰: ۱۳

(۲) الذاریات، ۵۱: ۲۲

(۳) الحجر، ۱۵: ۲۲

(۴) الروم، ۳۰: ۴۸

کو فضائے آسمانی میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے پھر اسے (متفرق) ٹکڑے (کر کے تہ بہ تہ) کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے پھر جب اس (بارش) کو اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیں o‘‘

مذکورہ بالا قرآنی حوالہ جات کے علاوہ احادیثِ نبویہ ﷺ میں بھی قرارِ واقعی انداز میں زمین، زراعت اور مسئلہ ملکیتِ زمین بیان ہوا ہے جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

زمین بحیثیت عاملِ پیدائش (Land as a factor of production)

مذکورہ بالا قرآنی حوالہ جات سے ایک طرف تو حیاتِ انسانی میں زمین کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے اور دوسری طرف زمین کا عاملینِ پیدائش میں بنیادی عامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ عاملینِ پیدائش میں محنت اور سرمایہ بھی اہم ہیں لیکن زمین کے وجود کے بغیر ان دونوں (محنت و سرمایہ) کا تصور ہی غیر ممکن ہے اس طرح زمین عاملینِ پیدائش میں اوّل ترین درجہ رکھتی ہے۔

اَقسامِ اَراضی

شریعتِ اسلامی (جس میں تمام مذاہب کے فقہاء شامل ہیں) میں زمین کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی گئی ہیں:

(۱) اراضی مملکت

یہ وہ زمینیں ہیں جو ریاست کی ملکیت میں ہوتی ہیں۔

(۲) اراضی وقف

وہ زمینیں جو رفاعِ عامہ کے لئے وقف کر دی گئی ہوں۔

(۳) اراضی موات

وہ غیر آباد اور بنجر زمینیں جو کسی کی ملکیت نہ ہوں۔

(۴) اراضی متروکہ

مصالح عامة الناس کے لئے چھوڑی گئی زمینیں متروکہ املاک میں شمار کی جاتی ہیں ان میں خاص طور پر اراضی برائے قبرستان، پارک، کھیل کے میدان وغیرہ شامل ہیں۔

(۵) اراضی مملوکہ

وہ زمین جسے کوئی شخص آباد کر کے اپنی ملکیت بنا لے مملوکہ اراضی کہلاتی ہے۔

ملکیتِ زمین کے احکام

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انفرادی حقوق و فرائض میں اعتدال ہی اجتماعی امور کے لئے بہترین کفیل ہے۔ اسی لئے اسلام کلیتاً انفرادی ملکیت کو ختم نہیں کرتا بلکہ قوانینِ فطرت کی مطابقت کے ساتھ ساتھ ایک جانب زمین اور وسائلِ پیداوار میں انفرادی ملکیت کو ایک حد تک جائز قرار دیتا ہے اور دوسری جانب اجتماعی مفادات کے پیشِ نظر اس پر ایسی قیود کی نشاندہی کرتا ہے جو انفرادی ملکیت میں توازن و اعتدال قائم رکھ سکیں۔ مسئلۂ ملکیتِ زمین کے ضمن میں اسلام نے واضح نظریات پیش کئے ہیں جن کی وضاحت حسبِ ذیل ہے:

(۱) اسلام قبول کرنے والے لوگ

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے افراد جن املاک کے مالک تھے وہ انہی کی ملکیت میں رہیں گی یہی آپ ﷺ کا اصول مبارک تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن القوم إذا أسلموا أحرزوا دمائهم وأموالهم. (۱)

’’جب لوگ اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا اصول فرد کی منقولہ و غیر منقولہ اور قدیمی جائیدادوں پر لاگو ہوگا۔ اسی قانون کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

فإن دماءهم حرام وما أسلموا عليه من أموالهم فلهم وكذلك أرضوهم لهم وهي الأرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله ﷺ وكانت أرضهم أرض عشر، وكذلك الطائف والبحران، وكذلك أهل البادية إذ أسلموا على مياههم وبلادهم فلهم ما أسلموا عليه وهو في أيديهم وليس لأحد من أهل القبائل أن يبني في ذلك شيئًا يستحق به منه شيئًا، ولا يحفر فيه بئرًا يستحق به شيئًا، وليس لهم أن يمنعوا الكلأ ولا يمنعوا الرعاء ولا المواشي من الماء ولا حافراً ولا خفافي تلك البلدة، وأرضهم أرض عشر ولا يخرجون عنها فيها بعد ويتوارثونها ويتبايعونها وكذلك كل بلاد أسلم عليها أهلها فهي لهم وما فيها. (۲)

’’جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کا خون حرام ہے۔ (قبولِ اسلام کے وقت جن اموال کے وہ مالک ہوں) وہ انہی کی ملک رہیں گے اسی طرح ان کی زمینیں

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۵، رقم: ۳۰٦۷

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۴۸۵، رقم: ۱٦۷۳

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ٦۸

بھی ان ہی کی ملک رہیں گی اور وہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ اس کی نظیر مدینہ ہے جس کے باشندوں نے جب حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے اور ان پر عشر لگا دیا گیا۔ ایسا ہی معاملہ طائف اور بحرین کے لوگوں سے بھی کیا گیا۔ اسی طرح بدوؤں میں سے بھی جن جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اپنے اپنے چشموں اور اپنے اپنے علاقوں کے مالک تسلیم کئے گئے، اور اہلِ قبائل میں سے کوئی بھی اس زمین میں ایسی عمارت نہیں بنا سکتا جس سے اس کا استحقاق ثابت ہو اور نہ ہی کوئی ایسا کنواں کھود سکتا ہے جس سے اس کا استحقاق ثابت ہو اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کھیتوں میں جانوروں کو چرنے سے منع کریں۔ جانوروں کو پانی پینے سے روکنا، کنواں کھودنے سے منع کرنا اور چرمہ بیچنے والوں کو منع کرنا بھی (ان کے لئے جائز نہیں) ان کی زمین عشری زمین ہے وہ اس سے بے دخل نہیں کئے جا سکتے اور انہیں اس پر بیع اور وراثت کے جملہ حقوق حاصل ہیں بالکل اسی طرح جن علاقوں کے باشندے اسلام قبول کر لیں وہ اپنی املاک کے مالک رہیں گے۔‘‘

اسی امر کو ابن القیم (٦٧١۔٧٥١ھ) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

كان هديه أن من أسلم على شيء في يده، فهو له، ولم ينظر إلى سببه قبل الإسلام، بل يقره في يده كما كان قبل الإسلام.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جو شخص اسلام لانے کے وقت جس چیز پر قابض تھا وہ اسی کے قبضے میں رہنے دی گئی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اسلام لانے سے پہلے وہ چیز کس ذریعہ سے اس کے قبضے میں آئی تھی بلکہ وہ اس کے ہاتھ میں اسی طرح رہنے دی گئی جس طرح وہ پہلے سے چلی آ رہی تھی۔‘‘

(۱) ابن قيم، زاد المعاد في هدي خير العباد، ۳: ۱۱۵

(۲) معاہدہ کرنے والے لوگ

وہ لوگ جو اپنے دین پر قائم رہیں لیکن اپنے آپ کو کسی معاہدہ کے تحت اسلامی حکومت کی مطابقت میں دے دیں تو ایسے افراد کے ساتھ معاہدہ کی شرائط کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ **ألا من ظلم معاهداً أو انتقصه أو كلّفه فوق طاقته أو أخذ منه شيئًا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة.**(۱)

''خبردار رہو جو شخص کسی معاہد ذمی پر ظلم کرے گا یا از روئے معاہدہ اس کے جو حقوق ہوں ان کے اندر کوئی کمی کرے یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لے گا تو اس کے خلاف میں خود قیامت کے روز مدعی بنوں گا۔''

۲۔ ایک اور موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لعلكم تقاتلون قوماً فتظهرون عليهم فيتقونكم بأموالهم دون أنفسهم وأبنائهم، قال سعيد في حديثه، فيصالحونكم على صلح فلا تصيبوا منهم شيئًا فوق ذلك فإنه لا يصلح لكم.(۲)

''اگر کبھی ایسا ہو کہ کسی قوم سے تمہاری جنگ ہو پھر وہ تمہارے سامنے آ کر

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۰۵، رقم: ۱۸۷۳۱

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۱
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۰۴، رقم: ۱۸۷۲۰

اپنے بال بچوں کی جانیں بچانے کے لئے اپنے مال دینے پر تیار ہو جائیں۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں (ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے) کہا کہ تم صلح کر لو تو ایسی صورت میں زائد کچھ نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔‘‘

امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) مذکورہ بالا احادیث کی وضاحت میں رقمطراز ہیں:

أيما قوم من أهل الشرک صالحهم الإمام على أن ينزلوا على الحكم والقسم وأن يؤدوا الخراج فهم أهل ذمة وأرضهم أرض خراج ويؤخذ منهم ما صولحوا عليه ويوفى لهم ولا يزاد عليهم.(۱)

’’غیر مسلموں کی جس قوم کی اس بات پر امام کے ساتھ صلح ہو جائے کہ وہ مطیع ہو جائیں گے اور خراج ادا کریں گے تو وہ اہل الذمہ (ذمی) ہیں ان کی اراضی اراضئ خراج ہے ان سے بس وہی کچھ لیا جائے گا جس پر ان سے صلح ہوئی ہے ان کے ساتھ پورا عہد کیا جائے گا اور ان پر کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے گا۔‘‘

تاریخ شاہد ہے کہ مذکورہ بالا اصول کے تحت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران، ہجر، ایلہ اور دیگر علاقوں کے لوگوں کے ساتھ صلح کی تھی انہیں ان کی زمینوں، جائیدادوں، صنعتی اور تجارتی یونٹوں پر بدستور بحال رکھا۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے بھی اسی روش کو اپنایا۔

(۳) وہ لوگ جو بذریعہ جنگ مغلوب ہوئے

جہادِ اسلامی کے تحت کچھ علاقے اسلامی ریاست کی تحویل میں آئے، یہاں کے باشندگان کی اراضی کے ضمن میں درج ذیل تین طرزہائے عمل اختیار کئے گئے۔ آج بھی یہ اصول وضوابط کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی تنفیذ وعمل عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلافتِ

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ٦٨

راشدہ سے ثابت ہے۔

۱۔ پہلا طرزِ عمل جو حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اختیار فرمایا یعنی مفتوحین و معتوبین کو جان و مال کی معافی دی اور انہیں ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر بدستور مالک رہنے دیا البتہ قبولِ اسلام کے بعد ان کی زمینیں عشری زمین قرار دی گئیں۔

۲۔ دوسرا طرزِ عمل فتح خیبر کے موقع پر سامنے آیا کہ جس میں آپ ﷺ نے خیبر میں مفتوحہ علاقے کو مالِ غنیمت قرار دیا اس صورت میں سابقہ مالکان کی ملکیت ساقط کر دی گئی اور اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

کتاب الاموال میں ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فحكم رسول الله ﷺ في خيبر، وذلک أنه جعلها غنيمة، فخمسها، وقسمها.(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے خیبر (کی زمین کے بارے میں) فیصلہ فرمایا اور وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس (زمین) کو مالِ غنیمت قرار دیا، پھر اس میں سے خمس نکالا اور (باقی زمین) تقسیم فرما دی۔''

۳۔ تیسرا طرزِ عمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ملتا ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے شام، عراق اور بعد ازاں تمام مفتوحہ علاقوں کی زمینیں حکومت کی تحویل میں رہنے دیں اور ان سے حاصل شدہ آمدنی عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دی گئی۔

ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۷۵، رقم: ۱۵۳

فانظر ما أجلبوا به عليک في العسکر، من کراع أومال، فاقسمه بين من حضر من المسلمين، واترک الأرضين والأنهار لعمالها، ليکون ذلک في أعطيات المسلمين.[(۱)]

’’دیکھو کہ لشکر مال و مویشی (منقولہ مال) میں سے جو کچھ تمہارے پاس لایا ہے اس (مال) کو مسلمانوں میں سے جو (جہاد میں) حاضر ہوئے تھے ان میں تقسیم کر دو اور زمینوں اور نہروں (یعنی غیر منقولہ مال) کو ان کے عمال کے پاس ہی چھوڑ دو تاکہ مسلمانوں کے لئے عطیات ثابت ہوں۔‘‘

اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ادوار میں بھی جس قدر ممالک فتح کئے گئے ان کی اراضی کا انتظام و انصرام زیادہ تر حکومتِ وقت ہی کے ہاتھ میں رہا اور ان سے حاصل شدہ آمدنی سرحدوں کی حفاظت، اسلامی لشکروں کی ضروریات، شہروں کے انتظامی امور، مسلمانوں کی حاجات، غرباء و مساکین اور ناداروں وغیرہ کی مدد کے لئے وقف کر دی گئی۔

موات، خالصہ اور اقطاع زمینیں

فقہ اسلامی میں دور افتادہ زمینیں جن کا کوئی مالک یا دعویدار نہ ہو یا موسمی تغیر و تبدل سے دلدلوں، جھاڑیوں وغیرہ میں تبدیل ہو کر اپنی افادیت و اہمیت کھو بیٹھی ہوں ’’موات زمینیں‘‘ کہلاتی ہیں۔

اسی طرح مختلف وجوہ کی بناء پر جو زمینیں سرکاری تحویل میں آئی ہوں ’’خالصہ زمینیں‘‘ کہلاتی ہیں اس قسم کی اراضی کی دس اقسام امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) اور ابو عبید القاسم بن سلام (م۲۲۴ھ) نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔

جو زمینیں حکومت ان افراد کو جنہوں نے ملک و قوم کے لئے کارہائے نمایاں

(۱) أبو عبيد، کتاب الأموال: ۷۴، رقم: ۱۵۰

سرانجام دیئے ہوں یا ان کی ملی خدمات، حسنِ کارکردگی اور جذبۂ خدمت کو سراہتے ہوئے بطور انعام عطیہ کرتی ہے ''اقطاع زمینیں'' کہلاتی ہیں۔ پس منظر میں اس امر کا مقصد بھی زمین کی آبادکاری اور زراعت کی افزائش ہوتا ہے۔ طریقۂ اقطاع سے متعلق اصول قوانین اور دیگر شرائط فقہ کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

اراضی موات کے بارے میں فرمانِ نبوی ﷺ

احادیثِ نبوی ﷺ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو بھی کسی مردہ زمین کو آباد کرتا ہے وہی اس کا مالک ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

۱۔ **عن سعيد بن زيد عن النبي ﷺ قال: من أحيا أرضاً ميتة فهي له.** (۱)

''حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مردہ زمین کو آباد کیا وہ زمین اسی کی ہے۔''

۲۔ **عن عائشة عن النبي ﷺ قال: من أعمر أرضاً ليست لأحد فهو أحق.** (۲)

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا جو کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو تو وہ (آباد کار) ہی اس

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتًا، ۲: ۸۲۳، رقم: ۲۲۱۰

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۳: ۴۰۴، رقم: ۵۷۵۹

زمین کا زیادہ حقدار ہے۔‘‘

۳۔ عن طاوس قال: قال رسول الله ﷺ: عادي الأرض لله وللرسول ثم لكم من بعد فمن أحيا أرضاً ميتة فهي له، وليس لمحتجر حق بعد ثلاث سنين. (۱)

’’طاؤس کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: غیر مملوکہ زمین جس کا کوئی ولی و وارث نہ ہو خدا اور رسول ﷺ کی ہے پھر اس کے بعد تمہارے لئے ہے پس جو کوئی مردہ زمین کو زندہ کر لے وہ اسی کی ہے اور بیکار روک رکھنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں۔‘‘

اَراضی خالصہ کے بارے میں طرزِ عمل

بحقِ سرکار زمینوں کی تقسیم و عطیہ کے ضمن میں عہدِ رسالت مآب ﷺ سے بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بہت سے قطعاتِ زمین مختلف اصحاب کو عطا فرمائے جن میں سے چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ عن علقمة بن وائل عن أبيه أن النبي ﷺ أقطعه أرضاً بحضرموت. (۲)

’’حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ۱۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۷۰
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۴۳، رقم: ۱۱۵۶۵

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما ذكر في المزارعة، ۳: ۶۶۵، رقم: ۱۳۸۱
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إقطاع الأرضين، ۳: ۱۷۳، رقم: ۳۰۵۸

نے ان کو حضرموت میں کچھ زمین عطا کی تھی۔‘‘

۲۔ عن عروۃ أن عبد الرحمن بن عوف قال: أقطعني رسول الله ﷺ وعمر بن الخطاب أرض کذا و کذا.(۱)

’’حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چند زمینیں عطا فرمائی تھیں۔‘‘

۳۔ عن أسماء بنت أبي بکر أن رسول الله ﷺ أقطع الزبیر نخلًا.(۲)

’’حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے (ان کے شوہر) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کھجوروں کا ایک قطعہ عطا فرمایا۔‘‘

عہدِ رسالت ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اراضی موات و خالصہ کے بارے میں مذکورہ بالا طرزِ عمل ہی اپنائے رکھا۔

اراضی کے حقِ ملکیت پر انتباہ

ملکیتِ زمین کے بارے میں اسلام نے بڑا حساس رویہ اختیار کیا ہے۔ اس ضمن میں ظلم و جبر، غصب اور جھوٹے دعوؤں کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۹۲، رقم: ۱۶۷۰
۲۔ بیہقي، السنن الکبری، ۱۰: ۱۲۴

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارۃ والفيء، باب في إقطاع الأرضین، ۳: ۱۷۶، رقم: ۳۰۶۹
۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۴: ۸۲، رقم: ۲۱۵

من أخذ شبرًا من الأرض ظلمًا فإنه يطوقه إلى سبع أرضين. (۱)

’’جس شخص نے بالشت بھر زمین بھی از راہ ظلم لے لی اس کی گردن میں سات تہوں تک اسی زمین کو طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ليس لعرق ظالم حق. (۲)

’’دوسرے کی زمین میں بلا استحقاق آباد کاری کرنے والے کے لئے کوئی حق نہیں ہے۔‘‘

۳۔ کتبِ حدیث میں العرق الظالم کا درج ذیل معنی بیان ہوا ہے:

العرق الظالم: أن يغرس الرجل في أرض غيره فيستحقها بذلك. (۳)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في سبع الأرضين، ۳: ۱۱۶۸، رقم: ۳۰۲۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، ۳: ۱۲۳۱، رقم: ۱۶۱۰

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات، ۳: ۶۶۲، رقم: ۱۳۷۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۱۷۵، رقم: ۶۸۷۷

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۹، رقم: ۳۰۷۸

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما ذكر في إحياء أرض الموات، ۳: ۶۶۲، رقم: ۱۳۷۸

’’ظالم لوگ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی زمین میں (بلا اجازت) درخت لگائے پھر درخت لگا کر اس زمین پر اپنی حیثیت (قبضہ) ظاہر کرے۔‘‘

۴۔ رافع بن خدیج کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء وله نفقته. (۱)

’’جس نے دوسرے لوگوں کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کاشت کی وہ اس کھیتی پر تو کوئی حق نہیں رکھتا البتہ اس کا خرچ اسے دلوایا جائے گا۔‘‘

۵۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إن رجلين اختصما إلى رسول الله ﷺ غرس أحدهما نخلًا في أرض الآخر فقضى لصاحب الأرض بأرضه وأمر صاحب النخل أن يخرج نخله منها. (۲)

’’حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک مقدمہ پیش کیا گیا جس میں کسی شخص نے ایک انصاری کی زمین پر بغیر اس کی اجازت کے کچھ کھجور کے

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب ما جاء فيمن زرع في أرض قوم بغير إذنهم، ۳: ۶۴۸، رقم: ۱۳۶۶
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها، ۳: ۲۶۱، رقم: ۳۴۰۳

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۴
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۹۹، رقم: ۱۱۳۱۹

درختوں کی کاشت شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے فیصلہ دیا کہ یہ درخت اکھاڑ دیئے جائیں اور زمین اصل مالک کے حوالے کر دی جائے۔‘‘

زراعت (AGRICULTURE)

اِنسانی زندگی کا ایک شعبہ زراعت بھی ہے۔ جس کا آغاز ہی سے انسان کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ زراعت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اس روئے زمین پر انسان کی، اسلام میں اس پیشہ کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا گیا ہے۔ حیاتِ انسانی میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ ان کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے:

۱۔ **أحدثک عن آدم أنه کان حراثًا.** (۱)

''میں تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔''

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی زراعت کے پیشے سے منسلک رہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

وأحدثک عن إبراهيم أنه کان عبدًا زراعًا. (۲)

''اور میں تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتاتا ہوں کہ وہ کاشتکاری کیا کرتے تھے۔''

۳۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی زندگی میں ایک مقام پر کاشتکاری کی۔ علامہ سرخسی (م۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) نقل کرتے ہیں:

وازدرع رسول الله ﷺ بالجرف. (۳)

''اور رسول اللہ ﷺ نے خود مقامِ جرف میں کاشتکاری کی ہے۔''

---

(۱) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۶۵۲، رقم: ۴۱۶۵

(۲) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۶۵۲، رقم: ۴۱۶۵

(۳) سرخسي، المبسوط، ۲۳: ۲

۱۔ قرآن مجید میں اَہمیتِ زراعت

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر زمین اور کاشتکاری کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ط كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ط اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌo(۱)

''اور (اس نے) باربرداری کرنے والے (بلند قامت) چوپائے اور زمین پر (ذبح کے لئے یا چھوٹے قد کے باعث) بچھنے والے (مویشی پیدا فرمائے) تم اس (رزق) میں سے (بھی بطریق ذبح) کھایا کرو جو اللہ نے تمہیں بخشا ہے اور شیطان کے راستوں پر نہ چلا کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہےo''

۲۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ج وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَo(۲)

''اور وہی ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا پھر ہم نے اس (بارش) سے ہر قسم کی روئیدگی نکالی پھر ہم نے اس سے سرسبز (کھیتی) نکالی جس سے ہم اوپر تلے پیوستہ دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغات اور زیتون اور انار (بھی پیدا کئے جو کئی اعتبارات سے) آپس میں ایک جیسے (لگتے) ہیں اور (پھل، ذائقے اور تاثیرات) جداگانہ ہیں۔ تم درخت کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل لائے اور اس کے پکنے کو

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۲

(۲) الانعام، ۶: ۹۹

(بھی دیکھو)، بیشک ان میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیںo"

۳۔ یُنۡبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَo(۱)

"اُسی پانی سے تمہارے لئے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل (اور میوے) اگاتا ہے، بیشک اِس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہےo"

۴۔ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَo ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَo لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰہُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَکَّہُوۡنَo اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَo بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَo(۲)

"بھلا یہ بتاؤ جو (بیج) تم کاشت کرتے ہوo تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟o اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم تعجب اور ندامت ہی کرتے رہ جاؤo (اور کہنے لگو): ہم پر تاوان پڑ گیاo بلکہ ہم بے نصیب ہو گئےo"

۵۔ فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤo اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّاo ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّاo فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا حَبًّاo وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًاo وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًاo وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًاo وَّ فَاکِہَۃً وَّ اَبًّاo مَّتَاعًا لَّکُمۡ وَلِاَنۡعَامِکُمۡo(۳)

"پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے)o بیشک ہم

(۱) النحل، ۱۶: ۱۱

(۲) الواقعۃ، ۵۶: ۶۳۔ ۶۷

(۳) عبس، ۸۰: ۲۴۔ ۳۲

نے خوب زور سے پانی برسایاo پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالاo پھر ہم نے اس میں اناج اگایاo اور انگور اور ترکاریo اور زیتون اور کھجورo اور گھنے گھنے باغاتo اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہo خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے متاعِ (زیست)o‘‘

٦۔ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ م بَهِيْجٍo[1]

’’اور تو زمین کو بالکل خشک (مُردہ) دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اس میں تازگی و شادابی کی جنبش آجاتی ہے اور وہ پھولنے بڑھنے لگتی ہے اور خوشنما نباتات میں سے ہر نوع کے جوڑے اگاتی ہےo‘‘

٧۔ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِo وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌo رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا.[2]

’’اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا پھر ہم نے اس سے باغات اُگائے اور کھیتوں کا غلّہ (بھی)o اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیںo (یہ سب کچھ اپنے) بندوں کی روزی کے لئے (کیا) اور ہم نے اس (پانی) سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔‘‘

٢۔ اَحادیثِ نبوی ﷺ میں اَہمیتِ زراعت

ذیل میں زراعت و مزارعت کے بارے میں چند احادیث بیان کی جاتی ہیں:

(١) الحج، ٢٢: ٥

(٢) ق، ٥٠: ٩۔ ١١

۱۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.(۱)

’’رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔‘‘

۲۔ عن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: ما من مسلم يغرس غرسًا أو يزرع زرعًا فيأكل منه طير أو إنسان أو بهيمة إلا كان له به صدقة.(۲)

’’حضرت انس رضی الله عنه روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی الله علیه وآله وسلم نے فرمایا: جو مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے جانور یا انسان یا چوپائے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس (مؤمن) کے حق میں صدقہ بن جاتا ہے۔‘‘

۳۔ ما من رجل يغرس غرسًا إلا كتب الله عزوجل له من الأجر قدر ما يخرج من ثمر ذلك الغرس.(۳)

’’جس شخص نے کوئی درخت لگایا تو اللہ رب العزت اس درخت سے حاصل ہونے والے پھل کی مقدار کے برابر اس کے لئے اجر لکھ دیتا ہے۔‘‘

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منه، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۵
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، ۳: ۱۱۸۹، رقم: ۱۵۵۳

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۱۵، رقم: ۲۳۵۶۷
۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۷، رقم: ۶۲۶۶

۴۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب کسی لشکر کو مدینہ سے باہر روانہ فرماتے تو ان کو یہ نصیحت فرماتے کہ کسی کھیتی کو تلف نہ کرنا۔ اسی لئے غزوہ بنی نضیر کے علاوہ کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں مسلمانوں نے درختوں کو نقصان پہنچایا ہو اور اس میں بھی صرف وہی درخت کاٹے گئے جو غذائی مقاصد کے لئے استعمال نہ ہوتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ حرق نخل بني نضير وقطع وهي البويرة. (۱)

''حضور اکرم ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے ایسے درختوں کو جلا دیا اور کاٹ دیا جو کہ (غذائی لحاظ سے) خشک ہو چکے تھے۔''

۵۔ عہدِ خلافتِ راشدہ میں بھی زراعت کی اہمیت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف لشکر بھیجا تو ان کو جو ہدایات دیں ان میں سے ایک یہ تھی:

لا تقطعن شجرًا مثمرًا. (۲)

''پھل دار درختوں کو ہرگز نہ کاٹنا۔''

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التفسير، باب ما قطعتم من لينة نخلة ما لم تكن عجوة أو برنية، ۴: ۱۸۵۲، رقم: ۴۶۰۲
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد و السير، باب جواز قطع أشجار الكفار وتحريقها، ۳: ۱۳۶۵، رقم: ۱۷۴۶
۳۔ ترمذي، السنن، كتاب السير، باب في التحريق والتخريب، ۴: ۱۲۲، رقم: ۱۵۵۲

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ۲: ۴۴۷، رقم: ۹۶۵
۲۔ ترمذي، السنن، كتاب السير، باب في التحريق والتخريب، ۴: ←

۶۔ اگر فوجی نقل وحمل سے کسی فصل کو نقصان پہنچتا تو اس کی ادائیگی بیت المال سے کی جاتی تھی۔ اس ضمن میں امام ابو یوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) نے کتاب الخراج میں ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

أتی عمر رجل فقال: یا أمیر المؤمنین زرعت زرعاً فمرّ به جیش من أهل الشام فأفسدوه. قال: فعوضه عشرة آلاف.(۱)

''ایک کاشتکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے امیرالمؤمنین! میں نے کھیتی بوئی تھی۔ شام والوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے کھیتی کو پامال کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے دس ہزار درہم بطور معاوضہ دلوائے۔''

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں عراق، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد زرعی اصلاحات کیں۔

فی زمانہ کوئی بھی ذی شعور زراعت کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ تمام اقوام کی تاریخ میں یہ حقیقت مشترک ہے کہ کوئی بھی ملک زراعت کو ترقی دیئے بغیر ترقی اور خوشحالی کی منازل کو نہیں چھو سکتا۔ اسی طرح کسی بھی ملک میں زراعت اور کاشتکار ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتے ہیں۔ دونوں کی ترقی و خوشحالی ملکی معاشی ترقی و خوشحالی کی ضامن ہوتی ہے۔ زراعت سے صنعت و تجارت کو خام مال دستیاب ہوتا ہے۔ اس طرح صنعت و تجارت کی ترقی کے لئے بھی زراعت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن قوموں نے زراعت کے شعبہ کو نظرانداز کیا وہ خاطر خواہ ترقی نہ کر سکیں بلکہ تنزل، بدحالی،

.... ۱۲۲، رقم: ۱۵۵۲

۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶: ۴۸۳، رقم: ۳۳۱۲۱

۴۔ مالك، المدونة الکبری، ۳: ۷

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۲۹

بھوک اور بدامنی کا شکار رہیں۔ شاہ ولی اللہ (١١١٤۔١١٧٦ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب حجة اللہ البالغة میں لکھتے ہیں:

فإنّهم إن كان أكثرهم مكتسبين بالصناعات والسياسية البلدة والقليل منهم مكتسبين بالرعي والزراعة فسد حالهم في الدنيا. (١)

''اگر کسی شہر کے باشندے کثرت کے ساتھ صنعتوں اور ملکی سیاست میں مشغول ہو جائیں اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ مویشی چرانے اور زراعت کے پیشہ سے منسلک ہوں تو دنیا میں ان کی حالت خراب ہو جائے گی۔''

مذکورہ بالا اہمیتِ زراعت کو مدنظر رکھتے ہوئے اکثر فقہاء نے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور عمل مبارک کے تحت زراعت کے پیشے کو فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے مثلاً عبد الرحمٰن الجزیری (١٢٩٩۔١٣٦٠ھ/١٨٨٢۔١٩٤١ء) لکھتے ہیں:

أما الزرع في ذاته سواء كان مشاركة أو لا فهو فرض كفاية لاحتياج الإنسان والحيوان إليه. (٢)

''جہاں تک زراعت کا تعلق ہے خواہ یہ شرکت سے وجود میں آئے یا بغیر شرکت کے، اپنی ذات میں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسان اور حیوان سبھی اس کے محتاج ہیں۔''

ایک غلط فہمی کا ازالہ

١۔ حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ کسی جنگی مہم سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک مقام پر آپ ﷺ نے ہل اور کھیتی باڑی کے دوسرے آلات دیکھ کر ناپسندیدگی کا

---

(١) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ٢: ١٠٥

(٢) جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ٣: ١٢

اظہار فرمایا۔ صحیح بخاری میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ان الفاظ میں مذکور ہے:

عن أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ قال: ورأى سكّة وشيئًا من آلة الحرث، فقال: سمعت النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يقول: لا يدخل هذا بيت قوم إلا أدخله الله الذل. (1)

’’حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ ہل اور کھیتی کے بعض دوسرے آلات دیکھے تو فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس گھر میں یہ آلات داخل ہو جاتے ہیں اس گھر میں ذلت کو داخل کر دیا جاتا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عدم جواز زراعت کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ سے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ زراعت کو بطور پیشہ اپنانا موجبِ تنزل اور پستی ہے یا پھر زراعت ایک ایسا وسیلۂ معاش ہے جس کو اختیار کرنے والا ذلت اور پستی کا شکار ہوگا۔ اس طرح یہ غلط فہمی بھی پیدا ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زراعت کو مستحسن نظروں سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اس ضمن میں شروع سے علماء اور فقہائے اسلام نے مذکورہ حدیث کی صحیح توجیہہ اور حقیقی مفاہیم پیش کیے ہیں۔ امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، امام سرخسی (م ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) اور شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) نے اپنی تحقیق میں اس حدیث مبارکہ کا حقیقی مفہوم پیش کیا ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

دراصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مؤمن کی زندگی اور بقاء جہاد سے وابستہ ہے اگر مسلمان زراعت ہی کو مقصدِ حیات بنا لیں اور اس میں اس قدر دلچسپی لیں کہ جہاد جیسے اہم فریضہ کو بھول جائیں تو پھر دشمن ان پر حملہ آور ہو

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما يحذر من عواقب الاشتغلال بآلة الزرع أو مجاوزة الحدّ الذي أمر به، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۶

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۷۵، رقم: ۸۹۲۱

کر ان کو ذلیل و رسوا کر دے گا۔

۲۔ اسی ضمن میں امام بخاری (۱۹۴۔۲۵۶ھ) حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ جس سے ہم نتیجہ نکالتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کے صحیح مفہوم کو واضح کرتے ہیں:

عن أبي هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من أمسک كلبًا فإنه ينقص كل يوم من عمله قيراط إلا كلب حرث أو ماشية. (۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کتا رکھا اس کے نیک اعمال کا ثواب روزانہ ایک قیراط کم ہوتا جاتا ہے البتہ کھیت یا ریوڑ کی حفاظت کے لئے کتا رکھا جا سکتا ہے (یعنی اس صورت میں ثواب میں کمی نہ ہوگی)۔''

لہٰذا اگر کاشتکاری کا پیشہ قابلِ مذمت ہوتا تو حضور نبی اکرم ﷺ کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا رکھنے کی اجازت کیوں دیتے؟ اسی طرح دیگر توجیہات، مفاہیم اور صحیح معنی و پس منظر جناب محدث داؤدی، محدث ابن متین وغیرہ نے اپنی نگارشات میں قلمبند کیا ہے جس کی تفصیل فقہ اسلامی کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب اقتناء الكلب للحرث، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۱۹۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب وبيان نسخة وبيان تحريم اقتنائها إلا لصيد أو زرع أو ماشية ونحو ذلك، ۳: ۱۲۰۲، رقم: ۱۵۷۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام والفوائد، باب ما جاء من أمسك كلباً ما ينقص من أجره، ۴: ۸۰، رقم: ۱۴۸۲

مزارعت (Agricultural Tenancy)

زمین و زراعت سے متعلق ایک اور شعبہ جسے مزارعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مزارعت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

۱۔ هي عقد على الزرع ببعض الخارج.[۱]

''مزارعت سے مراد وہ عقد ہے جو زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ پر زمین کی زراعت کے لئے کیا جائے۔''

۲۔ معنى المزارعة: دفع الأرض إلى من يزرعها أو يعمل عليها والزرع بينهما.[۲]

''مزارعت یہ ہے کہ کسی دوسرے کو اس معاہدے پر زمین دینا کہ وہ اس کو بوئے گا اور دیگر کام کرے گا اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔''

۳۔ إذا دفع الرجل إلى الرجل أرضًا بيضاء على أن يزرعها المدفوعة إليه فما أخرج الله منها من شيء فله منه جزء من الأجزاء فهذه المزارعة.[۳]

''جب ایک شخص کسی دوسرے کو اپنی خالی زمین اس شرط پر دے کہ وہ دوسرا زمین کو کاشت کرے گا پھر جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا اس میں سے اس کاشت کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا اور اس معاملہ کا نام مزارعت ہے۔''

---

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۴: ۵۳
(۲) ابن قدامه، المغنى، ۵: ۴۱۶
(۳) شافعي، كتاب الأم، ۷: ۱۱۱

۴۔ فهي عبارة عن عقد الزراعة ببعض الخارج.[1]

’’زمین کی پیداوار کے کچھ حصہ کے بدلہ میں کھیتی کا معاملہ کرنا مزارعت کہلاتا ہے۔‘‘

مترادف الفاظ

مزارعت کے مترادف الفاظ ’’مخابرة‘‘ اور ’’محاقله‘‘ ہیں۔ عربی کتب میں مزارعت کے ضمن میں یہ الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ مزارعة، مخابرة اور محاقلة تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہم معنی الفاظ ہیں۔

(۱) مزارعة

شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) مزارعة کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

المزارعة: أن تكون الأرض والبذر لواحد، والعمل والبقر من الآخر.[2]

’’مزارعت یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک شخص کے ہوں اور محنت اور بیل دوسرے کے ہوں۔‘‘

(۲) مخابرة

مخابرة کے بارے میں لکھتے ہیں:

المخابرة: أن تكون الأرض لواحد، والبذر والبقر والعمل من الآخر، ونوع آخر يكون العمل من أحدهما والباقي من الآخر.[3]

---

(۱) الفتاوى الهندية، ۵: ۲۳۵

(۲) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۱۷

(۳) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۱۷

''مخابرہ یہ ہے کہ زمین ایک کی ہو اور بیج، بیل اور محنت دوسرے کی۔ اس کی ایک اور صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ محنت ایک کی اور باقی چیزیں دوسرے کی ہوں۔''

(۳) محاقلة

اس سے مراد کھیت اور زرعی زمین ہے کیونکہ یہ معاملہ زمین کے مالک اور مضارع (کاشت کرنے والے) کے مابین حصولِ پیداوار کے ضمن میں طے پاتا ہے جس کی بنیاد کھیت اور کھیتی ہوتی ہے، اسی لئے اسے **محاقلة** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مزارعت کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث

مزارعت کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں علماء نے جو بحث کی ہے ذیل میں اس کی تفصیل دی گئی ہے:

عدم جواز کی روایات

درج ذیل احادیث کی روشنی میں مزارعت کے عدم جواز کا ثبوت ملتا ہے جس کی رو سے بعض علماء نے کہا ہے کہ مزارعت اسلام کے معاشی نظام میں ناجائز تصور کی گئی ہے:

۱۔ عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما قال: نهی رسول الله ﷺ أن يؤخذ للأرض أجر أو حظه.(۱)

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۱۵۳۶

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۹، رقم: ۱۱۴۸۳

نے زمین کی اجرت لینے یا حصہ (بٹائی) لینے سے منع فرمایا۔‘‘

۲۔ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما أن النبي ﷺ نهی عن المخابرة. (۱)

’’حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا۔‘‘

۳۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال: کانوا یزرعونها بالثلث والربع والنصف فقال النبي ﷺ: من کانت له أرض فلیزرعها أو لیمنحها، فإن لم یفعل فلیمسک أرضه. (۲)

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ (ہمارے زمانے میں) لوگ ۱/۳، ۱/۴ اور ۱/۲ پر کاشت کرتے تھے مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ خود کاشت کرے یا اپنے (مسلمان) بھائی کو (بطور) عطیہ دے دے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر اپنی زمین کو (اپنے پاس ہی) روکے رکھے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البیوع، باب کراء الأرض، ۳: ۱۱۷۷، رقم: ۱۵۳۶

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البیوع، باب في المخابرة، ۳: ۲۶۲، رقم: ۳۴۰۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب المزارعة، باب ما کان أصحاب النبي ﷺ یواسي بعضهم بعضاً في الزراعة والثمرة، ۲: ۸۲۴، رقم: ۲۲۱۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البیوع، باب کراء الأرض، ۳: ۱۱۷۶، رقم: ۱۵۳۶

۴۔ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من كانت له أرض فليزرعها أو ليمنحها أخاه فإن أبى فليمسك أرضه.(۱)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود کاشت کرے یا کسی (مسلمان) کو بطور احسان مفت دے دے اور اگر وہ دونوں باتوں سے انکار کرے تو پھر اپنی زمین کو یونہی روکے رکھے۔''

۵۔ عن رافع بن خديج رضی اللہ عنہ قال: نهانا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن أمر كان لنا نافعاً إذا كانت لأحدنا أرض أن يعطيها ببعض خراجها أو بدراهم وقال: إذا كانت لأحدكم أرض فليمنحها أخاه أو ليزرعها.(۲)

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے معاملہ سے منع فرمایا جو (بظاہر) ہمارے لئے نفع بخش تھا وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس اگر زمین ہوتی تو وہ اسے بٹائی پر دے دیتا یا دراہم (ٹھیکہ) پر

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما كان أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يواسي بعضهم بعضاً في الزراعة والثمرة، ۲: ۸۲۵، رقم: ۲۲۱۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۷۸، رقم: ۱۵۴۴

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأحكام، باب من المزارعة، ۳: ۶۶۷، رقم: ۱۳۸۴

۲۔ابن أبي شيبة، المصنف، ۴: ۳۷۹، رقم: ۲۱۲۵۱

دے دیتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی کے پاس زمین ہو وہ یا تو اپنے مسلمان بھائی کو مفت (بطور احسان برائے کاشت دے دے) یا (اگر خود زراعت کر سکتا ہے تو) خود اسے کاشت کرے۔‘‘

٦۔ أن ابن عمر كان يكري مزارعة على عهد النبي ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان وصدراً من إمارة معاوية ثم حدث عن رافع بن خديج: أن النبي ﷺ نهى عن كراء المزارع، فذهب ابن عمر إلى رافع، فذهبت معه، فسأله فقال: نهى النبي ﷺ عن كراء المزارع، فقال ابن عمر: قد علمت أنّا كنّا نكري مزارعنا على عهد رسول الله ﷺ بما على الأربعاء وبشيء من التبن وفي رواية ثم خشي عبد الله أن يكون النبي ﷺ قد أحدث في ذلك شيئًا لم يكن يعلمه، فترك كراء الأرض.(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین کو عہد نبوی ﷺ، عہد ابو بکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد معاویہ کے آغاز تک کرایہ (ٹھیکہ / لگان) پر دیا کرتے تھے پھر ان سے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی گئی کہ نبی اکرم ﷺ نے کرائے پر زمین دینے سے منع فرمایا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب ما كان أصحاب النبي ﷺ يواسي بعضهم بعضاً في الزراعة والثمرة، ۲: ۸۲۵، رقم: ۲۲۱۸، ۲۲۱۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض، ۳: ۱۱۸۰، رقم: ۱۵۴۷

۳۔ زيلعي، نصب الراية، ۴: ۱۸۰

عنهما حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، راوی کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ ان سے پوچھا تو رافع نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی چوتھائی حصے اور کچھ گھاس کے بدلے زمین کرائے پر دیتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ڈر گئے کہ ممکن ہے بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ نے کوئی ایسا حکم دیا ہو جو ان کے علم میں نہ ہو اس لئے انہوں نے زمین کرائے پر دینا ترک کر دی۔"

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کی رائے

۱۔ قال أبو حنیفة: المزارعة بالثلث والربع باطله ...... وله ما روی أنه علیه الصلوة والسلام: نهی عن المخابرة وهي المزارعة.(۱)

"امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مزارعت کا معاملہ تہائی (۱/۳) اور چوتھائی (۱/۴) پر طے کرنا باطل ہے ...... اور آپ کی دلیل حضور نبی اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے "مخابرہ" کے معاملہ کو منع فرمایا اور مخابرہ مزارعت ہی کا دوسرا نام ہے۔"

۲۔ کان أبو حنیفه لا یجیز المزارعة في الأرض ولا المعاملة في النخل بالثلث ولا بالربع ولا بأقل من ذلک ولا بأکثر وکان یقول: هذه إجارة استوجرت ببعض ما یخرج من الأرض والنخل، لا یدری أیخرج شیئاً أم لا یخرج.(۲)

---

(۱) مرغیناني، الهدایة شرح بدایة المبتدي، ۴: ۵۳

(۲) محمد، کتاب الحجة، ۴: ۱۳۸

’’امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زمین اور کھجوریں (باغات) دونوں میں مزارعت کا معاملہ تہائی (۱/۳)، چوتھائی (۱/۴) یا اس سے کم یا اس سے زیادہ پر جائز نہیں سمجھتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے: یہ اس قسم کا اجارہ ہے کہ جس میں زمین اور باغ کی پیداوار کو اجرت ٹھہرایا گیا ہے حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ کچھ پیدا ہوگا بھی یا نہیں (یعنی اجارہ میں اجرت، مزدوری یا معاوضہ معلوم ہونا شرط ہے)۔‘‘

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۔۱۵۰ھ) کے علاوہ حضرت حماد، حضرت مجاہد، حضرت سالم، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہم بھی مزارعت کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ تمام حضرات گرامی اسلام کے کبار فقہاء میں شامل ہیں۔

جوازِ مزارعت کی روایات

ذیل میں وہ روایات درج کی جاتی ہیں جن سے مزارعت کا جواز ملتا ہے:

۱۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنهما: أن رسول اللہ ﷺ أعطی خيبر اليهود علی أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما خرج منها.(۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف (۱/۲) بٹائی پر ہو۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب المزارعة، باب المزارعة مع اليهود، ۲: ۸۲۱، رقم: ۲۲۰۶

۲۔ نسائي، السنن، کتاب الأيمان والنذور، باب ذکر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، ۷: ۵۳، رقم: ۳۹۲۹

۳۔ بيهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۱۵، رقم: ۱۱۴۱۰

٢۔ عن سعد بن أبي وقاص رضی الله عنه: كان أصحاب المزارع يكرون في زمان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم مزارعهم.[1]

’’حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مالکانِ زمین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اپنی زمینوں کو کرایہ (اجارہ) پر دیا کرتے تھے۔‘‘

٣۔ عن حنظلة بن قيس رضی الله عنه: أنه سأل رافع بن خديج عن كراء الأرض. فقال: نهى رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن كراء الأرض. قال: فقلت: أبالذّهب والورق؟ قال: أما بالذهب والورق، فلا بأس به.[2]

’’حضرت حنظلہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے زمین کو اجارہ پر لینے (یا دینے) کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا سونا چاندی (یعنی نقد لگان) پر بھی منع ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: اگر سونے چاندی کی بات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

٤۔ عن أبي جعفر رضی الله عنه قال: ما بالمدينة أهل بيت هجرة إلا

---

(١) ١۔ نسائي، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب ذكر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، ٧: ٤١، رقم: ٣٨٩٤

٢۔ أحمد بن حنبل، المسند، ١: ١٧٨، رقم: ١٥٤٢

(٢) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الأرض بالذهب والورق، ٣: ١١٨٣، رقم: ١٥٤٧

٢۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في المزارعة، ٣: ٢٥٨، رقم: ٣٣٩٣

٣۔ نسائي، السنن الكبرى، ٣: ٩٨، رقم: ٤٦٢٨

يزرعون على الثلث والربع، وزارع عليّ وسعد بن مالك وعبد الله بن مسعود وعمر بن عبد العزيز والقاسم وعروة وآل أبي بكر وآل عمر وآل عليّ وابن سيرين وقال عبد الرحمن بن الأسود: كنت أشارك عبد الرحمن بن زيد في الزرع وقال الحسن: لا بأس أن تكون الأرض لأحدهما فينفقان جمعاً فما خرج فهو بينهما. (۱)

''حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی (۱/۳) یا چوتھائی (۱/۴) پر زمین کاشت نہ کرتا ہو۔ حضرت علی، سعد بن مالک، عبداللہ بن مسعود، عمر بن عبد العزیز، قاسم، عروہ، آل ابو بکر، آل عمر، آل علی اور ابن سیرین یہ سب اپنی زمینیں اس طرح کاشت پر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن اسود کہتے ہیں: میں عبد الرحمٰن بن زید کا زراعت میں شریک کار تھا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں اگر ایک شخص کی زمین ہو اور دوسرا شخص اس کے ساتھ مل کر اس پر خرچ کرے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔''

(۲) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) کی رائے

قال أبو يوسف: فأحسن ما سمعناه في ذلك والله أعلم أن ذلك كله جائز مستقيم صحيح، وهو عندي بمنزلة مال المضاربة، قد يدفع الرجال إلى الرجل المال مضاربة بالنصف والثلث فيجوز

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب المزارعة بالشرط، ۲: ۸۲۰، رقم: ۲۲۰۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۳۵، رقم: ۱۱۵۲۰

وهذا مجهول لا يعلم ما مبلغ ربحه ليس فيه اختلاف بين العلماء فيما عملت: وكذلك الأرض عندي هي بمنزلة المضاربة: الأرض البيضاء منها والنخل والشجر سواء. (۱)

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں جو بات ہم نے سب سے بہتر سنی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کو (نصف یا تہائی یا چوتھائی حصہ) بٹائی پر دینا جائز ہے یہی مُنقّح اور صحیح ہے۔ میرے نزدیک زمین کا معاملہ مال مضاربت کی طرح کا معاملہ ہے جہاں ایک شخص اپنا مال دوسرے شخص کو نصف اور تہائی نفع پر مضاربت کے طریقہ پر دیتا ہے اور یہ جائز ہے حالانکہ یہ بات نا معلوم ہے کہ نفع کس قدر ہوگا۔ اس میں علماءِ اسلام میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں بالکل اسی طرح زمین بھی میرے نزدیک مالِ مضاربت کی مانند ہے اور اس سلسلہ میں سادہ زمین اور کھجور اور پھلوں کے (دیگر) درخت سب برابر ہیں۔''

(۳) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۹ھ) کی رائے

قال محمد: هذا كله جائز، المعاملة في النخل والمزارعة في الأرض بالثلث والربع وغير ذلك وهذا بمنزلة مال المضاربة. (۲)

''امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کھجور (باغات میں ساقات) اور زمین ۱/۳، ۱/۴ وغیرہ پر مزارعت تمام جائز ہے اور یہ (زمین اور باغات) بمنزلہ مال مضاربت کے ہیں۔''

امام اعظم (۸۰۔۱۵۰ھ) سے مروی ایک دوسری روایت کے مطابق اور امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس کو مشروط جائز قرار دیا ہے:

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹۶

(۲) محمد، كتاب الحجة، ۴: ۱۴۱

قال الشافعي وأبو حنيفة وعترة وكثيرون إنه يجوز كراء الأرض بكل ما يجوز أن يكون ثمناً في المبيعات من الذهب والفضة.[1]

''امام شافعی، امام ابوحنیفہ، ائمہ اہلِ بیت اور دوسرے کثیر التعداد علماء نے زمین کو سونے، چاندی یعنی درہم و دینار کے عوض ٹھیکہ پر دینا جائز قرار دیا ہے۔''

(۴) اَحادیث عدمِ جوازِ مزارعت میں ''منع'' کی وجوہات

مذکورہ بالا بیان میں ہم نے مزارعت کے جواز اور عدم جواز دونوں کے ضمن میں احادیثِ نبوی ﷺ پیش کی ہیں عقلِ سلیم تقاضا کرتی ہے کہ غور و فکر کیا جائے اور معلوم کیا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کن حالات و مواقع پر مزارعت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں ہم مزید چند احادیث سے استشہاد کرتے ہیں:

۱۔ عن رافع بن خديج رضي الله عنه قال: حدثني عماي: أنهم كانوا يكرون الأرض على عهد النبي ﷺ بما ينبت على الأربعاء أو شيء يستثنيه صاحب الأرض، فنهى النبي ﷺ عن ذلك.[2]

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے میرے چچا (حضرت زبیر) نے فرمایا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اور یہ شرط لگایا کرتے تھے کہ نہر کے قریب کے حصے کی زمین کی پیداوار ہماری ہو گی یا اس معین حصۂ زمین کی پیداوار ہماری ہو گی، جب حضور نبی اکرم ﷺ

(۱) شوكاني، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، ٦: ١٠

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب كراء الأرض بالذهب والفضة، ۲: ۸۲٦، رقم: ۲۲۲۰

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ۱۳۲، رقم: ۱۱۵۰۰

کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔‘‘

۲۔ (قال رافع رضی اللہ عنہ) كنا أكثر الأنصار حقلاً، قال: كنا نكري الأرض على أن لنا هذه ولهم هذه. فربما أخرجت هذه ولم تخرج هذه. فنهينا عن ذلک ولم ننه عن الورق.(۱)

’’حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم انصار میں سب سے زیادہ کھیتوں کے مالک تھے ہم زمین اس شرط پر کرایہ پر دیا کرتے تھے کہ ہمارے لیے اس خاص حصہ کی پیداوار ہو گی اور ان (مزارعین) کے لئے دوسرے حصہ کی پیداوار ہو گی۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ اس (ہمارے والے) حصہ کی پیداوار تو ہو جاتی مگر اس (مزارع) کے حصہ کی پیداوار نہ ہوتی لہٰذا آپ ﷺ نے ہمیں اس (ظالمانہ معاہدہ) سے منع فرمایا۔ رہی بات چاندی (یعنی نقد ٹھیکہ / لگان) کی تو اس سے منع نہیں فرمایا۔‘‘

خلاصۂ بحث

تمام احادیثِ نبوی ﷺ جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں سب کا مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ وہی ہے جو کہ متذکرہ بالا روایات میں بیان ہوا ہے۔ ان تمام احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی مزارعت سے منع فرمایا ہے جس سے مزارع کا استحصال ہو یا وہ معاہدۂ مزارعت جس میں ظلم اور ناانصافی کا عنصر شامل ہو مثلاً نہر کے قریب والی یا آسانی سے سیراب ہونے والی یا زیادہ پیداوار

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشروط، باب الشروط في المزارعة، ۲: ۹۷۰، رقم: ۲۵۷۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب كراء الارض بالذهب و الورق، ۳: ۱۱۸۳، رقم: ۱۵۴۷

دینے والی زمین کی پیداوار تو زمیندار لے جائے اور زمین کا وہ حصہ جہاں پانی آسانی سے نہ پہنچتا ہو جس کی پیداوار نہ ہو یا کم ہو اس کی پیداوار مزارع کو دی جائے۔ ایسا معاہدہ ظالمانہ رویہ کا آئینہ دار ہے جس کی حضور نبی اکرم ﷺ نے نفی فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، سعد بن ابی وقاص اور دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث ہیں جو بخاری (کتاب الحرث والمزارعة) مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی (کتاب الزراعة) میں آئی ہیں۔ ان سب سے مزارعت کی مشروط اجازت ثابت ہوتی ہے۔ گویا مزارعت کی شرائط یکطرفہ نہ ہوں اور مزارعت کا قانون صرف مالکانِ اراضی کے مفادات کا ہی تحفظ نہ کرے بلکہ مالک اور مزارع دونوں کے مفادات میں توازن اور انصاف کی ضمانت دے تو مزارعت جائز ہے۔ اور یہ کہ مالک اور مزارع کے درمیان منافع یا پیداوار کی تقسیم عادلانہ ہو ظالمانہ نہ ہو۔ اور مزارعت دونوں کی یکساں خوشحالی کا باعث بنے، یہ استحصال کا سبب نہ ہو تو اس صورت میں مزارعت جائز ہے۔ اگر اس کے برعکس مالکانِ اراضی یا زمیندار (Landlords) خوب کمائیں اور عیش سے رہیں جبکہ مزارعین (محنت کرنے والے) کو دو وقت کی روٹی، پہننے کا لباس، رہنے کا گھر اور دیگر ضروریاتِ زندگی بھی عزت و سہولت سے نہ مل سکیں تو یہ مزارعت ناجائز ہے اور ظلم و ناانصافی ہے۔

مساقات (Watering)

مزارعت سے ملتی جلتی ایک اور اصطلاح ''مساقات'' ہے۔ لفظ مساقات کا مادہ ''سقی'' ہے جس کے معنی ''آب پاشی'' کے ہیں۔ مساقات میں درخت یا کھیتی کی دیکھ بھال، صفائی، کانٹ چھانٹ اور پانی دینا سب شامل ہیں۔ یہ ایک قسم کا معاملہ/معاہدہ ہوتا ہے جس میں باغ یا درخت کسی کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرے اور اس سے حاصل شدہ پیداوار کا کچھ حصہ اسے دیا جائے گا۔

مزارعت کی طرح مساقات کے جواز اور عدم جواز کی بحث بھی علماء وفقہاء کے درمیان رہی ہے۔ کچھ فقہاء نے مساقات کے جواز میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث پیش کی ہے:

۱۔ **أن رسول الله ﷺ أعطى خيبر اليهود أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما خرج منها.**(۱)

''حضور نبی اکرم ﷺ نے یہود کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کریں اور جو پیداوار ہو وہ نصف نصف تقسیم ہو۔''

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا رشتہ استوار فرمایا تو انصار نے اپنے باغات کو تقسیم کرنے کی پیشکش کی جسے آپ ﷺ نے رد کر دیا۔ صحیح بخاری میں ہے:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب المزارعة مع اليهود، ۲: ۸۲۱، رقم: ۲۲۰۶

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب ذكر اختلاف الألفاظ المأثورة في المزارعة، ۷: ۵۳، رقم: ۳۹۲۹

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۱۵، رقم: ۱۱۴۱۰

۲۔ قالت الأنصار: اقسم بيننا وبينهم النخل، قال: لا. قال تكفونا المؤونة وتشركونا في التمر. قالوا: سمعنا وأطعنا.(۱)

’’انصار نے کہا: (یا رسول اللہ!) کھجور کے باغات ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ایسا نہیں کروں گا، اس پر انصار نے (مہاجرین سے) کہا، پھر آپ حضرات یہ صورت اختیار کر لیں کہ کام ہماری طرف سے آپ کر دیا کریں اور کھجور کے پھلوں میں ہمارے شریک بن جائیں۔ مہاجرین نے کہا ہم نے آپ حضرات کی بات سنی اور ہم ایسا ہی کریں گے۔‘‘

اسی طرح عدم جواز کے سلسلہ میں بعض فقہاء جن میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰۔۱۵۰ھ) بھی شامل ہیں، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے مساقات کا عدم جواز پیش کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) اس مؤقف کو کتاب الخراج میں یوں بیان کرتے ہیں:

۳۔ عن رافع بن خديج عن رسول الله ﷺ: أنه مرّ على حائط فسأل: لمن هو؟ فقال رافع بن خديج: لي، استأجرته. فقال: لاتستأجره بشيء منه. فكان أبو حنيفة رضی اللہ عنہ ومن كره المساقاة يحتج بهذا الحديث ويقول: هذه إجارة فاسدة مجهولة.(۲)

’’حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب مناقب الأنصار، باب إخاء النبي ﷺ بين المهاجرين والأنصار، ۳: ۱۳۷۸، رقم: ۳۵۷۱

(۲) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۹۶

آپ ﷺ (ایک مرتبہ) ایک باغ کے پاس سے گزرے تو پوچھا: یہ کس کا ہے؟ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا ہے اور میں نے اجارہ پر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے اجارہ میں سے کچھ نہ لو۔ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور جس نے بھی مساقات کو مکروہ قرار دیا ہے (انہوں نے) اسی حدیث کو حجت بنایا ہے اور (یہ طبقہ) کہتا ہے کہ یہ اجارہ فاسد اور مجہول ہے۔‘‘

حقیقت حال یہ ہے کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ نے مساقات کو منع فرمایا ہے تو اس کی بنیادی وجہ بھی باہمی مفادات میں عدم توازن اور محنت کرنے والے کی حق تلفی ہے لیکن اگر معاہدۂ مساقات میں بھی استحصال اور ناانصافی کا عنصر نہ ہو تو یہ معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی نظریہ کی تائید میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) اپنی مشہور تصنیف کتاب الخراج میں رقم طراز ہیں:

فکان أحسن ما سمعنا في ذلک، واللہ أعلم، أن ذلک جائز مستقیم ابتعنا الأحادیث التي جاءت عن رسول اللہ ﷺ في مساقاة خیبر لأنھا أوثق عندنا وأکثر وأعم مما جاء في خلافھا من الأحادیث. (۱)

’’میرے علم و اطلاع کی حد تک بہترین مسلک یہی ہے کہ یہ طریقہ درست اور جائز ہے۔ ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو مساقاتِ خیبر کے سلسلہ میں حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہیں کیونکہ جو احادیث ان کے خلاف جاتی ہیں ان کے مقابلے میں یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابلِ اعتماد، زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔‘‘

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۹۶

اجارہ (Leasing)

تعریف

عربی زبان کا لفظ ''اجارہ''، ''اجر'' سے ماخوذ ہے جس کا لغوی معنی اجرت، مزدوری یا مشاہرہ ہے۔ اصطلاحی معنوں میں:

۱۔ **الإجارة عقد على المنافع بعوض.** [۱]

''عقد اجارہ ایک معاہدہ ہے جو کسی معاوضہ کے بدلے کسی منفعت پر کیا جائے۔''

۲۔ **الإجارة: عبارة عن العقد على المنافع بعوض هو مال، وتمليک المنافع بعوض إجارة وبغير عوض إعارة.** [۲]

''اجارہ اس معاہدہ سے عبارت ہے کہ جو کسی معاوضہ کے بدلے منفعت پر کیا جائے یہ معاوضہ (عام طور پر) مال ہوتا ہے اور معاوضہ کے بدلے منفعت کا مالک ہونا اجارہ ہے اور بغیر معاوضہ کے (منفعت کا مالک ہونا) عاریت ہے۔''

اِجَارَۃٌ بروزن فِعَالَۃٌ از روئے لغت اجرت کو کہتے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں کسی شے کے نفع کے عوض کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے۔

مزدوری پر کام کرنا، ٹھیکہ، کرایہ، نوکری وغیرہ سب ہی اجارہ کی مختلف اقسام ہیں۔ آجر یا مستاجر وہ شخص ہے جو کسی سے اجرت پر کام لے رہا ہے۔ اجیر سے مراد جس سے کام لیا جائے یعنی مزدور، نوکر، ملازم وغیرہ۔

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۲۳۱

(۲) جرجاني، التعريفات: ۳۱

اجیر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو مستقل کوئی فنی کام کرتا ہو اور دوسرے افراد اپنے کام کروانے کے سلسلہ میں اجرت دے کر اس سے خدمات لیتے ہیں مثلاً لوہار، کارپینٹر، درزی وغیرہ اسے ''اجیر مشترک'' کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جو اپنی خدمات کسی ایک شخص کے لئے بعوض اجرت وقف کر دے مثلاً گھریلو ملازم، کارخانہ یا فیکٹری کا مزدور، باورچی وغیرہ اسے ''اجیر خاص'' کہا جاتا ہے اور جو مزدوری، مشاہرہ، معاوضہ یا تنخواہ اسے دی جاتی ہے اجرت کہلاتی ہے۔

زمین کے ''لگان'' کو بھی اجارہ کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو ٹھیکہ یا کرایہ پر دینا۔

اجارہ کا شرعی جواز

زمین کو کرایہ یا بٹائی پر دینا جائز ہے اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مکانات کو کرایہ پر دینا

مکانات کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہے اس میں ائمہ وفقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔ عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں مکانات کو کرایہ پر دینے کا رواج تھا۔

۱۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۹ھ) روایت کرتے ہیں:

عن یحیٰی بن سعید، إن سعید بن المسیب سُئل عن المرأة یطلقها زوجها وهي في بیت بکراء، علی من الکراء؟ فقال سعید: علی زوجها. قال: فإن لم یکن عند زوجها؟ قال: فعلیها. قال: فإن لم یکن عندها؟ قال: فعلی الأمیر.[1]

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، کتاب الطلاق، باب ما جاء في عدة المرأة في ←

’’یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ سعید بن مسیّب سے سوال کیا گیا کہ اگر مطلقہ عورت (دورانِ عدت) کرایہ کے مکان میں رہتی ہو تو اس کا کرایہ کس پر ہوگا؟ سعید نے کہا: اس کے خاوند پر، کہا: اگر خاوند کے پاس کرایہ نہ ہو؟ کہا: اس عورت پر، کہا: اگر اس عورت کے پاس بھی کرایہ نہ ہو؟ کہا: حکومت پر۔‘‘

۲۔ عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أنه سُئل عن كراء بيوت مكة، فقال: لا بأس به الكراء مثل الشراء.[1]

’’ان (عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ) سے مکہ کے گھروں کو کرائے پر دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، کرایہ خریدنے ہی کی مثل ہے۔‘‘

۳۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (م۱۸۹ھ) روایت کرتے ہیں:

وقد سُئل عن كرائها سعيد بن جبير بالحنطة كيلاً معلومًا فرخص في ذلك، فقال: هل ذلك إلا مثل البيت يكرى.[2]

’’سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ گندم کے معین ماپ کے بدلہ زمین کو کرایہ پر دینے کے بارے میں (آپ کی کیا رائے ہے؟) انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ مکانوں کے کرائے پر دینے کی مثل ہے۔‘‘

مذکورہ بالا روایات میں مکانوں کو کرایہ پر دینے کا صراحۃً ذکر ہے اور یہ مکانات

------ بيتها إذا طلقت فيه، ۲: ۵۸۰، رقم: ۱۲۰۹

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۴: ۱۵۴، رقم: ۱۷۲

(۱) بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۴، رقم: ۱۰۹۶۲

(۲) محمد، الموطأ: ۳۵۵

کے کرائے پر دینے کے جواز میں واضح دلیلیں ہیں۔

اجارہ کی شرائط

علماء و فقہاء نے اجارہ کی درج ذیل شرائط مقرر کی ہیں:

۱۔ فریقین عاقل و بالغ ہوں، نابالغ کے لئے ولی کی اجازت لینا ضروری ہے۔

۲۔ اجارہ کرنے والا بااختیار اور مالک ہو۔

۳۔ جس چیز پر منافع کا معاہدہ ہوا ہے وہ چیز مستاجر کے سپرد کرنا۔

۴۔ اجرت کا معلوم ہونا اور وضاحت کرنا لازمی ہے۔

۵۔ منفعت کا پہلو واضح ہو۔

۶۔ مدتِ اجارہ واضح کر دی جائے۔

۷۔ فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

۸۔ جس شے پر عقدِ اجارہ ہو رہا ہے اس کا موجود ہونا ضروری ہے۔

جائیداد کرایہ پر دینے کے مسائل

مشینری، کراکری، فرنیچر، مکان، دکان یا کوئی بھی جائیداد کرایہ پر دینے کے ضمن میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ کرایہ پر وہی چیزیں دی جا سکتی ہیں جو صرف (Consume) نہ کی جاتی ہوں بلکہ استعمال (Use) کی جاتی ہوں مثلاً زمین، مکان، فرنیچر اور کراکری وغیرہ۔

۲۔ کرایہ پر معاملہ اسی شکل میں درست ہو گا جب کرایہ پر دی جانے والی چیز اس حالت میں ہو کہ اس سے فوائدِ استعمال (Usufruct) کا حصول ممکن ہو۔

۳۔ نقد سرمایہ کو کرایہ پر نہیں دیا جا سکتا۔

۴۔ کرایہ پر دی جانے والی چیز کی اگر مرمت، درستگی وغیرہ ضروری ہو تو یہ مالک (Lessor) کے ذمہ ہو گا مثلاً اگر مکان کرائے پر دیا اور اس میں کسی جگہ مرمت وغیرہ کی ضرورت ہوئی تو اس مرمت کا خرچ مالک مکان دے گا۔

۵۔ اسی طرح پراپرٹی ٹیکس اور حکومت کے عائد کردہ دیگر ٹیکس مالک کے ذمہ ہوں گے البتہ بجلی، گیس، پانی، ٹیلی فون وغیرہ کے بل کرایہ دار (Lesee) ادا کرے گا۔

۶۔ کسی بھی ناگہانی آفت کی وجہ سے اگر جائیداد کو نقصان پہنچا تو اس کا ذمہ دار مالک ہو گا یعنی اس کی مرمت، درستگی وغیرہ کا خرچ مالک اٹھائے گا البتہ کرایہ دار کی بے احتیاطی، غفلت یا دانستہ لاپرواہی سے جائیداد کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار کرایہ دار ہو گا۔

۷۔ جائیداد میں ردو بدل (Alteration) مالک کی رضامندی سے ہو گی۔

۸۔ مالک کی مرضی کے بغیر کرایہ دار جائیداد کے کسی حصہ کو مزید کرایہ (Sublet) پر نہیں دے سکتا۔

۹۔ کرایہ ہر سال، تین سال یا پانچ سال بعد بڑھانے کی شرط معاہدہ میں لکھی جا سکتی ہے، کرایہ دار پر اس شرط کی پابندی کرنا ضروری ہو گی۔

۱۰۔ جائیداد یا وہ اشیاء جو کرایہ پر دی گئی ہوں ان کے کرایہ میں شکست و ریخت یا فرسودگی الاؤنس (Depreciation Allowance) شامل کیا جا سکتا ہے لیکن معاہدہ کے وقت کرایہ دار کو اس امر کی نشاندہی کرا دینا بہتر ہو گا۔

باب ہشتم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

(النساء، ۴:۲۹)

تجارت، شراکت اور مضاربت

تجارت (Trade)

لفظ تجارت اپنے اندر کثیر معانی اور مفاہیم لیے ہوئے ہے۔ عرفِ عام میں لین دین، کاروبار، دُکانداری، سوداگری، گھریلو اشیاء کی خرید و فروخت، دیگر اشیاء کا لین دین اور بیوپاری تجارت میں شامل ہیں۔ عربی زبان میں اسے ''بیع'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور عبد الرحمٰن جزیری (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ/۱۸۸۲۔۱۹۴۱ء) بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ هو مبادلة السلعة بالنقد على وجه مخصوص.[۱]

''خاص حالات میں سامان کو نقد مال سے تبدیل کرنا بیع کہلاتا ہے۔''

زمانۂ قدیم سے عصرِ حاضر تک تجارت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور آج اندرونِ ملک تجارت کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی تجارت ہر ملک کا ایک اہم شعبہ بن چکا ہے۔

تجارت عاملینِ پیدائش اور وسائلِ معیشت میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ملکی معیشت کی ترقی میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تجارت کی اسی خصوصیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے عبد الرحمٰن جزیری کہتے ہیں:

۲۔ فالبيع والشراء من أكبر الوسائل الباعثة على العمل في هذه الحياة الدنيا، وأجل أسباب الحضارة والعمران.[۲]

''تجارت اس دنیا میں عمل پر ابھارنے کا سبب سے بڑا ذریعہ ہے اور تمدن و آبادکاری کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ہے۔''

---

(۱) جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۲: ۱۴۸

(۲) جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۲: ۱۵۵

اَقسامِ تجارت (Kinds of Trade)

تجارت کی دو بڑی قسمیں ہیں:

۱۔ داخلی تجارت (Domestic Trade)

۲۔ خارجی تجارت (Foreign Trade)

داخلی تجارت وہ بیع و شراء ہے جو موجودہ مال (اشیاء) پر لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور ان کی خرید و فروخت اندرونِ ملک ہی ہوتی ہے۔ جبکہ خارجی تجارت/ بین الاقوامی تجارت سے مراد باہر کے ممالک سے مال منگوانا اور بھیجنا ہوتا ہے۔ دونوں اقسام میں اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اسی بنیاد پر ایک مشروع تجارت اور دوسری تجارت فاسدہ قرار پاتی ہے۔ مشروع تجارت کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھا گیا ہے جبکہ تجارتِ فاسدہ کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

تجارت کی اہمیت و فضیلت

(Importance & Significance of Trade)

مال انسان کے قیام اور حصولِ مصالح کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ حصولِ مصالح کے لئے اشیاء کا تبادلہ یا خرید و فروخت عمل میں آتی ہے جس کو بیع و شراء یا تجارت کہتے ہیں۔ اسلامی شریعت کے اصولوں کے تحت عمل میں لائی گئی تجارت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اسے اللہ کے فضل اور عبادت کا درجہ بھی دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تجارت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

۱۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی

(۱) الجمعة، ۶۲: ۱۰

رزق) تلاش کرنے لگو۔‘‘

۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًاo(۱)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو، اور اپنی جانوں کو مت ہلاک کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہےo‘‘

۳۔ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَo(۲)

’’اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo‘‘

۴۔ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْھَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَo(۳)

’’اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے اور ان (انسانوں، جانوروں اور پرندوں) کے لئے بھی جنہیں تم رزق مہیا نہیں کرتےo‘‘

۵۔ وَجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًاo(۴)

’’اور ہم نے دن کو (کسبِ) معاش (کا وقت) بنایا (ہے)o‘‘

۶۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا

(۱) النساء، ۴: ۲۹

(۲) الاعراف، ۷: ۱۰

(۳) الحجر، ۱۵: ۲۰

(۴) النبا، ۷۸، ۱۱

لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.(۱)

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

۷۔ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا.(۲)

’’وہ کہتے تھے کہ تجارت (خرید و فروخت) بھی تو سود کی مانند ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔‘‘

۸۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○(۳)

’’(اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) الٹ پلٹ ہو جائیں گی ○‘‘

احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی تجارت/تاجر کی اہمیت وفضیلت کا ذکر موجود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ التاجر الصدوق الأمین مع النبیین والصدیقین والشهداء.(۴)

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۲) البقرة، ۲: ۲۷۵

(۳) النور، ۲۴: ۳۷

(۴) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البیوع، باب ما جاء في التجار وتسمیة النبي ﷺ إیاهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۳۹

''سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔''

۲۔ إن التجار يبعثون يوم القيامة فجارًا إلّا من اتّقى وبرّ وصدق.(۱)

''قیامت کے دن تاجر فاجروں کی صف میں کھڑے ہوں گے، سوائے ان کے جنہوں نے تقویٰ، نیکی اور راست بازی کو اختیار کیا ہوگا۔''

۳۔ إن التجار هم الفجار، قالوا: يا رسول الله! أ ليس قد أحل الله البيع؟ قال: بلى ولكنهم يحلفون فيأثمون، ويحدثون فيكذبون.(۲)

''(آپ ﷺ نے فرمایا:) بے شک تاجر فاسق و فاجر ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اللہ نے بیع کو حلال قرار نہیں دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، لیکن (وہی تاجر فاسق ہیں) جو جھوٹی قسمیں کھا کر گنہگار ہوتے ہیں اور جب (کاروباری انداز میں) بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔''

۴۔ الجالب مرزوق والمحتكر ملعون.(۳)

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي ﷺ إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۱۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب التوقي في التجارة، ۲: ۷۲۶، رقم: ۲۱۴۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۶۶، رقم: ۱۰۱۹۴

(۲) ۱۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۸، رقم: ۲۱۴۵

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۹: ۳۱۴، رقم: ۷۱۱

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۵: ۲۲۶، رقم: ۱۰۱۹۵

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحكرة والجلب، ۲: ۷۲۸، رقم: ۲۱۵۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۰، رقم: ۱۰۹۳۸

''دوسرے شہر سے مال لانے والے (تاجر) کو رزق (اور مزدوری میں برکت و نفع) دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔''

دورِ جدید میں تجارت زبردست اہمیت کی حامل بن چکی ہے۔ یہ کسی بھی اقتصادی نظام کی کامیابی اور ترقی و برتری کی آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ اقتصادی بہبود (Economic Welfare) اور خود کفالت (Self-Sufficiency) کی ضامن بھی بن گئی ہے۔ جن ممالک نے تجارت کے شعبہ کو ترقی دی وہ آج ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل کیے جاتے ہیں، اس کے برعکس وہ ممالک جنھوں نے تجارت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی وہ غربت و افلاس، بیروزگاری، قرض اور معاشی استحصال کے شکنجے میں پھنسے پڑے ہیں۔ عصرِ حاضر میں بعض ممالک نے تجارت کو ''بطور ریاستی حکمتِ عملی'' (State Diplomacy) استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح بڑی ریاستیں چھوٹی ریاستوں کو اشیاء کی فراہمی میں من مانی قیمت، تجارتی پابندیاں (Trade Sanctions)، داخلی سیاست میں دخل اندازی اور ایک لحاظ سے محکوم بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔

خرید و فروخت کے اسلامی اصول

(Islamic Principles of Sale & Purchase)

خرید و فروخت اور دیگر تجارتی امور میں اسلام نے بھرپور رہنمائی فراہم کی ہے۔ اس ضمن میں واضح اصول و ضوابط سے روشناس کرایا گیا ہے۔ یہ اصول آفاقی، ہمہ وقتی اور حقیقی ہیں۔ اگر دنیا کے کسی بھی حصہ میں یہ زیرِ عمل لائے جائیں تو ہمیشہ مثبت نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ آج اگر ان اصولوں کو اپنا لیا جائے تو دنیا سے تجارتی لوٹ کھسوٹ، سود، ارتکاز و احتکارِ دولت، مصنوعی کساد بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، اشیاء کی قلت اور مہنگائی جیسی معاشی برائیاں ختم کی جا سکتی ہیں۔

ذیل میں ہم اسلام کے متعین کردہ اصولوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

ا۔ ایجابی اقدامات (Positive Steps)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو جو شریعت دے کر بھیجا اس میں اچھے کام کا وجوب اور برے کاموں سے امتناع اہم پہلو ہیں۔ ذیل میں ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱) حقوق اللہ کی پاسداری (Observance of Allah's Rights)

شعبۂ تجارت میں بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تجارت کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی خیال رکھیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ.(۱)

''جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر (یعنی خطبہ و نماز) کی طرف تیزی سے چل پڑو اور خرید و فروخت (یعنی کاروبار) چھوڑ دو۔''

(۲) باہمی تعاون (Mutual Cooperation)

تجارت میں باہمی تعاون بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے لین دین کے تمام معاملات میں فریقین کا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ضروری ہے۔ فروخت کرنے والا اور خریدار ایک دوسرے کی ضرورت پورا کرنے کی خاطر تجارتی معاملات کریں اور کسی بھی قسم کی زیادتی سے اجتناب کریں۔ قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.(۲)

---

(۱) الجمعة، ۶۲: ۹

(۲) المائدة، ۵: ۲

”اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا ضرر و لا ضرار.(۱)

”نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ۔“

(۳) باہمی رضامندی (Mutual Consent)

تجارتی معاملات میں حقیقی رضا اور جانبین کی رضامندی انتہائی ضروری امر ہے۔ بلا رضا و رغبت یا اضطراری رضامندی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.(۲)

”اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی باہمی رضامندی کو ضروری قرار دیتے ہوئے جبر و اکراہ کی بیع کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ۲: ۷۸۴، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ مالك، الموطأ، كتاب الأقضية، باب القضاء في المرفق، ۲: ۷۴۵، رقم: ۱۴۲۹

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۶۶، رقم: ۲۳۴۵

(۲) النساء، ۴: ۲۹

نهى رسول الله ﷺ عن بيع المضطر.[۱]

''حضور نبی اکرم ﷺ نے جبر و زبردستی کی بیع سے منع کیا ہے۔''

(۴) خوش گفتاری (Polite Conversation)

حضور نبی اکرم ﷺ نے خرید و فروخت میں نرم گفتگو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے، ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

۱۔ رحم الله رجلًا سمحًا إذا باع وإذا اشترى.[۲]

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو خرید و فروخت میں آسانی پیدا کرے۔''

۲۔ غفر الله لرجل كان قبلكم كان سهلًا، إذا باع سهلًا، إذا اشترى سهلًا.[۳]

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی مغفرت فرماتا ہے جو تمہارے (تمام معاشرے کے)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، ۳: ۲۵۵، رقم: ۳۳۸۲

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۷، رقم: ۱۰۸۵۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۷۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب السماحة في البيع، ۲: ۷۴۲، رقم: ۲۲۰۳

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۳۵۷، رقم: ۱۰۷۶۰

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في استقراض البعير أو الشيء من الحيوان أو السن، ۳: ۶۱۰، رقم: ۱۳۲۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۴۰، رقم: ۱۴۶۹۹

لئے نرم ہو اور خرید و فروخت میں بھی نرم مزاج ہو۔‘‘

(۵) اشیائے تجارت کے عیوب و نقائص بتانا

(Disclosing the Defects of Trade Goods)

تجارتی مال میں اگر کوئی نقص یا عیب ہو تو فروخت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

۱۔ من باع عيبًا لم يبينه، لم يزل في مقيت الله ولم تزل الملائكة تلعنه. (۱)

’’جو شخص عیب دار چیز کو بیچے اور اس پر خریدار کو آگاہ نہ کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے اور فرشتے اس پر مسلسل لعنت کرتے رہیں گے۔‘‘

۲۔ دوسری روایت میں ہے:

المسلم أخو المسلم ولا يحل لمسلم باع من أخيه بيعًا فيه عيب إلا بينه له. (۲)

’’مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاتھ معیوب چیز کو فروخت کرے مگر یہ کہ اس کے سامنے عیب ظاہر کر دے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارت، باب من باع عيبًا فليبينه، ۲: ۷۵۵، رقم: ۲۲۴۷

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۶۵، رقم: ۱۵۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب من باع عيبًا فليبينه، ۲: ۷۵۵، رقم: ۲۲۴۶

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۰، رقم: ۲۱۵۲

(۶) ناپ تول صحیح رکھنا (Accurate Weight & Measure)

تجارتی معاملات میں ناپ تول کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ناپ تول میں خرد برد دوسرے فریق کو خسارہ پہنچانے کے مترادف ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ہدایت فرمائی:

وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ○(۱)

’’اور ناپ پورا رکھا کرو جب (بھی) تم (کوئی چیز) ناپو اور (جب تولنے لگو تو) سیدھے ترازو سے تولا کرو، یہ (دیانتداری) بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے (بھی) خوب تر ہے○‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تو وزن کرنے والے کیلئے یہاں تک نصیحت فرمائی:

زن وأرجح.(۲)

’’اصل وزن سے کچھ زیادہ کر دیا پورا کرو۔‘‘

۲۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

إذا وزنتم فأرجحوا.(۳)

’’جب تم وزن کرو تو زیادہ کرو۔‘‘

---

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۵

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، کتاب البیوع، باب ما جاء في الرجحان في الوزن، ۳: ۵۹۸، رقم: ۱۳۰۵

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البیوع، باب في الرجحان في الوزن والوزن بالأجر، ۳: ۲۴۵، رقم: ۳۳۳۶

(۳) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب البیوع، باب الرجحان في الوزن، ۲: ۷۴۸، رقم: ۲۲۲۲

۲۔ أبو عوانه، المسند، ۳: ۲۵۵، رقم: ۴۸۶۵

(۷) بولی دینا (Bidding)

بولی کے ذریعے مال خریدنا جائز ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کا کمبل اور پیالہ بولی کے ذریعے فروخت فرمایا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن رجلًا من الأنصار أتى النبي ﷺ يسأله، فقال: أما في بيتک شيء؟ قال: بلى، حلس، نلبس بعضه ونبسط بعضه وقعب نشرب فيه من الماء، قال: ائتني بهما. فأتاه بهما فأخذهما رسول الله ﷺ بيده وقال: من يشتري هذين؟ قال رجل: أنا آخذهما بدرهم، قال: من يزيد على درهم؟ مرتين أو ثلاثًا، قال رجل: أنا آخذهما بدرهمين، فأعطاهما إياه وأخذ درهمين وأعطاهما الأنصاري. (۱)

''ایک انصاری مرد حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے گھر میں کچھ ہے؟ عرض کیا: ایک ٹاٹ (کمبل) ہے جسے ہم کچھ بچھا لیتے ہیں اور کچھ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔ فرمایا: دونوں چیزیں لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے آیا۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں اپنے ہاتھوں میں لیں اور فرمایا: یہ دو چیزیں کون خریدے گا؟ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں دونوں چیزیں ایک درہم میں لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے دو تین مرتبہ فرمایا کہ ایک سے زائد درہم میں کون لے

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الزکاة، باب ما تجوز فيه المسألة، ۲: ۱۲۰، رقم: ۱۶۴۱

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب بيع المزايدة، ۲: ۷۴۰، رقم: ۲۱۹۸

گا؟ ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں دو درہم میں لیتا ہوں تو آپ ﷺ نے وہ چیزیں اسی کو دے دیں اور (اس سے) دو درہم لے کر انصاری کو دے دیئے۔‘‘

(۸) معاملہ کو تحریر میں لانا (Documentation)

تجارتی معاہدات، معاملات یا خرید و فروخت میں جہاں جھگڑا فساد کا ڈر ہو وہاں انہیں ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.(۱)

’’اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لئے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔‘‘

(۹) وعدوں کی پاسداری (Fulfillment of Promises)

تجارتی معاملات میں کیے گئے معاہدوں میں ایفائے عہد لازمی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ؀(۲)

’’اور وعدہ پورا کیا کرو، بیشک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی ؀‘‘

۲۔ امتناعی اصول (Prohibitory Principles)

خرید و فروخت میں درج ذیل رویئے نہ صرف حرام ہیں بلکہ شدت کے ساتھ ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جن طریقوں یا رویوں کو اپنانے سے منع کیا گیا

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۸۲
(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۴

ہے ان میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں:

(۱) قسمیں کھانا (Taking Oaths)

سودا بیچتے وقت قسمیں کھانے سے گریز کرنا ضروری ہے۔ قسمیں کھا کھا کر سودا بیچنا دھوکہ دہی کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیع میں قسمیں کھانے سے متعلق فرمایا:

۱۔ **إياكم و كثرة الحلف في البيع فإنه ينفق ثم يمحق.** (۱)

”خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو کیونکہ اس سے مال تو بک جاتا ہے لیکن پھر برکت مٹ جاتی ہے۔“

۲۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

الحلف منفقة للسعة ممحقة للبركة. (۲)

”قسمیں کھانے سے سودا تو بک جاتا ہے مگر برکت ختم ہو جاتی ہے۔“

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب النهي عن الحلف في البيع، ۳: ۱۲۲۸، رقم: ۱۶۰۷

۲۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب المنفق السلعته بالحلف الكاذب، ۷: ۲۴۶، رقم: ۴۴۶۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب ما يكره الحلف في البيع، ۲: ۷۳۵، رقم: ۱۹۸۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب النهي عن الحلف في البيع، ۳: ۱۲۲۸، رقم: ۱۶۰۶

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في كراهية اليمين في البيع، ۳: ۲۴۵، رقم: ۳۳۳۵

(۲) حرام اشیاء کی تجارت (Trading of Unlawful Commodities)

جو اشیاء اسلام نے حرام قرار دی ہیں ان کو مالِ تجارت بنانا یا ان کی خرید و فروخت کرنا بھی حرام ہے۔ ان میں اشیائے خمر (شراب، افیون، ہیروئن وغیرہ)، جوا کرانا، لاٹری، سٹہ بازی، قحبہ گری، سودی لین دین، اخلاق سوز فلمیں اور آڈیو ویڈیو کیسٹیں، آلاتِ موسیقی، گانے بجانے کے سکول یا اکیڈمیاں، اخلاق سوز ناول، کتابیں اور رسالے وغیرہ شامل ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ کَبِيْرٌ. (۱)

’’آپ سے شراب اور جوئے کی نسبت سوال کرتے ہیں فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔‘‘

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام. (۲)

’’اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔‘‘

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ۲: ۷۷۹، رقم: ۲۱۲۱

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب المساقاة، باب تحرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، ۳: ۱۲۰۷، رقم: ۱۵۸۱

۳۔ ترمذي، السنن، کتاب البيوع، باب ما جاء في بيع جلود الميتة والأصنام، ۳: ۵۹۱، رقم: ۱۲۹۷

۲۔ ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله إذا حرم شيئًا حرم ثمنه. (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کی قیمت کو بھی حرام قرار دیا ہے۔‘‘

(۳) فساد افزوں تجارت (Trade Causing Disputes)

۱۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كان الناس في عهد رسول الله ﷺ يتبايعون الثمار، فإذا جد الناس وحضر تقاضيهم، قال المبتاع: إنه أصاب الثمر الدمان، أصابه مراض، أصابه قشام، عاهات يحتجّون بها، فقال رسول الله ﷺ: لمّا كثرت عنده الخصومة في ذلك: فإمّا لا، فلا يتبايعوا حتى يبدو صلاح الثمر. كالمشورة يشير بها لكثرة خصومتهم. (۲)

’’عہدِ نبوی ﷺ میں لوگ پھلوں کو (پکنے سے پہلے ہی) بیچ دیا کرتے جب لوگ پھل کاٹنے لگتے اور (قیمت) وصول کرنے کا وقت آتا تو خریدار کہتا کہ پھل پر دمان، مراض یا قشام (پھلوں کی بیماریاں) آ گئی اور اس وجہ سے خریدار قیمت میں کمی کرانا چاہتا تھا (یا وہ بالکل قیمت ادا نہ کرنا چاہتا اور فروخت کرنے

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۳۱۲، رقم: ۴۹۳۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۹۳، رقم: ۲۶۷۸
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۲: ۲۰۰، رقم: ۱۲۸۸۷
۴۔ دار قطني، السنن، ۳: ۷، رقم: ۲۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، ۲: ۷۶۵، رقم: ۲۰۸۱
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، ۳: ۲۵۳، رقم: ۳۳۷۲
۳۔ دارقطني، السنن، ۳: ۱۳، رقم: ۳۸

والا اس بات پر تیار نہ ہوتا تھا) جب بارگاہِ نبوی ﷺ میں اس طرح کے بہت سے جھگڑے پیش ہونے لگے تو آپ ﷺ نے لوگوں سے بطور مشورہ ارشاد فرمایا کہ تم پھل کو اس وقت تک فروخت نہ کیا کرو جب تک کہ اس کی بہتری کی کیفیت کا علم نہ ہو کیونکہ وہ لوگ اس سلسلہ میں بہت سے اختلافات و نزاعات کرنے لگے تھے۔‘‘

۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أن النبي ﷺ نهى عن بيع السنين. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے کئی سالوں کے لئے (درختوں کے پھل) فروخت کرنے سے منع فرمایا۔‘‘

اس حدیث کی وضاحت میں شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

ذلک لترتفع المناقشة بقدر الإمکان. (۲)

’’یہ (ممانعت) اس لئے ہے تاکہ حتی المقدور لڑائی جھگڑے کو ختم کیا جا سکے۔‘‘

(۴) دھوکہ دہی (Deceiving)

اچھا مال دکھا کر خراب مال یا گھٹیا درجے کا مال دینا سراسر دھوکہ ہے۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب البيوع، باب کراء الأرض، ۳: ۱۱۷۸، رقم: ۱۵۳۶

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب البيوع، باب في بيع السنين، ۳: ۲۵۴، رقم: ۳۳۷۴

۳۔ نسائي، السنن، کتاب البيوع، باب بيع السنين، ۷: ۲۹۴، رقم: ۴۶۲۶

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب التجارات، باب بيع الثمار سنين والجائحة، ۲: ۷۴۷، رقم: ۲۲۱۸

(۲) شاه ولي الله حجة الله البالغه، ۲: ۱۱۳

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نهی رسول الله ﷺ عن بيع الغرر. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔‘‘

ایسی تجارت جس میں کسی بھی قسم کا دھوکہ، فریب، خیانت اور معصیت کا دخل ہو اس کو بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

۲۔ آپ ﷺ سے افضل ترین کمائی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور. (۲)

’’آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام اور بیع مبرور (افضل ترین کمائی ہے)۔‘‘

بیع مبرور کی وضاحت کرتے ہوئے عبدالرحمٰن الجزیری (م ۱۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

والبيع المبرور هو الذي يبر فيه صاحبه فلم يغش ولم يخن ولم يعص الله فيه. (۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، ۳: ۱۱۵۳، رقم: ۱۵۱۳
۲۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع الغرر، ۳: ۵۳۲، رقم: ۱۲۳۰
۳۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في بيع الغرر، ۳: ۲۵۴، رقم: ۳۳۷۶
۴۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب بيع الحصاة، ۷: ۲۶۲، رقم: ۴۵۱۸
۵۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب النهي عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر، ۲: ۷۳۹، رقم: ۲۱۹۴

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۳۳۲، رقم: ۲۱۴۰
۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۱۲، رقم: ۲۱۵۸
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۶۳، رقم: ۱۰۱۷۷

(۳) ۱۔ جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۲: ۱۵۳
۲۔ شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۰۳

’’اور بیع مبرور ایسی تجارت کو کہتے ہیں جو دھوکہ، خیانت اور اللہ کی معصیت سے پاک ہو۔‘‘

٣۔ اسی طرح بعض تاجر گاؤں دیہات میں جا کر وہاں کے لوگوں سے ان کی لاعلمی کی وجہ سے کم نرخوں پر مال خرید لیتے ہیں اور شہروں میں لا کر بھاری داموں فروخت کرتے ہیں یہ بھی دھوکہ ہے۔ اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تلقوا الركبان ولا يبيع حاضر لباد. (١)

’’سامان والوں کو آگے جا کر نہ ملو (یہاں تک کہ اسے بازار میں لایا جائے) اور کسی بھی شہری کے لئے دیہاتی سے (دھوکہ دے کر کوئی بھی چیز) خریدنا جائز نہیں۔‘‘

اسی طرح جعلی کرنسی نوٹ دینا یا ان کا کاروبار کرنا بھی دھوکہ دہی کے زمرہ میں آتا ہے۔

(۵) بیع پر بیع کرنا (Compound Sale)

فریقین کے درمیان طے شدہ بیع کو خراب کرنے کی غرض سے قیمت بڑھا دینا ناپسندیدہ فعل ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا يبع الرجل على بيع أخيه، ولا يخطب على خطبة أخيه، إلا أن يأذن له. (٢)

---

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب هل يبيع حاضر لباد بغير أجر وهل يعينه أو ينصحه، ٢: ٧٥٧، رقم: ٢٠٥٠

٢۔ نسائي، السنن الكبرى، ٤: ١٢، رقم: ٦٠٨٧

٣۔ مالك، الموطأ، كتاب البيوع، باب ما ينهى عنه من المساومة والمبايعة، ٢: ٦٨٣، رقم: ١٣٦٦

(٢) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو ترك، ٢: ١٠٣٢، رقم: ١٤١٢

←

''آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کی منگنی پر (اپنی) منگنی کرے مگر جب وہ اس کی اجازت دے۔''

(٦) اشیاء کی غیر موجودگی میں بیع کرنا (Trade in Absent Goods)

خرید و فروخت کے وقت شے کی موجودگی بہت سے آنے والے منفی معاملات سے محفوظ کرتی ہے۔ غیر موجود اشیاء کی بیع کے متعلق حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لا تبع ما ليس عندك.(١)

''تو ایسی چیز نہ بیچ جو تیرے پاس نہیں ہے۔''

(٧) قرض کی قرض سے بیع (Trade in Debt by Debt)

قرض کی قرض سے بیع ناجائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أن النبي ﷺ نهى عن بيع الكالئ بالكالئ (أي الدين بالدين).(٢)

...... ٢۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه ولا يسوم على سوم أخيه حتى يأذن له أو ترك، ٢: ٧٥٢، رقم: ٢٠٣٣

٣۔ ترمذي، السنن، كتاب النكاح، باب ما جاء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخيه، ٣: ٤٤٠، رقم: ١١٣٤

(١) ١۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية بيع ما ليس عندك، ٣: ٥٣٤، رقم: ١٢٣٢

٢۔ أبو داود، السنن، كتاب الإجارة، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، ٣: ٢٨٣، رقم: ٣٥٠٣

٣۔ نسائي، السنن الكبرى، ٤: ٣٩، رقم: ٦٢٠٤

(٢) ١۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٥: ٢٩٠، رقم: ١٠٣١٦

٢۔ مالك، الموطأ، كتاب البيوع، باب جامع بيع الثمر، ٢: ٦٢٨، ١٢٩٦

٣۔ عبد الرزاق، المصنف، ٨: ٩٠، رقم: ١٤٤٤٠

''حضور نبی اکرم ﷺ نے قرض کی قرض سے فروخت کو منع فرمایا۔''

(۸) باطل اقسام البیوع سے اجتناب

(Abstainig from invalid forms of Trade)

فقہاء کرام نے کتبِ فقہ میں ناجائز اور حرام بیوع کی مختلف اقسام قلمبند کی ہیں۔ ان سب کی بنیاد بالواسطہ یا بلا واسطہ ''بیع الغرر'' ہے۔ غرر کی تعریف یوں کی گئی ہے:

۱۔ امام سرخسی (م ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء) لکھتے ہیں:

الغرر: ما يكون مستور العاقبة. (۱)

''وہ (چیز) جس کا انجام پوشیدہ ہو۔''

۲۔ امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) بیان کرتے ہیں:

لا يدري البائع أي شيء هو الذي باع ولا يدري المشتري أي شيء اشترى. (۲)

''غرر یہ ہے کہ بیچنے والے کو علم نہ ہو کہ وہ کونسی چیز بیچ رہا ہے اور نہ ہی خریدنے والے کو علم ہو کہ وہ کیا خرید رہا ہے۔''

۳۔ علی بن محمد الجرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) کہتے ہیں:

الغرر: ما يكون مجهول العاقبة لا يدري أيكون أم لا. (۳)

''غرر سے مراد وہ شے ہے جس کا انجام نا معلوم ہو اور (بائع و مشتری دونوں میں سے) کوئی بھی نہ جانتا ہو کہ مبیع (صحیح حالت میں) ہوگی یا نہیں۔''

---

(۱) سرخسي، المبسوط، ۱۲: ۱۹۴

(۲) ابن حزم، المحلى، ۸: ۴۳۰

(۳) جرجاني، التعريفات: ۲۰۸

محولہ بالا اور ایسی ہی دیگر فقہاء کی تعریفات پڑھ کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان اقسام کی بیوع میں کوئی خطر موجود ہے، شاید ہو اور شاید نہ ہو کا وجود پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان بیوع میں دھوکہ، فریب، جبر و اکراہ اور استحصال کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء نے بیع الغرر کو ناجائز قرار دیا ہے۔

غرر کی بنیاد پر بے شمار انواع البیوع فقہ کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں، اس طرح وہ سب وجودِ غرر کے سبب غیر صحیح اور حرام ہو جاتی ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی تمام اقسام البیوع کو منسوخ فرما دیا تھا، چنانچہ ضروری ہے کہ آج کل کے دور میں بھی ان سے قطعی اجتناب کیا جائے۔

شراکت (Partnership)

لغوی تحقیق

عربی زبان کے لفظ ''شرکۃ'' کا مادہ ''ش۔ ر۔ ک'' ہے جو اپنی مختلف بناوٹوں کے ساتھ ملتے جلتے معانی میں مستعمل ہے۔ مثلاً:

شَرِکَ ......شریک بنے یا کسی کو اپنے کام میں شریک کرنا

شَارَکَ ...... باہم شریک ہونا

اَلشَّرِیْک ......شریک، حصہ دار، ساجھی

اِشْتِرَاک ......مل جانا

اَلْمُشْتَرَک ...... وہ چیز جس میں دو یا کئی کی شرکت ہو

اَلْمُشَارَکَۃ ...... باہم شریک ہونا اور ایک دوسرے کا حصہ دار بننا

اَلشَّرِکَۃ......شریک ہونا

مذکورہ بالا بنیاد پر اردو میں لفظ ''شراکت'' مستعمل ہے جو اپنے اندر متذکرہ بالا معنی اور مفہوم رکھتا ہے۔ لغوی اعتبار سے ''شرکت'' کی یوں تعریف کی گئی ہے:

۱۔ الشرکة: هي اختلاط النصيبين فصاعداً بحيث لا يتميز، ثم أطلق اسم الشرکة علی العقد وإن لم يوجد اختلاط النصيبين.(۱)

(۱) ۱۔ جرجاني، التعريفات: ۱۶۵
۲۔ سعدي، القاموس الفقهي: ۱۹۵

''دو یا زیادہ حصوں کا اس طرح باہم مخلوط ہو جانا کہ اس میں تمیز نہ ہو۔ پھر اس کا اطلاق ایک عقد پر ہونے لگا بشرطیکہ اس میں دو حصے مخلوط نہ پائے جائیں۔''

اسی طرح القاموس الفقھی میں ہے:

۲۔ الشركة: عقد بين اثنين، فأكثر، للقيام بعمل مشترك.[۱]

''دو افراد یا زیادہ کے درمیان ایک مشترک کام کرنے کا معاملہ شرکت کہلاتا ہے۔''

اصطلاحی تعریف

اصطلاحی اعتبار سے شرکت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

۱۔ الشركة: هي الاجتماع في استحقاق أو تصرف.[۲]

''شرکت استحقاق اور تصرف میں جمع ہونے کا نام ہے۔''

۲۔ الشركة: تقرر مستمول بين المالكين فأكثر ملكا فقط.[۳]

''دو یا زیادہ مالکان کے درمیان کسی متقوم چیز کی ملکیت کا مقرر ہو جانا شرکت کہلاتا ہے۔''

محولہ بالا تعریفات کے بنیادی تصور کو سامنے رکھ کر ''شرکت'' کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

''دو یا دو سے زائد افراد کا کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنا کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں معین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔''

---

(۱) سعدي، القاموس الفقهي: ۱۹۵

(۲) ابن قدامه، المغني، ۵: ۳

(۳) محمد بن ابراهيم، شركة الأشخاص بين الشريعة والقانون: ۲۴

شرعی حیثیت

شرکت اجتماعی سرمایہ کاری کا بڑا پرانا کاروباری طریقہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے متمدن عربوں میں یہ طریقہ رائج تھا، اس کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے پسند فرمایا اور اسے جاری رکھا۔ صاحب الہدایہ کے قول کے مطابق:

الشركة جائزة، لأنه ﷺ بعث والناس كانوا يتعاملون بها فقررهم عليها.(۱)

”شراکتی سرمایہ کاری جائز ہے کیونکہ جب حضور نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو لوگ اس طریقہ سے کاروبار کرتے تھے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔“

(ا) قرآن مجید میں

ا۔ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ.(۲)

”اور اگر انہیں (نفقہ و کاروبار میں) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔“

۲۔ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ.(۳)

”اور اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔“

۳۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ

---

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۲) البقرة، ۲: ۲۲۰

(۳) النساء، ۴: ۱۲

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ.(۱)

''اور بے شک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔''

۴۔ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ط هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَo(۲)

''اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے ایسے (غلام) شخص کی جس کی ملکیت میں کئی ایسے لوگ شریک ہوں جو بداخلاق بھی ہوں اور باہم جھگڑالو بھی۔ اور (دوسری طرف) ایک ایسا شخص ہو جو صرف ایک ہی فرد کا غلام ہو، کیا یہ دونوں (اپنے) حالات کے لحاظ سے یکساں ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (حقیقتِ توحید کو) نہیں جانتےo''

۵۔ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَکُمْ بِوَرِقِکُمْ هٰذِهٖٓ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْکٰی طَعَامًا فَلْیَاْتِکُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْیَتَلَطَّفْ وَ لَا یُشْعِرَنَّ بِکُمْ اَحَدًاo(۳)

''سو تم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا زیادہ حلال اور پاکیزہ ہے تو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور اسے چاہیے کہ (آنے جانے اور خریدنے میں) آہستگی اور

(۱) ص، ۳۸: ۲۴

(۲) الزمر، ۳۹: ۲۹

(۳) الکهف، ۱۸: ۱۹

نرمی سے کام لے اور کسی ایک شخص کو (بھی) تمہاری خبر نہ ہونے دے○‘‘

۶۔ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ○ هٰرُوْنَ اَخِي○ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ○ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ○(۱)

’’اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنا دے○ (وہ) میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) ہو○ اس سے میری کمرِ ہمت مضبوط فرما دے○ اور اسے میرے کارِ (رسالت) میں شریک فرما دے○‘‘

۷۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○(۲)

’’اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر اور اس (وحی) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے (برگزیدہ) بندے پر (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کے دن نازل فرمائی وہ دن (جب میدان بدر میں مومنوں اور کافروں کے) دونوں لشکر باہم مقابل ہوئے تھے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○‘‘

(۲) احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

۱۔ عن أبي هريرة رفعه قال: إن الله يقول: أنا ثالث الشريكين ما

(۱) طٰه، ۲۰: ۲۹۔ ۳۲

(۲) الانفال، ۸: ۴۱

لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خان خرجت من بينهما.(۱)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں دو شریکوں میں تیسرا ہوں جب تک کہ ایک دوسرے سے خیانت نہیں کرتا۔ جب ایک دوسرے سے خیانت کرتا ہے تو میں درمیان میں سے نکل جاتا ہوں۔‘‘

۲۔ روى عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنه قال: يد الله على الشريكين ما لم يخن أحدهما صاحبه فإذا خان أحدهما صاحبه رفعها عنهما.(۲)

’’حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ساجھی داروں (Parteners) کے ساتھ رہتا ہے جب تک کوئی دوسرے سے خیانت نہ کرے۔ پس اگر وہ خیانت کرے گا تو وہ (ہاتھ) ان سے اٹھ جائے گا۔‘‘

۳۔ عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: أيكم كانت له أرض أو نخل فلا يبعها حتى يعرضها على شريكه.(۳)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في الشركة، ۳: ۲۵٦، رقم: ۳۳۸۳

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ٦۰، رقم: ۲۳۲۲

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ۷۸، رقم: ۱۱۲۰٦

(۲) ۱۔ دارقطني، السنن، ۳: ۳۵، رقم: ۱۴۰

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳٦۹، رقم: ۲۷٦۲

(۳) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب البيوع، باب الشركة في النخيل، ۷: ۳۱۹، رقم: ۴۷۰۰

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ٦۱، رقم: ٦۲۹۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۰۷، رقم: ۱۴۳۳۱

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص کے پاس زمین یا کھجور کا درخت ہو تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک وہ اپنے شریک سے پوچھ نہ لے۔‘‘

۴۔ **عن السائب رضی اللہ عنہ قال: أتيت النبي ﷺ فجعلوا يثنون عليّ ويذكروني فقال: رسول الله ﷺ أنا أعلمكم يعني به. قلت: صدقت بأبي أنت وأمي كنت شريكي فنعم الشريک كنت لا تداري ولا تماري.** (۱)

’’حضرت سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو لوگ میری تعریف کر رہے تھے اور میرا ذکر ہو رہا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں انہیں تمہاری نسبت زیادہ جانتا ہوں۔ میں عرض گزار ہوا کہ آپ ہی بمنزلہ میرے ماں باپ کے ہیں! آپ نے سچ فرمایا۔ آپ (زمانۂ جاہلیت میں) میرے ساجھی (اور کاروباری شریک) تھے اور کیا ہی اچھے ساجھی تھے کہ آپ نے کبھی لڑائی جھگڑا نہیں کیا تھا۔‘‘

۵۔ **عن عبد الله قال اشتركت أنا وعمار وسعد فيما نصيب يوم بدر قال: فجاء سعد بأسيرين، ولم أجيء أنا وعمار بشيء.** (۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في كراهية المراء، ۴: ۲۶۰، رقم: ۴۸۳۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الشركة والمضاربة، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۸۷

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲: ۱۴۵، رقم: ۱۵۲۲

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في الشركة رأس مال، ۳: ۲۵۷، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأيمان والنذور، باب شركة الأبدان، ۷: ←

''حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سعد، عمار اور میں نے بدر کی لڑائی کے دن آپس میں اس بات پر شرکت کر لی کہ جس کو جو کچھ ملے گا وہ ہم سب میں مشترک ہوگا۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سعد کو دو قیدی ملے لیکن مجھے اور عمار کو کچھ نہ ملا۔''

ابن قدامہ (م ۶۲۰ ھ) اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

لا يخفى على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وقد أقرهم عليه وقال أحمد بن حنبل: أشرك بينهم النبي صلى الله عليه وآله وسلم. (۱)

''اس (معاہدۂ شرکت) پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہیں ہوئے اور ان کو اس شرکت پر مقرر رکھا بلکہ بقول امام احمد بن حنبل: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔''

۶۔ عن أبي هريرة قال: قالت الأنصار للنبي صلى الله عليه وآله وسلم: اقسم بيننا وبين إخواننا النخيل. فقال: لا. فقالوا: تكفوننا المؤونة ونشرككم في الثمرة، قالوا: سمعنا وأطعنا. (۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے درمیان اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم کر دیجئے، آپ نے فرمایا: ''نہیں''۔ (انصار نے مہاجرین سے کہا:)

......۵۷، رقم: ۳۹۳۷

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۶۵، رقم: ۳۶۷۳۸

۴۔ دارقطني، السنن، ۳: ۳۴، رقم: ۱۳۸

(۱) ۱۔ ابن قدامه، المغني، ۵: ۴

(۲) بخاري، الصحيح، كتاب المزارعة، باب إذا قال اكفني مؤونة النخل أو غيره وتشركني في الثمر، ۲: ۸۱۹، رقم: ۲۲۰۰

تم محنت کرو اور ہم صرف پھل میں تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔ مہاجرین کہنے لگے: ہم دل و جان سے راضی ہیں۔‘‘

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ ﷺ سے نہ صرف شرکت کا جواز ملتا ہے بلکہ اس کی ترغیب، فضیلت اور اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں علماء وفقہائے امت کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ شرکت ایک جائز معاملہ ہے جس کی بنیاد پر بزنس کیا جا سکتا ہے، چنانچہ کثیر التعداد مسلم سکالرز نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے لے کر عصرِ حاضر تک تجارت بر اصول شرکت ہو رہی ہے۔

کسی بھی عالم یا فقیہہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ لہٰذا شرکت کی مشروعیت اجماعِ امت سے بھی ثابت ہوتی ہے، ابن قدامہ (م ۶۲۰ ھ) رقمطراز ہیں:

أجمع المسلمون علی جواز الشرکة في الجملة.(۱)

’’تمام مسلمانوں نے شرکت کے جواز میں ہر فی الجملہ اجماع تسلیم کیا ہے۔‘‘

اَقسامِ شراکت (Kinds of Partnership)

فقہاء نے شرکت کو دو بڑی اقسام میں منقسم کیا ہے:

۱۔ شرکتِ املاک (Joint Ownership)

۲۔ شرکتِ عقود (Joint Agreements)

الہدایہ میں ہے:

الشرکة ضربان: شرکة أملاک وشرکة عقود.(۲)

(۱) ابن قدامه، المغني، ۵: ۳

(۲) ۱۔ مرغیناني، الهدایة شرح بدایة المبتدي، ۳: ۳

۲۔ ابن قدامه، المغني، ۵: ۳

''شرکت کی دو قسمیں ہیں: شرکتِ املاک اور شرکتِ عقود۔''

ا۔ شرکت املاک (Joint Ownership)

ا۔ المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) شرکت املاک کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شركة الأملاك: العين يرثها رجلان أو يشتريانها. (۱)

''شرکتِ املاک ایسے مالِ عین میں ہے جس کے دو شخص وارث ہوں یا دونوں اسے خریدیں۔''

۲۔ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) شرکتِ املاک کی وضاحت کرتے ہوئے ''الوجیز'' میں رقمطراز ہیں:

شركة الملك أن يكون الشيء مشتركاً بين اثنين أو أكثر بسبب من أسباب التملك كالشراء والهبة والوصية والإرث أو خلط الأموال أو اختلاطها بصورة لا تقبل التميز والتفريق. (۲)

''شرکتِ ملک یہ ہے کہ کوئی چیز دو یا زیادہ اشخاص کے درمیان بذریعہ خریداری، ہبہ، وصیت یا وراثت ملکیت میں آ جائے اور احوال اس طرح مخلوط ہو جائیں کہ ان میں کوئی تفریق اور امتیاز باقی نہ رہے۔''

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب دو یا زیادہ افراد کسی شے کو مشترکہ طور پر خریدنے یا تحفہ میں ملنے یا میراث کی وجہ سے مالک ہو جائیں تو یہ شرکت املاک کہلائے گی۔

حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکاتیبِ فکر کے علماء و فقہاء نے شرکتِ املاک کی مختلف اقسام بیان کی ہیں جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(۱) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۲) غزالي، الوجيز، ۱: ۱۴۶

۲۔ شرکتِ عقود (Joint Agreements)

عقود کا واحد ''عقد'' ہے جو اپنے اندر ''بندھنے یا باندھنے'' کے معانی لیے ہوئے ہے۔

۱۔ امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ / ۱۱۰۸ء) لکھتے ہیں:

العقد: الجمع بين أطراف الشيء ...... كعقد الحبل. (۱)

''العقد کے معنی کسی چیز کے اطراف کو جمع کر دینے یعنی گرہ باندھنے کے ہیں ...... جیسے رسی کو گرہ باندھنا۔''

۲۔ تاج العروس میں عقد کا درج ذیل معنی بیان ہوا ہے:

عقد: عقد الجبل والبيع والعهد يعقده عقداً. (۲)

''عقد کے معنی ہیں رسی کی گرہ، خرید وفروخت، عہد، باندھنا، بندھن۔''

۳۔ امام عسقلانی (۷۷۳۔۸۵۲ھ) شرکتِ عقد کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

شركة العقد: ما يحدث بالاختيار بين اثنين فصاعدًا من الاختلاط لتحصيل الربح. (۳)

''شرکتِ عقد یہ ہے کہ دو یا زیادہ افراد کا اپنے اختیار سے منافع حاصل کرنے کے لئے کوئی اختلاط وجود میں لانا۔''

۴۔ ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ) رقمطراز ہیں:

---

(۱) اصفهانی، مفردات الفاظ القرآن: ۵۷۶
(۲) زبيدي، تاج العروس، ۵: ۱۱۵
(۳) عسقلاني، فتح الباري، ۵: ۱۲۹

شركة العقد: هي الاجتماع في الاستحقاق أو تصرف.[1]

''شرکتِ عقد استحقاق یا تصرف میں اجتماع کا نام ہے۔''

۵۔ شرکتِ عقود کی وضاحت کرتے ہوئے المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

والضرب الثاني شركة العقود وركنها الإيجاب والقبول. وهو أن يقول أحدهما شاركتک في كذا وكذا ويقول الآخر قبلت.[2]

''دوسری قسم شرکت عقود ہے اور اس کا رکن ایجاب و قبول ہے وہ اس طرح کہ ایک کہے کہ میں نے تجھ سے فلاں اور فلاں چیز میں شرکت کی اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا۔''

٦۔ ابن عابدین شامی (۱۱۹۸۔۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

شركة العقد: هي عبارة عن العقد بين المتشاركين في الأصل والربح.[3]

''شرکتِ عقد دو شریکوں کے درمیان اصل سرمائے اور منافع میں شرکت کا معاملہ کرنے کا نام ہے۔''

۷۔ احمد بن محمد دردیری (م ۱۲۰۱ھ) کے نزدیک شرکتِ عقد کی تعریف درج ذیل ہے:

الشركة العقد مالكى مالين فأكثر على التجر فيهما معا، أو على عمل بينهما، والربح بينهما.[4]

---

(۱) ابن قدامه، المغني، ۵: ۳

(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۳) ابن عابدين، رد المحتار على در المختار، ۳: ۳٦۴

(۴) دردیري، الشرح الصغير على أقرب المسالك، ۳: ۴۵۵

''شرکتِ عقد، دو اموال کے دو یا زیادہ مالکان کے درمیان اس معاہدے کا نام ہے کہ وہ دونوں کے مشترک مال سے تجارت کریں گے یا اس معاہدے کا کہ وہ دونوں مل کر کوئی کام کریں گے اور نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔''

گویا دو یا زائد افراد کا آپس میں معاہدہ کہ کاروبار میں سرمایہ اور نفع و نقصان مشترک ہوگا۔ اس طرح ایک فریق کہے گا کہ میں نے اس معاملہ میں شرکت کی اور دوسرا کہے گا کہ میں نے قبول کیا۔ شرکت عقد میں نفع میں کمی بیشی کے ساتھ بھی معاملہ ہوسکتا ہے لیکن نقصان راس المال کے مطابق تقسیم ہوگا۔

شرکتِ عقد کی اقسام (Kinds of Joint Agreement)

مسلم علماء و فقہاء نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے شرکتِ عقد کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ ان میں مشترک اور اہم اقسام کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) شرکتِ مفاوضہ (Equal Partnership)

مفاوضہ سے مراد ہے:

۱۔ المفاوضة: إنها المساواة في اللغة.[۱]

''مفاوضہ لغت میں مساوات کو کہتے ہیں۔''

۲۔ مفاوضة من التفويض بمعنى المساواة في كل شيء.[۲]

''مفاوضہ، تفویض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ہر چیز میں مساوات یعنی برابری۔''

۳۔ المفاوضة: الاشتراک في كل شيء كالتفاوض والمساواة

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ۶: ۵۸

(۲) ابن عابدين، رد المحتار على در المختار، ۳: ۳۶۹

والمجاراة في الأمر.[1]

’’مفاوضہ، ہر چیز میں اشتراک اور مساوات سے عبارت ہے جیسے معاملات میں مساوات اور ایک دوسرے کو تفویض کرنے میں برابری۔‘‘

۴۔ شركة المفاوضة: فهي أن يشترك الرجلان فيتساويان في مالهما وتصرفهما و دينهما.[2]

’’شرکتِ مفاوضہ یہ ہے کہ دو شخص آپس میں شرکت کریں اور وہ دونوں اپنے مال، تصرف اور دین میں برابر ہوں۔‘‘

۵۔ مال، تصرف اور دین کی وضاحت میں المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) مزید لکھتے ہیں:

المال: والمراد به ما تصح الشركة فيه، ولا يعتبر التفاضل فيما لا يصح الشركة فيه. وكذا في التصرف لأنه لو ملک أحدهما تصرفاً لا يملک الآخر لفات التساوی. وكذلک في الدين.[3]

’’**مال** سے مراد وہ مال جس میں شرکت صحیح ہو لہٰذا جس مال میں شرکت صحیح نہ ہو، تو اس میں آپس میں کمی وبیشی ہونا معتبر نہیں۔

تصرف میں بھی مساوات ضروری ہے کیونکہ اگر ایک فریق کو ایسے تصرف کا اختیار ہو جو دوسرے کو نہیں تو مساوات نہیں رہے گی۔

دین میں بھی شرط مساوات ہے (کیونکہ غیر مسلم ان امور کی پابندی نہیں کرسکتا جو اس کے لئے ضروری ہیں)۔‘‘

---

(۱) فيروز آبادي، القاموس المحيط، ۲: ۲۵۳

(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۳

(۳) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۴

۶۔ کاسانی (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

سمي هذا النوع من الشركة مفاوضة لاعتبار المساواة فيه في رأس المال والربح والتصرف وغير ذلک. وقيل هي من التفويض لأن كل واحد منهما يفوض التصرف إلى صاحبه على كل حال. (۱)

''اس قسم کو شرکتِ مفاوضہ کہا جاتا ہے کیونکہ مساوات کے اس اعتبار سے اصل سرمایہ، نفع، تصرف اور اس کے علاوہ ہر چیز میں مساوات ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مفاوضہ تفویض کے معنی میں ہے، اس لیے کہ دونوں شرکاء میں سے ہر ایک ہر حالت میں اپنے ساتھی کو تصرف کا حق دے دیتا ہے۔''

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے:

مفاوضہ کا معنی مساوات، برابری اور باہمی تفویض ہے۔ اس نسبت سے شرکت مفاوضہ وہ شرکت کہلاتی ہے جس میں تمام شرکاء، سرمایہ، کاروباری ذمہ داریاں، تصرفات اور نفع ونقصان میں برابر ہوتے ہیں اس میں ہر شریک اپنے ساتھی کی جانب شرکت کے معاملات کو علی الاطلاق تفویض کر دیتا ہے، اس طرح اس میں وکالت اور کفالت دونوں ہوتی ہیں۔

(۲) شرکت عنان (Equal Investment)

عنان سے مراد ہے:

۱۔ **عنان: إنه مأخوذ من العن وهو الإعراض.** (۲)

''عنان ''عن'' سے مشتق ہے جس کا معنی ظاہر ہونا، منہ موڑنا، پیش کرنا، ظاہر

(۱) کاساني، بدائع الصنائع، ۶: ۵۸

(۲) کاساني، بدائع الصنائع، ۶: ۵۷

کرنا وغیرہ ہے۔‘‘

٢۔ وقيل هو مأخوذ من عنان الفرس أن يكون بأحدى يديه ويده الأخرى مطلقة يفعل بها ما يشاء.

أو لأن كل واحد منهما جعل عنان التصرف في المال المشترک.[1]

’’بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ’’**عنان الفرس**‘‘یعنی گھوڑے کی لگام سے ماخوذ ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک کے ہاتھ میں باگ ہوتی ہے اور دوسرا ہاتھ آزاد ہوتا ہے، اس کے ساتھ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یا اس وجہ سے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھ کے لئے مشترک مال میں تصرف کی رسی کو تھامے ہوئے ہے۔‘‘

٣۔ عنان: اللفظ مشتق من الإعراض يقال عن له: أي عرض.[2]

’’عنان لفظ اعراض سے مشتق ہے (جس کے معنی منہ موڑنے کے ہیں) بطور کہاوت کہا جاتا ہے **عن له** یعنی اس سے منہ موڑو۔‘‘

٤۔ إنها اشتراک في مال ليتجرا فيه وهي صحيحة بالإجماع ولسلامتها من سائر أنواع الغرر.[3]

’’شرکتِ عنان مال میں اشتراک ہے تاکہ وہ دونوں مل کر تجارت کریں، یہ بالاجماع صحیح ہے اس لیے کہ یہ ہرقسم کے دھوکے اور فریب سے محفوظ ہے۔‘‘

(١) كاساني، بدائع الصنائع، ٦: ٥٧

(٢) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ٣: ٧

(٣) محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، ٥: ٤

۵۔ شركة العنان: فهو أن يخرج كل واحد من الشريكين دنانير أو دراهم مثل ما يخرج صاحبه ويخلطاها، ويأذن كل واحد منهما لصاحبه بأن يتجر فيه.(۱)

’’شرکتِ عنان یہ ہے کہ دونوں شرکاء میں سے ہر ایک اتنے ہی دینار یا درہم الگ نکالے جتنے کہ اس کا دوسرا ساتھی نکالتا ہے اور وہ ان دونوں کو مخلوط کر دیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو اس میں تجارت کرنے کی اجازت دے۔‘‘

۶۔ لم تختلف الفقهاء في جوازه وأنهما إن ربحا في المالين فبينهما، وإن وضعا فعلي رأس مال كل واحد منهما.(۲)

’’شرکتِ عنان کے جواز میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں اگر دونوں ساتھی دونوں اموال میں نفع حاصل کریں تو وہ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے اور اگر دونوں نقصان اٹھائیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے سرمائے کے مطابق نقصان ہو گا۔‘‘

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ معلوم ہوا کہ شرکتِ عنان میں دو یا دو سے زائد افراد کسی خاص نوع کی تجارت یا ہر قسم کی تجارت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے وکیل تو رہتے ہیں لیکن ضامن اور کفیل نہیں ہوتے اس طرح ہر حصہ دار دوسرے کی جگہ یا دوسرے کے لئے کاروبار تو کرے گا مگر ہر شریک کے کاروباری تصرفات (مثلاً سودا کرنا، قرض کا لین دین یا دیگر ادائیگی وغیرہ) کا ذمہ دار نہیں ہو گا۔

(۳) شرکتِ صنائع (Participation in Manufacturing)

ایسی تجارت جس میں چند ہم پیشہ افراد شریک ہوں اور نفع و نقصان کے ذمہ دار

(۱) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۱۳: ۲۹۲

(۲) ابن منظور إفريقي، لسان العرب، ۱۳: ۲۹۳

ہوں ''شرکت صنائع'' کہلاتی ہے، علامہ کاسانی (م۵۸۷ھ) کے نزدیک اس کے تین نام مزید بھی ہیں:

۱۔ **تسمی شركة الأبدان وشركة بالأعمال وشركة بالتقبّل.**[۱]

''اسے شرکتِ ابدان، شرکتِ اعمال اور شرکتِ تقبل یا قبول بھی کہتے ہیں۔''

۲۔ شرکتِ صنائع کی وضاحت المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) ان الفاظ میں کرتے ہیں:

وتسمى شركة التقبل، كالخياطين والصبّاغين يشتركان على أن يتقبلا الأعمال ويكون الكسب بينهما.[۲]

''شرکتِ صنائع کو شرکتِ تقبل (یعنی کام قبول کرنا) بھی کہتے ہیں جیسے دو درزیوں یا دو رنگ ریزوں نے اس شرط پر باہم شرکت کی کہ لوگوں کے کام قبول کریں اور جو کمائی ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔''

(۴) شرکتِ وجوہ (Credibility)

شرکتِ وجوہ کی بنیاد اعتبار، اعتماد، ساکھ، امانت یا اثر و رسوخ پر ہے یہ ایسی سرمایہ کاری ہے جس میں سرمایہ کے بغیر چند افراد اپنی اعتباری صلاحیت یا کاروباری ساکھ کی وجہ سے مارکیٹ سے مال خریدتے ہیں اور فروخت کر کے نفع یا نقصان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ صاحب الہدایہ لکھتے ہیں:

شركة الوجوه: فالرجلان يشتركان ولا مال لهما على أن يشتريا بوجوههما ويبيعا.[۳]

---

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ٦: ٥٦

(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۱۰

(۳) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۱۱

”شرکتِ وجوہ یہ ہے کہ دو شخص باہم عقدِ شرکت باندھیں حالانکہ ان کا کچھ مال نہیں ہے، اس شرط پر کہ دونوں اپنی وجاہت و امانت کی وجہ سے خرید و فروخت کریں گے۔“

شرکتِ وجوہ میں مشترکین کا مال نہیں ہوتا بلکہ مال منڈی سے ادھار خریدا جاتا ہے اور فروخت کر کے حاصل شدہ نفع آپس میں مساوی تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ نقصان کی حالت میں بھی یہی صورت ہوگی۔ کمی بیشی کی صورت میں معاہدہ/شرائط طے کرنا لازمی ہوگا۔

شرکتِ عقود کے بنیادی امور

(Basic Factos of Joint Agreements)

فقہاء نے شرکتِ عقود کی مختلف اقسام بیان کی ہیں اور ان کے احکام الگ الگ بیان کئے ہیں تاہم ان تمام اقسام میں جو مشترک امور ہیں ان کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(۱) ایجاب وقبول - اقرار (Offer & Acceptance)

شریکین کا شرکت کے ضمن میں قول و اقرار ہونا لازمی ہے۔ یہ چاہے زبانی ہو یا تحریری لیکن اگر تحریری صورت میں آ جائے تو بہت بہتر ہے جیسا کہ علامہ سرخسی (م ۴۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء) نے فرمایا:

إن الكتابة عقد ارفاق.(۱)

”بے شک تحریر بھی سود مند معاہدہ ہے۔“

(۲) نفع ونقصان کی تقسیم کی وضاحت

(Specification of Profit & Loss)

کاروبار میں نفع و نقصان کی کیا تقسیم ہوگی اس کی صاف صاف وضاحت کرنا ضروری ہے تا کہ ہر ایک کو اپنا حصہ معلوم ہو اور اختلاف کی صورت پیدا نہ ہوا۔ علامہ

(۱) سرخسي، المبسوط، ۱۲: ۱۲۶

سرخسی (م۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) لکھتے ہیں:

لابد من تحصيل رأس مال كل واحد منهما ليظهر الربح. [1]

''دونوں فریقین میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنا مال دوسرے کو تھمائے تا کہ منافع واضح ہو سکے۔''

(۳) شریکین مال کے امین ہوں (Trusteeship of Partners)

کاروبار میں ہر شریک مشترکہ مال کا امین ہو گا اور اس طرح اس پر اس کی حفاظت بھی لازم ہوگی۔ صاحب الھدایہ لکھتے ہیں:

ويده في المال يد أمانة. [2]

''عقدِ شرکت میں ہر شریک کے قبضہ میں جو مال ہے وہ بطور امانت ہے۔''

(۴) باہمی رضامندی (Mutual Consent)

اگر تجارت میں فریقین کا سرمایہ برابر ہے لیکن پھر بھی وہ کم و بیش نفع و نقصان برداشت کرنے پر راضی ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

ويصح أن يتساويا في المال ويتفاضلا في الربح. [3]

''اور اگر دونوں کا مال برابر ہو اور نفع میں کسی کے واسطے زیادتی کی شرط ہو تو صحیح ہے۔''

(۱) سرخسي، المبسوط، ۱۱: ۱۵۶
(۲) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۱۰
(۳) مرغيناني، الهداية شرح بداية المبتدي، ۳: ۷

(۵) شریکین مشترکہ مال کے وکیل ہوں گے

(Equality of Rights in Dealings)

کاروبار میں شریک ہر فرد مشترکہ مال میں وکیل کی حیثیت کا حامل ہوگا۔ اس طرح وکیل کی حیثیت سے ہر ایک کو کاروبار کے انتظام و انصرام اور تصرف میں مساوی اختیار حاصل ہوگا۔ المرغینانی (۵۱۱۔۵۹۳ھ) لکھتے ہیں:

الوکالة فلتحقق المقصود وهو الشرکة في المال علی ما بیناه.(۱)

''پس وکالت اس لئے ہے کہ اس کا مقصود یعنی مالی شرکت متحقق ہو تاکہ جو کچھ حاصل ہو وہ دونوں میں مشترک ہو۔''

(۶) نفع میں شریک کا استحقاق (Profit Sharing)

شرکت کی صورت میں ہر شریک کے لئے کاروبار میں خود یا اپنے کسی نمائندہ کا حصہ لینا ضروری ہے لیکن اگر شرکت کا معاہدہ ہو چکا ہے اور وہ کسی جائز وجہ سے کاروبار میں حصہ لینے سے قاصر رہا تو بھی وہ نفع و نقصان میں شریک ہوگا۔ اس طرح اگر ایک شریک کی مال، کام یا دیگر نمائندوں کے کاروبار میں شرکت ہو جائے تو وہ معاہدہ کے مطابق نفع کا مستحق اور نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

اسی طرح اگر ایک شریک کاروباری معاملہ کرتے وقت اپنی شرکت فسخ کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار حاصل ہوگا اور اس کی شرکت قطع ہو جائے گی۔

''شرکت'' کی ضرورت و اَہمیت

(Importance & Need of Partnership)

۱۔ شرکت اور اس کی مختلف اقسام کا تصور دے کر اسلام اپنی ایک اور خوبی کو ظاہر

(۱) مرغیناني، الهدایة شرح بدایة المبتدي، ۳: ۴

کرتا ہے کہ وہ شراکتی کاروبار کا زبردست حامی اور داعی ہے۔

۲۔ کاروبار میں مشارکت سے سرمایہ کاری پروان چڑھتی ہے۔

۳۔ اس کے ذریعے ''امدادِ باہمی'' کو تقویت ملتی ہے جس کا اثر مذہب، سیاست، معاشرت، اقتصاد اور زندگی کے دیگر شعبہ جات پر پڑتا ہے اور اس طرح معیشت میں مثبت رجحانات سامنے آتے ہیں۔

۴۔ شرکت سے کاروباری دنیا میں وسعت پیدا ہوتی ہے جس سے ملکی معیشت مستحکم ہوتی ہے اور معاشی جدوجہد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ معاشی ترقی سے بھی ہمکنار ہوتی ہے۔

۵۔ آج بھی اگر شرکت کے اصولوں کو اپنا لیا جائے تو ملک سے بے روزگاری، عام افلاس اور معاشی بدحالی بڑی حد تک دور ہوسکتی ہے۔

۶۔ سود اور سودی کاروبار سے نجات مل سکتی ہے۔

مضاربت (Mudarbah)

معنی و مفہوم

اس کا مادہ ''ض۔ر۔ب (ضرب)'' ہے بمعنی سفر کرنا، کیونکہ تجارت میں عموماً سفر درپیش ہوتا ہے اس لیے یہ معنی مراد لیا گیا ہے، علاوہ ازیں یہ ''ضاربة في الأرض'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی زمین کے طول و عرض میں سفر کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ضرب مادہ پر مشتمل الفاظ کئی جگہوں پر استعمال ہوئے ہیں مثلاً:

۱۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ.(۱)

''اور جب تم زمین میں سفر کرو۔''

۲۔ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۲)

''اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔''

لغوی بحث کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے علی بن محمد الجرجانی (۷۴۰۔۸۱۶ھ) مضاربت کی یوں تعریف کرتے ہیں:

المضاربة: مفاعلة من الضرب، وهو السير في الأرض، وفي الشرع عقد شركة في الربح بمال من رجل وعمل من آخر.(۳)

''مُضَارَبَةٌ، ضرب مصدر سے باب مُفَاعَلَةٌ ہے جس کا مطلب ہے زمین میں

(۱) النساء، ۴: ۱۰۱

(۲) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۳) جرجاني، التعريفات: ۲۷۲

چلنا پھرنا۔ شرعی لحاظ سے مضاربت منافع میں شرکت کا ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں سرمایہ ایک آدمی کا جبکہ محنت اور کام دوسرے آدمی کا ہوتا ہے۔‘‘

مضاربت کو ’’قراض‘‘ یا ’’مقارضہ‘‘ بھی کہتے ہیں۔ قراض/مقارضہ قرض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ’’کاٹ دینا‘‘۔ مضاربت میں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک سرمایہ دار اپنی آمدنی سے بچا بچا کر (کاٹ کاٹ کر) کچھ سرمایہ جمع کرتا ہے اور اسے کاروبار میں لگاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ کاٹ کر دوسرے فریق کو دیتا ہے کہ وہ اس سے کاروبار کرے۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاحی طور پر مضاربت دو فریقوں کے درمیان اس معاہدے کو کہتے ہیں جس کے تحت ایک فریق سرمایہ کی فراہمی اپنے ذمہ لیتا ہے اور دوسرا فریق اپنی محنت پیش کرتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔ صاحب مال کو ’’رب المال یا سرمایہ کار‘‘ جبکہ عمل کرنے والے کو ’’مضارب یا عامل‘‘ اور جو مال لگایا جاتا ہے اسے ’’راس المال یا سرمایہ‘‘ کہا جاتا ہے۔

گویا مضاربت کاروباری شراکت کی ایک قسم ہے جس میں ایک فریق سرمایہ لگاتا ہے جبکہ دوسرا اپنی کاروباری صلاحیت، ذہانت، محنت اور تجربہ وغیرہ کی بنا پر فریقِ ثانی کی حیثیت سے شریکِ کاروبار ہوتا ہے اس طرح کاروبار میں جو نفع ملتا ہے، آپس میں باہمی رضامندی سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ نقصان کی صورت میں تمام تر نقصان رب المال (سرمایہ کار) کو برداشت کرنا پڑے گا اور مضارب کو اس کی محنت کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ عبد الرحمٰن الجزیری (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ) کے الفاظ ہیں:

عند الفقهاء فهي عقد بين اثنين يتضمن أن يدفع أحدهما للآخر مالا يملكه ليتجر فيه بجزء شائع معلوم من الربح كالنصف أو

الثلث أو نحوهما. بشرائط مخصوصة.[۱]

’’فقہاء کے نزدیک دو فریقوں کے درمیان اس امر پر مشتمل ایک معاہدہ ہے کہ ایک فریق دوسرے کو اپنے مال پر اختیار دے گا کہ وہ نفع میں ایک مقررہ حصہ مثلاً نصف یا ایک تہائی وغیرہ کے عوض مخصوص شرائط کے ساتھ مال کو تجارت یا کاروبار میں لگائے۔‘‘

مضاربت میں اگر مقام، خاص جنس، متعین مشتری یا خاص زمانہ یا وقت کی قید لگا دی جائے تو وہ مضاربت مقیدہ اور اگر اس طرح کی کوئی قید نہ ہو تو وہ مضاربت مطلقہ کہلاتی ہے۔

علماء و فقہاء مضاربت کا شرعی جواز سورۃ المزمل کی آیت نمبر ۲۰ سے نکالتے ہیں اس کے علاوہ بعثت سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مضاربت ہی کی بنیاد پر تجارت فرمائی تھی اور آپ ﷺ خود یتیموں کا مال مضاربت کے اصولوں پر دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس ضمن میں یہی طرزِ عمل رہا۔

مضاربت کے ضمن میں متعلقہ مسائل رب المال، مضارب اور سرمایہ کتبِ فقہ میں فقہاء کرام نے تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں درج ذیل اہم ہیں:

۱۔ امام مالک، موطأ، کتاب القراض

۲۔ امام سرخسی، المبسوط، جلد: ۲۲، کتاب المضاربة

۳۔ امام کاسانی، بدائع الصنائع، جلد: ۶، کتاب المضاربة

۴۔ مرغینانی، الهداية، جلد: ۳، کتاب المضاربة

۵۔ ابن رشد، بداية المجتهد، جلد: ۲، کتاب القراض

(۱) جزيري، الفقه على المذاهب الأربعة، ۳: ۳۴

ضرورت و اہمیت (Need & Importance)

دینی، دنیاوی اور عقلی بنیادوں پر مضاربت کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کا انکارنہیں کیا جا سکتا۔ ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے:

(۱) انسانی مصالح کا تحفظ (Protection of Human Benefits)

مضاربت انسانی مصالح کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ معاشرے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد یا افراد کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے لیکن وہ اپنی ذہنی و جسمانی کمزوریوں یا معذوری یا ناتجربہ کاری وغیرہ کی بنا پر خود کاروبارنہیں کر سکتے اس صورت میں شرکت و مضاربت سے ان کو سرمایہ کاری کرنے کے مواقع مل جاتے ہیں جس سے عامۃ الناس کو فائدہ پہنچتا ہے۔

(۲) ناداروں کی بھلائی (Welfare of the Needy)

مضاربت کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس حوالے سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس ذریعہ تجارت سے ناداروں کی بھلائی کے راستے کھلتے ہیں۔ وہ لوگ جو صلاحیت رکھنے کے باوجود محض سرمایہ نہ ہونے کے باعث انتہائی پسماندہ زندگی گزار رہے ہوتے ہیں ان لوگوں کے لئے مضاربت کا نظام امید کی واضح کرن کا کام کرتا ہے کیونکہ اس طرح انہیں دوسروں کے مال سے استفادہ کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے جو ان کی ضرورت کے عین مطابق امر واقعہ ہے۔ اس طرح وہ معاشی جدوجہد میں حصہ لے سکتے ہیں۔

(۳) بیروزگاری میں کمی (Descreasen the Unemployment)

بیروزگاری عام طور پر اس وقت ہوتی ہے جب سرمایہ نہ ہو، کاروبارنہیں ہوتے، لوگ بے کار ہو جاتے ہیں لہٰذا مضاربت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مصروف کیا جا سکتا ہے۔ روزگار کی فراہمی سے نہ صرف بے روزگاری پر قابو پایا جا سکتا ہے بلکہ اسے

پیدا ہونے سے بھی روکا جا سکتا ہے۔

(۴) گردشِ دولت میں اضافہ (Increase in Wealth Circulation)

مضاربت کے ذریعے انفرادی اور ملکی دولت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مختلف انواع کی نئی نئی تجارتی سرگرمیاں روشناس ہوتی ہیں۔ چھوٹی صنعتوں، گھریلو صنعتوں، چھوٹے اور بڑے لیول پر کاروبار کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے جس سے ملک میں گردشِ دولت کا نظام نہ صرف بہتر بلکہ مستعد اور مستحکم بھی ہو جاتا ہے۔

(۵) ملکی معیشت کی ترقی (Development of Economy)

حکومت بھی اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کر سکتی ہے اس طرح حکومت کی ضروریات بھی پوری ہو سکتی ہیں اور عوام کی آمدنیوں میں اضافہ کا ذریعہ بھی فراہم ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف بے روزگاری کے خاتمہ سے ناداروں کے لئے کام کے مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ یہ تمام پہلو مجموعی طور پر ملکی معیشت کے استحکام میں بنیادی کردار ادا کر کے اس کے فروغ کی راہیں ہموار کر دیتے ہیں۔

(۶) سودی بینکاری کا متبادل ذریعہ

(Alternative to Interst-Based Banking)

عصرِ حاضر میں بینکاری اپنی افادیت کا لوہا منوا چکی ہے لیکن بدقسمتی سے مروجہ نظامِ بینکاری سود کی اساس پر قائم ہے۔ مضاربت کو بینکاری کی متبادل اساس کے طور پر اختیار کر کے سود کی لعنت سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔

(۷) منفی معاشرتی سرگرمیوں کا انسداد

(Curbing Anti Social Activities)

وہ لوگ جن کے پاس اپنی صلاحیتوں کے اظہار اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے

لئے سرمایہ نہیں ہوتا وہ اکثر منفی معاشی و معاشرتی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ گداگری، سمگلنگ، جوأ، چوری، دھوکہ، فریب، لوٹ مار جیسی برائیاں اکثر محرومیوں کی ہی پیداوار ہوتی ہیں اور اکثر محروم افراد ہی ان کا شکار ہوتے ہیں۔ مضاربت کے ذریعے ان افراد کو خود دار اور باوقار ذرائع سے اپنی ضروریات کی تکمیل کے مواقع فراہم کیے جا سکتے ہیں۔ اس طرح ملک کو سماجی اور معاشی برائیوں کے انسداد میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

باب نہم

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo

(النجم، ۵۳: ۱۹)

أَعْطُوا الْأَجِیْرَ أَجْرَہٗ قَبْلَ أَنْ یَّجِفَّ عَرْقُہٗ

(ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی)

صنعت اور لیبر پالیسی

(قرآن و سنت کے آئینہ میں)

صنعت (Industry)

تعارف

صنعت (صنعة) عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مادہ ''ص۔ن۔ع'' ہے۔ صَنَعَ یَصْنَعُ صُنْعًا سے مشتق لفظ صنعة کا لغوی معنی ہے ''کوئی چیز بنانا یا ایجاد کرنا''۔

امام راغب اصفہانی (م۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء) لکھتے ہیں:

الصُّنْعُ: إجادة الفعل، فكل صنع فعل، وليس كل فعل صنعًا، ولا ينسب إلى الحيوانات والجمادات كما ينسب إليها الفعل.

قال تعالى: ﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ[(۱)]﴾۔[(۲)]

''الصنع کے معنی کسی کام کو کمال مہارت سے اچھی طرح کرنے کے ہیں۔ اس لئے ہر صنع کو فعل تو کہہ سکتے ہیں مگر ہر فعل کو صنع نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی یہ لفظ فعل کی طرح حیوانات اور جمادات کے لئے بولا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربّانی ہے: ﴿(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے﴾۔''

قرآنِ مجید میں بھی لفظ صنعت مذکورہ بالا معانی اور مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْۢ بَاْسِکُمْ ج فَھَلْ اَنْتُمْ

(۱) النمل، ۲۷: ۸۸

(۲) راغب اصفہانی، المفردات الفاظ القرآن: ۴۹۳

شٰکِرُوْنَ ○[۱]

''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکرگزار ہو؟○''

۲۔ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا.[۲]

''اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔''

۳۔ فَاَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ وَحۡیِنَا.[۳]

''پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔''

۴۔ وَ یَصۡنَعُ الۡفُلۡکَ.[۴]

''اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے۔''

۵۔ صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ کُلَّ شَیۡءٍ.[۵]

''(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے۔''

۶۔ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا کَیۡدُ سٰحِرٍ.[۶]

(۱) الانبیاء، ۲۱: ۸۰

(۲) ھود، ۱۱: ۳۷

(۳) المؤمنون، ۲۳: ۲۷

(۴) ہود، ۱۱: ۳۸

(۵) النمل، ۲۷: ۸۸

(۶) طٰہٰ، ۲۰: ۶۹

''وہ اس (فریب) کو نگل جائے گی جو انہوں نے (مصنوعی طور پر) بنا رکھا ہے۔ جو کچھ انہوں نے بنا رکھا ہے (وہ تو) فقط جادوگر کا فریب ہے۔''

۷۔ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ. (۱)

''اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کر دیا جو فرعون اور اس کی قوم نے بنا رکھے تھے۔''

احادیث نبویہ ﷺ و آثارِ صحابہ کرام ﷺ میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ عن سهل ﷺ أن النبي ﷺ أرسل إلى امرأة من المهاجرين وكان لها غلام نجار. قال لها: مري عبدك فليعمل لنا أعواد المنبر فأمرت عبدها. فذهب فقطع من الطرفاء فصنع له منبرًا فلما قضاه أرسلت إلى النبي ﷺ أنه قضاه. قال ﷺ: أرسلي به إليّ فجاءوا به فاحتمله النبي ﷺ فوضعه حيث ترون. (۲)

''حضرت سہل ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مہاجر خاتون کے پاس (اپنا آدمی) بھیجا۔ اس (عورت) کا غلام بڑھئی تھا۔ اس سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے غلام سے ہمارے لئے لکڑی کا ایک منبر بنانے

(۱) الاعراف، ۷: ۱۳۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الهبة، باب من استوهب من إصحابة شيئًا، ۲: ۹۰۸، رقم: ۲۴۳۰

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۳۱، رقم: ۳۷

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۶: ۱۴۵، رقم: ۵۷۹۰

کے لئے کہے۔ اس نے اپنے غلام سے کہا وہ جا کر جھاؤ کاٹ لایا اور اسی کا ایک منبر بنایا۔ جب وہ منبر بنا چکا تو خاتون نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ منبر بن کر تیار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کہلوایا کہ اسے میرے پاس بجھوا دو۔ لوگ اسے جب لائے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی اسے اٹھایا اور جہاں تم اب دیکھ رہے ہو وہیں آپ نے اسے رکھا۔‘‘

٢۔ عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضی الله عنهما إذ أتاه رجل. فقال: يا ابن عباس! إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وأصنع هذه التصاوير. فقال ابن عباس: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله ﷺ يقول، سمعته يقول: من صوّر صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها أبدًا. فربا رجل ربوة شديدة واصفر وجهه. فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح.[١]

’’حضرت سعید بن ابی حسن کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے ابن عباس! میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کی معیشت اپنے ہاتھ کی صنعت پر موقوف ہے اور میں یہ تصاویر بناتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح وما يكره من ذلك، ٢: ٧٧٥، رقم: ٢١١٢

٢۔ أحمد بن حنبل، المسند، ١: ٣٦٠، رقم: ٣٣٩٤

٣۔ طبراني، المعجم الكبير، ١٢: ١٦٤، رقم: ١٢٧٧٢

٤۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٧: ٢٧٠، رقم: ١٤٣٥٦

پر فرمایا کہ میں تمہیں صرف وہی بات بتاؤں گا جو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس نے بھی کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک عذاب دیتا رہے گا جب تک وہ شخص اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان نہ ڈال دے اور (یہ ظاہر ہے کہ) وہ کبھی اس میں جان نہیں ڈال سکتا۔ (یہ سن کر) اس شخص کا سانس پھول گیا اور چہرہ زرد پڑ گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: افسوس! اگر تم تصویریں بنانا ہی چاہتے ہو تو ان درختوں کی اور اس چیز کی جس میں جان نہیں ہے، تصویریں بنا سکتے ہو۔‘‘

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جب ابو لوء لوء نے حملہ کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا تو آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ دیکھو مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ مغیرہ کے غلام نے آپ کو زخمی کیا ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ وہی غلام جو کاریگر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہاں وہی ہے۔ روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

قال: يا ابن عباس! انظر من قتلني. فجال ساعة ثم جاء فقال: غلام المغيرة. قال: الصنع. قال: نعم.(1)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن عباس! دیکھو مجھے کس نے زخمی کیا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تھوڑی دیر گھوم پھر کا دیکھا اور فرمایا کہ مغیرہ کے غلام (ابو لوء لوء) نے آپ کو زخمی کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: وہی جو کاریگر ہے؟ جواب دیا کہ جی ہاں۔‘‘

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب قصة البيعة والاتفاق على عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۳۴۹۷
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۴۷

۴۔ حضرت زینت بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے:

و كانت صناع اليدين.[1]

''حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہنر مند خاتون تھیں۔''

۵۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

لا تكلّفوا الأمه غير ذات الصنعة الكسب.[2]

''جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو۔''

اِسلام اور صنعت و حرفت

اسلام کی معاملہ فہمی سے یہ بات عیاں ہے کہ اس نے آغازِ انسانیت سے ہی صنعت کے شعبہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صناعیٔ عظیم کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے چند پیغمبران علیہم السلام کے ساتھ بھی انقلابی صناعات کا انتساب کیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

۱۔ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا.[3]

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزكاة، باب الصدقة على ذي قرابة، ۱: ۵۸۷، رقم: ۱۸۳۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۰۳، رقم: ۱۶۰۸۵

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۳: ۲۴۴، رقم: ۸۰۰

(۲) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

(۳) هود، ۱۱: ۳۷

''اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ۔''

۲۔ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا.(۱)

''پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔''

۳۔ وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ.(۲)

''اور نوح (علیہ السلام) کشتی بناتے رہے۔''

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوہے کی صنعت کو منسوب کرتے ہوئے فرمایا:

۴۔ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ○ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ.(۳)

''اور ہم نے اُن (داؤد علیہ السلام) کے لئے لوہا نرم کر دیا○ (اور ارشاد فرمایا) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کو ملحوظ رکھو۔''

۵۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ج فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ○(۴)

''اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تاکہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکرگزار ہو؟○''

۶۔ حضرت ذوالقرنین کی دھات سازی کا ذکر یوں فرمایا:

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ط حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ط

---

(۱) المؤمنون، ۲۳: ۲۷

(۲) ھود، ۱۱: ۳۸

(۳) سباء، ۳۴: ۱۰۔ ۱۱

(۴) الانبیاء، ۲۱: ۸۰

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡهِ قِطۡرًا○ (۱)

’’تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے (وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی) دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کر دی تو کہنے لگا (اب آگ لگا کر اسے) دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس (لوہے) کو (دھونک دھونک کر) آگ بنا ڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ (اب) میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا○‘‘

محولہ بالا قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ سے صنعت گری میں درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تیار کردہ کشتی اس زمانے کی زبردست ایجاد تھی اور اہلِ دنیا کے سامنے فنِ کشتی سازی میں ایک نیا اور اچھوتا شاہکار تھی، یہی صنعت آج ترقی کر کے چھوٹی بڑی کشتیاں، بحری جہاز، آبدوزوں اور بحری بیڑوں کی تیاری میں تبدیل ہو گئی ہے۔

۲۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی آہن گری اور زرہ بکتر سازی فن سپاہ گری سے متعلق آلاتِ حرب کی صناعی و تیاری میں نت نئی ایجادات کے نتیجے میں سامنے آئیں۔ توپ، بندوق، ٹینک، بکتر بند اور بے شمار جنگی ہتھیار بنائے گئے اور ان میں روز افزوں نئی نئی ایجادات سے روشناس کرایا جا رہا ہے۔ اسی طرح جدید آئرن انڈسٹری بھی معرضِ وجود میں آئی۔

۳۔ حضرت ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الکہف موجود ہے۔ تمام واقعہ پڑھ کر جہاں حضرت ذوالقرنین کے بارے میں دیگر معلومات حاصل ہوتی ہیں وہاں ان کے علم المعاون اور دھات سازی (Metalurgy) کا بھی پتہ چلتا

(۱) الکہف، ۱۸: ۹۶

ہے کہ جب آپ نے لوہے کے ٹکڑوں کا گرم کروا کر ان پر پگھلا ہوا تانبہ ڈالنے کا ذکر فرمایا جس سے یاجوج ماجوج سے بچاؤ کے لیے بنائی گئی آہنی دیوار اور مضبوط کی گئی تھی۔ دھاتوں کو دوسری دھاتوں کے ساتھ ملا کر آج مختلف alloys تیار کی جاتی ہیں جو عام دھاتوں کی نسبت زیادہ مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں۔

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غیر اقوام کی مفید صنعتیں سیکھنے پر اجماع رہا۔ جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا خندق کھودنے کا مشورہ کشادہ دلی سے قبول فرمایا۔ اسی طرح آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غیر مسلم اقوام کے آلاتِ حرب کو اپنانے میں کسی تامل اور تعصب سے کام نہیں لیا۔ مختلف غزوات کے اموالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے دبابے اور منجنیقیں (جنہیں رومی آلاتِ حرب بتایا جاتا ہے) جب حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو آپ ﷺ نے ان کو مختلف اسلامی جنگوں میں استعمال کروایا۔ سب سے پہلا دبابہ (ٹینک) جو اسلام میں بنایا گیا تھا یہ وہی دبابہ (ٹینک) تھا جو طائف میں استعمال کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ الکتانی (۱۳۰۵۔ ۱۳۸۲ھ) لکھتے ہیں:

۱۔ **أوّل دبابة صنعت في الإسلام دبابة صنعت على الطائف حين حاصرها رسول الله ﷺ.** (۱)

''اسلام میں سب سے پہلا ٹینک جو بنایا گیا وہی ٹینک تھا جو اس وقت بنایا گیا تھا جب حضور نبی اکرم ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔''

اسی طرح طائف کے محاصرے میں منجنیق کو بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے استعمال فرمایا تھا۔ الکتانی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ) لکھتے ہیں:

(۱) كتاني، التراتيب الإدارية، ۱: ۳۷۵

۲۔ أوّل من رمی بالمنجنيق رسول الله ﷺ أهل الطائف دخل نفر من أصحاب رسول الله ﷺ تحت دبابة ثم رجعوا بها إلی جدار الطائف ليحرقوه.(۱)

’’سب سے پہلے منجنیق کو حضور نبی اکرم ﷺ نے طائف والوں کے خلاف استعمال فرمایا (صورت یوں ہوئی) کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چند صحابی رضی اللہ عنہم ایک ٹینک میں داخل ہو کر طائف کی فصیل (دیوار) تک پہنچے تاکہ اس (کے دروازے) کو آگ لگا دیں۔‘‘

بعد ازاں صنعت و حرفت کے شعبے میں نئی نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں نے فنِ تعمیر میں گراں قدر ترقی کی۔ مساجد کی تعمیر میں محراب، منبر، گنبد، جنگی مقاصد کے لیے خندقیں (Trenches) اور پناہ گاہیں (Shelters) وغیرہ مسلمانوں کی محنتِ شاقہ اور صنعت گری میں اعلیٰ مثالوں کی آئینہ دار ہیں۔ اسپین کا الحمراء پیلیس (Alhamra palace)، مسجد قرطبہ، مصر کے ڈیم وغیرہ اسلامی طرزِ تعمیر (Islamic Architecture) کی عمدہ مثالیں ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے Morish Architecture میں فنی مہارت حاصل کی جس کے نمونے آج بھی اسلامی تاریخی عمارات میں ملتے ہیں۔ عہدِ خلافت راشدہ ہو یا بنو امیہ و عباسی حکومت مسلمانوں نے ہر دور میں صنعت و حرفت میں بے مثال ترقی کی۔ سرامک انڈسٹری، سیمنٹ کی صنعت، شیشہ سازی، چمڑے کی صنعت، ظروف سازی، پارچہ بانی (Textile) غرض صنعت کے ہر شعبہ میں مسلمانوں نے نہ صرف گراں قدر مہارت حاصل کی بلکہ اسے ترقی کی اعلیٰ منازل سے ہمکنار بھی کیا۔

صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی دلچسپی کا سلسلہ جاری رہا۔ سلاطینِ دہلی اور مغل بادشاہوں نے قلعے، مساجد، باغات بنوائے جن میں اعلیٰ درجے کی صناعی، پچی کاری، رنگوں

(۱) كتاني، التراتيب الإدارية، ۱: ۳۷۵

کی آمیزش اور فنِ تعمیر کے اعلیٰ اور حیران کن اصول اپنی مثال آپ ہیں۔ دورِ جدید میں بھی مسلم ممالک میں کثیر المنزلہ عمارتیں، پلازے، جدید فرنشڈ گھر، کارپیٹڈ سڑکیں، بحری و ہوائی جہازوں کی تیاری، آبی ذخائر کے لیے ڈیم، آٹو موبائیلز، ٹیکسٹائل، کھاد و دیگر مشینری اور دیوہیکل کارخانوں وغیرہ کا وجود ان کے صنعت و حرفت سے گہرے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

صنعت و حرفت کی ضرورت و اہمیت

عصرِ حاضر کے امیر اور ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی ترقی کا زیادہ تر سہرا صنعتی ترقی کے سر ہے۔ گویا ان ممالک کی ترقی و خوشحالی میں صنعتی ترقی کا زیادہ رول ہے۔ نہ صرف مغربی ممالک بلکہ وہ شاندار ترقی جو تائیوان، کوریا، جاپان، ہانگ کانگ اور ملائیشیا وغیرہ میں ہوئی ہے۔ اس کو صنعتی ترقی کی مرہون منت قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ حقیقت بین الاقوامی سچائی (Universal Truth) بن کر سامنے آئی ہے کہ کسی بھی ملک کی صنعتی ترقی اس کی معاشی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ گویا اسے معاشی خوشحالی کی کنجی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

صنعت و حرفت کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل حقائق سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جو ملک (خصوصی طور پر ترقی پذیر یا کم ترقی یافتہ) صنعتی ترقی میں دلچسپی لے گا وہاں درج ذیل مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہوجائیں گے:

۱۔ معاشی استحکام کا آغاز (Begining of Economic Development)

۲۔ برآمدات میں اضافہ (Increase in Exports)

۳۔ قومی آمدنی میں اضافہ (Increase in National Income)

۴۔ روزگار میں اضافہ (Increase in Employment)

۵۔ زرعی ترقی (Agricultural Development)

۶۔ دیگر شعبہ جات میں ترقی (Development in other Sectors)

۷۔ بچتوں اور سرمایہ کاری میں اضافہ

(Increase in Savings and Investments)

۸۔ حکومت کی آمدنی میں اضافہ (Increase in Govt. Revenues)

۹۔ ادائیگیوں کے توازن میں بہتری

(Improvement in Balance of Payments)

۱۰۔ تقسیم کار اور تخصیصِ کار کی حوصلہ افزائی

(Encouragement of Speacilization and Division of Work)

۱۱۔ ملک دفاعی لحاظ سے مضبوط (Surety of Country's Defence)

۱۲۔ عوام کے اندازِ فکر میں مثبت تبدیلی

(Positive Change in People's Out-look)

۱۳۔ سماجی برائیوں میں کمی (Decrease in Social Evils)

۱۴۔ ملک میں امن و امان

(Peace, Salvation and Security in the Country)

۱۵۔ زرِ مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ (Increase in Foreign Reserves)

۱۶۔ غیر ملکی قرضوں سے نجات (Relief from Foreign Debts)

۱۷۔ زرعی صنعت کاری میں ترقی (Boosting of Agro-based Industry)

لمحۂ فکریہ

اس میں شک نہیں کہ صنعتی ترقی سے مذکورہ بالا فوائد و ثمرات ملتے ہیں لیکن دورِ جدید میں کچھ ماہرین معاشیات نے چند خدشات کا بھی اظہار کیا ہے۔ ان کے مطابق معاشی ترقی کے اس دور میں صنعتی ترقی کا کردار کچھ زیادہ سود مند نہیں رہا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے روز گار کے مواقع کم ہوئے ہیں جہاں بیس آدمی کام کرتے تھے اب ایک یا دو آدمی مشین کو بآسانی چلا کر اتنا یا اس سے زیادہ کام کر لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں دولت کی تقسیم میں ناہمواری آئی ہے، علاقائی اور طبقاتی کشمکش میں اضافہ ہوا ہے، دیہاتی شعبہ نظر انداز ہوتا جا رہا ہے، گاؤں سے شہروں کی طرف نقل مکانی (Migration) میں اضافہ اور شہروں میں معاشی دوہرا پن پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماحول کی آلودگی میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ جس نے عوام الناس کی صحت پر برے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیئے ہیں، ماحول کی آلودگی، مشینوں کے شور اور فاضل ملبہ کی وجہ سے نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ مزدوروں کا استحصال، کم شرح اجرت، صحت و رہائش پر عدم توجہ اور محنت کش طبقہ کی معاشی پسماندگی عام ہے، صنعتی تنازعات کی بھرمار ہے اور مادیت پسندی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

ان ماہرینِ معاشیات کے تجزیئے کے مطابق کم ترقی یافتہ ممالک میں صرف اور صرف صنعتی ترقی کی طرف توجہ دینا مناسب نہیں بلکہ حقیقی معاشی ترقی کے حصول کے لیے ان ممالک کو اپنے صنعتی اور زرعی شعبوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنا پڑے گا تاکہ ان میں سے کوئی شعبہ بھی افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔

محنت کش اور لیبر پالیسی

یوں تو ہر شعبۂ زندگی میں لوگ کام کرتے ہیں جہاں انہیں ان کے پیشے (Profession)، مہارت (Experties)، عہدہ (Status)، وغیرہ سے موسوم یا پہچانا

جاتا ہے۔ لیکن زراعت یا صنعت میں یہ محنت کش طبقہ کہلاتا ہے۔ انہی شعبوں میں نسبتاً ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم مزدور اور لیبر پالیسی پر تفصیل سے بحث کریں گے اور اسلامی افکار کے تحت قرآن وسنت کی روشنی میں موضوع کی وضاحت کریں گے تاکہ اس ضمن میں حقیقی علم کا ادراک ممکن ہو سکے۔

لیبر پالیسی (Labour Policy)

اردو میں لیبر (Labour) کا مترادف لفظ ''محنت'' ہے۔ عرفِ عام اور علمی دنیا دونوں میں افراد کی اس جسمانی یا دماغی کاوش، جس کے بدلے میں انہیں روپیہ پیسہ ملتا ہے، کو محنت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

محنت کی اقسام

محنت کی دو بڑی اقسام ہیں:

۱۔ جسمانی محنت (Physical Labour)

۲۔ دماغی محنت (Mental Exercise)

مزدور، کسان، لوہار، کارپینٹر وغیرہ جسمانی محنت کر کے روپیہ کماتے ہیں جبکہ وکیل، پروفیسر، ڈاکٹر اور کلرک وغیرہ ذہنی کام کر کے تنخواہ یا مشاہرہ کی شکل میں روپیہ پیسہ حاصل کرتے ہیں۔

دورِ جدید کا المیہ

وسائل پیداوار (Factors of Production) میں محنت (Labour) بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن جدید معیشت دانوں نے اسے محدود کر دیا ہے اور اسے حصولِ زر کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ معاشرہ میں دماغی کام کرنے والوں (ڈاکٹر، پروفیسر، سرکاری افسر وغیرہ) کو ان کے عہدوں اور گریڈز کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جبکہ مزدور، ترکھان، موچی، نائی، دھوبی وغیرہ کو کم تر سمجھا جاتا ہے۔ ان کا معیار و مقام ان کے پیشوں کی وجہ سے متعین کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی دوسروں کی طرح معاشی جدوجہد (Economic Activity) میں حصہ لے رہے ہوتے ہیں۔ یہ سوچ غیر اسلامی

ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

اسلامی تصورِ محنت (Islamic Concept of Labour)

اسلامی نظریۂ محنت جدا گانہ حیثیت کا حامل ہے سب سے پہلے اسلام فرد کے معاشی جدوجہد میں حصہ لینے پر بھرپور زور دیتا ہے۔ پھر پیشوں کے انتخاب میں (سوائے شرعی طور پر ممنوع) کوئی پابندی نہیں لگاتا اور ہر وہ شخص جو شرعی حدود میں رہ کر محنت کرتا ہے اس کو اس کے پیشے کی وجہ سے ذلیل (Degrade) نہیں کرتا۔

۱۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○ (۱)

’’اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ کی رو سے انسانوں کا مقصدِ تخلیق اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ اسلام میں عبادت کا مفہوم بڑا وسیع ہے چنانچہ معاشی میدان میں خواہ جسمانی محنت ہو یا ذہنی کاوش، اگر وہ یہ جد و جہد احکامِ خداوندی اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات کے مطابق کرتے ہیں تو یہ بھی عبادت شمار ہوگی۔ محنت میں ایمانداری، سچائی اور احساسِ ذمہ داری نہ صرف حصولِ مال کا ذریعہ اور معاشرہ میں عزت و تکریم کا باعث ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بھی ہوگا اور آخرت میں اجر و ثواب ملنے کی ضمانت بھی۔

۲۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْاۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ○ (۲)

(۱) الذاریات، ۵۱: ۵۶

(۲) الاحقاف، ۴۶: ۱۹

”اور سب کے لئے ان (نیک و بد) اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے (جنت و دوزخ میں الگ الگ) درجات مقرر ہیں تا کہ (اللہ) ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گاo“

اس طرح اسلام کا تصورِ محنت نہایت جامع، خوش کن اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے اور معاشی و معاشرتی فوائد فراہم کرتا ہے۔

اسلام میں محنت کی فضیلت (Dignity of Labour in Islam)

اسلام محنت اور محنت کشی کو سراہتے ہوئے محنت کشوں اور مزدوروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پیدائشِ دولت کے عوامل میں زمین، سرمایہ اور مزدور اہم ہوتے ہیں۔ مزدور کی اسی اہمیت کے تحت اس کے کام یعنی محنت کی بڑی قدر کرتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے محنت کی عظمت کو درج ذیل انداز سے اجاگر کیا جا سکتا ہے:

(۱) قرآن مجید اور محنت

محنت کا مقام اور محنت کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیo (۱)

”اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اللہ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o“

۲۔ معاشی جدوجہد کر کے دنیا سے اپنا حصہ لینا ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَکَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْکَ وَلَا

(۱) النجم، ۵۳: ۳۹

تَبۡغِ الۡفَسَادَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ○[۱]

''اور دنیا سے (بھی) اپنا حصہ نہ بھول اور تو (لوگوں سے ویسا ہی) احسان کر جیسا احسان اللہ نے تجھ سے فرمایا ہے اور ملک میں (ظلم، ارتکاز اور استحصال کی صورت میں) فساد انگیزی (کی راہیں) تلاش نہ کر، بیشک اللہ فساد بپا کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا○''

۳۔ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ نعمتوں اور سامانِ معیشت سب انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ لہٰذا ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ ان کے حصول اور ان سے مستفید ہونے کے لئے بھرپور کوشش کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَقَدَّرَ فِیۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ ○[۲]

''اور اس میں (جملہ مخلوق کے لئے) غذائیں (اور سامانِ معیشت) مقرر فرمائے (یہ سب کچھ اس نے) چار دنوں (یعنی چار ارتقائی زمانوں) میں مکمل کیا، (یہ سارا رِزق اصلاً) تمام طلب گاروں (اور حاجت مندوں) کے لئے برابر ہے○''

۴۔ حلال طریقوں سے کسبِ معاش کو اللہ کے فضل کے مترادف کہا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِیۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○[۳]

''پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (یعنی

(۱) القصص، ۲۸: ۷۷

(۲) حم السجدة، ۴۱: ۱۰

(۳) الجمعة، ۶۲: ۱۰

رزق) تلاش کرنے لگو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤo‘‘

۵۔ کسبِ معاش میں نقل مکانی اور سفر کرنا رزقِ حلال کی طلب میں سعی کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ آخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.[1]

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

۶۔ طلبِ معاش اور اس کے حصول کے لئے جدجہد کرنا اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اللہ ﷻ کا شکر بجا لانا مستحسن ہے کیونکہ اللہ رب العزت ہی نے اسے کسبِ معاش کی توفیق بخشی۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَo[2]

’’پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجا لایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گےo‘‘

(۲) اَحادیثِ رسول اللہ ﷺ اور محنت

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقوال، افعال اور اسوۂ حسنہ سے محنت اور محنت کشی کی ستائش فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں ان میں سے چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ خير الكسب كسب العامل إذا نصح.[3]

(۱) المزمل، ۷۳: ۲۰

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۱۷

(۳) ۱۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰ ←

’’بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ کام خلوص اور خیر خواہی سے کرے۔‘‘

۲۔ التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء.[1]

’’سچا امانت دار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔‘‘

۳۔ اطلبوا الرزق في خبايا الأرض.[2]

’’رزق کو زمین کے پوشیدہ سرمائے میں تلاش کرو۔‘‘

۴۔ طلب الحلال فريضة بعد الفريضة.[3]

’’رزق حلال کی تلاش فرض عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے۔‘‘

۵۔ ما أكل أحد طعامًا قط خيرًا من أن يأكل من عمل يديه وإن نبی الله داود عليه السلام كان يأكل من عمل يديه.[4]

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱، رقم: ۶۲۱۳

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في التجار وتسمية النبي صلى الله عليه وآله وسلم إياهم، ۳: ۵۱۵، رقم: ۱۲۰۹

۲۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۳۹

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۷، رقم: ۲۱۴۲

(۲) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۷، رقم: ۴۳۸۴

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۴، رقم: ۸۹۵

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۷

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۰: ۷۴، رقم: ۹۹۹۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۸، رقم: ۱۱۴۷۵

(۴) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله ←

’’کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے اللہ کے نبی حضرت داوٗد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا کرتے تھے۔‘‘

۶۔ لأن یأخذ أحدکم حبله فیأتي بحزمة الحطب علی ظهره فیبیعها فیکف اللہ بها وجهه خیر له من أن یسأل الناس أعطوه أو منعوه.[۱]

’’تم میں سے کوئی ایک رسی سے بندھا ہوا لکڑی کا گٹھا اپنی پشت پر اٹھا کر لائے اور اس کو فروخت کرے تو اللہ نے اس کے چہرے کو اس (مانگنے کی ذلت) سے روک لیا۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔ وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔‘‘

۷۔ إن من الذّنوب ذنوبًا لا یکفرها إلا الهم في طلب المعیشة.[۲]

’’بعض گناہ ایسے ہیں جن کو سوائے فکرِ طلبِ معیشت کے اور کوئی چیز دور نہیں کرتی ہے۔‘‘

...... بیده، ۲: ۷۳۰، رقم: ۱۹۶۶

۲۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۲۰: ۲۶۷، رقم: ۶۳۱

۳۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۲۷، رقم: ۱۱۴۷۱

(۱) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الزکاة، باب الاستعفاف عن المسألة، ۲: ۵۳۵، رقم: ۱۴۰۲

۲۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۲: ۴۲۵، رقم: ۱۰۶۷۷

(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۳۸، رقم: ۱۰۲

۲۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۲: ۲۹۱

۸۔ ما كسب الرجل كسبًا أطيب من عمل يده وما أنفق الرجل على نفسه وأهله وولده وخادمه فهو صدقة.(۱)

’’آدمی کی اس سے بہتر کوئی کمائی نہیں کہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھائے وہ جو کچھ اپنی ذات، اپنے اہلِ خانہ، اپنی اولاد اور اپنے خادم پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔‘‘

۹۔ آپ ﷺ نے بھیک مانگنے کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا:

ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة ليس في وجهه مزعة لحم.(۲)

’’تم میں سے وہ آدمی (جو بلا ضرورت مانگنے والا ہے) ہمیشہ مانگتا رہے گا حتی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔‘‘

۱۰۔ من أمسى كالاً من عمل يده أمسى مغفور له.(۳)

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب الحث على المكاسب، ۲: ۷۲۳، رقم: ۲۱۳۸

۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۳۳، رقم: ۲۶۰۲

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب من سأل الناس تكثرًا، ۲: ۵۳۶، رقم: ۱۴۰۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة للناس، ۲: ۷۲۰، رقم: ۱۰۴۰

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۸۹، رقم: ۷۵۲۰

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۳، رقم: ۶۲۳۸

’’جس نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ مزدوری کرتے ہوئے تھک کر شام کی تو اس کی شام بخشش کے ساتھ ہوئی۔‘‘

۱۱۔ إن أطيب ما أكلتم من كسبكم.(۱)

’’بے شک سب سے پاکیزہ (رزق) جو تم کھاتے ہو وہ تمہارے ہاتھ کی کمائی ہے۔‘‘

۱۲۔ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

إن أشرف الكسب كسب الرجل من يده.(۲)

’’بے شک کسی بھی شخص کے لئے بہترین کمائی وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کماتا ہے۔‘‘

۱۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله يحب المؤمن المحترف.(۳)

’’بے شک اللہ محنت کرنے والے مؤمن کو محبوب رکھتا ہے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام زندگی محنت و مشقت اور سعیٔ پیہم کا بہترین نمونہ

(۱) ۱۔ابن ماجه، السنن، كتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ۲: ۷۶۸، رقم: ۲۲۹۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۷۹، رقم: ۶۶۷۸

(۲) هندي، كنز العمال، ۴: ۹، رقم: ۹۲۳۴

(۳) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸: ۳۸۰، رقم: ۸۹۳۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۸۸، رقم: ۱۲۳۷
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۲، رقم: ۶۲۳۱

پیش کرتی ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے:

- بچپن میں بکریاں چرائیں۔
- بعثت سے پہلے تجارت کی۔
- بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔
- ہجرت کرنے کے بعد مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر میں حصہ لیا۔
- آپ ﷺ غزوہ خندق میں خندق کھودنے میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوئے۔
- آپ ﷺ اپنے ہاتھوں سے کپڑوں کو پیوند لگا لیتے تھے۔
- آپ ﷺ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے تھے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام اور محنت

قرآن مجید میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات پر تحقیق و تجسس سے جو امور سامنے آتے ہیں ان میں محنت، سعی اور کوشش واضح طور پر نمایاں ہے۔ مثلاً:

- حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔
- حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام جانتے تھے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کشتی بنائی۔
- حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کا کام کرتے تھے۔ آپ لوہے سے زرہیں اور دیگر آلاتِ حرب بنایا کرتے تھے۔
- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجرت پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی بکریاں چرائیں۔
- حضرت ادریس علیہ السلام کپڑا بنتے تھے۔

- حضرت زکریا علیہ السلام کپڑے سیتے تھے۔
- حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام راج گری کا کام جانتے تھے۔ آپ باپ بیٹا نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی۔
- حضرت یعقوب علیہ السلام نے دس سال تک بکریاں چرائیں۔

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور محنت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم اور عمل کو اپناتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی بھی محنت کرنے سے جی نہیں چرایا۔ انہوں نے چھوٹے سے چھوٹے پیشے کو بھی اپنانے میں کوئی عار نہ سمجھی اور اپنے عمل سے امت پر یہ ثابت کر دیا کہ انسان کی عزت و ذلت اس کے پیشہ میں نہیں بلکہ اس کی معاشی جدوجہد میں مضمر ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں:

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود محنت و مشقت سے کبھی جی نہ چرایا۔ خلیفہ بننے کے بعد بھی آپ کپڑوں کی گٹھڑی اپنی پیٹھ پر لاد کر مدینہ کے گرد و نواح میں کپڑا بیچتے تھے۔ آپ اہلِ محلّہ کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، ہمسایوں کے مویشی چراتے اور ان کا دودھ دوھا کرتے تھے۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے۔
- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شادی کے بعد ولیمہ کی تیاری کے لئے جنگل سے گھاس لا کر فروخت کی۔
- دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا تمام کام خود کرتی تھیں۔
- حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ کے بازار میں کاروبار کرتے تھے۔
- حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک محنت کش تھے جو کھڈی پر کپڑا بن کر کسبِ معاش کرتے تھے۔

- حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ لوہے کا کام کرتے تھے۔
- حضرت یاسر رضی اللہ عنہ لکڑی کا کام کرتے تھے۔
- حضرت سعد رضی اللہ عنہ مدینہ میں آہن گری کا کام کرتے تھے۔ ہتھوڑا چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ سیاہ اور کھردرے ہوگئے تھے۔ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصافحہ کرتے ہوئے یہ بات محسوس کی تو وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے عرض کیا کہ اپنے اہل وعیال کے لئے روزی کماتا ہوں اس لئے ہاتھوں کا یہ حال ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا:

هذه يد لا تمسها النار ابدًا. [1]

''یہی وہ ہاتھ ہے جسے (جہنم کی) آگ کبھی بھی نہیں چھوئے گی۔''

(۵) بزرگانِ دین اور محنت

مسلم علماء، فقہاء، مفسرین، محدثین اور دیگر صاحبِ علم ہستیوں نے بھی محنت کو شعار بنایا اور محنت کرنے میں کبھی عار محسوس نہ کی۔ مثلاً:

- امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سوت کا کام کرتے تھے۔
- ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ جوتا ساز تھے آپ پینٹر کا کام بھی کرتے تھے۔
- علامہ الحناط رحمۃ اللہ علیہ درزی تھے۔
- البزار رحمۃ اللہ علیہ کپڑا بیچا کرتے تھے۔
- علامہ الخیام رحمۃ اللہ علیہ خیمے سیتے اور خیموں کا کاروبار کرتے تھے۔
- علامہ الخباز رحمۃ اللہ علیہ روٹیاں پکاتے تھے۔

(۱) ابن اثیر، أسد الغابة في معرفة الصحابة، ۲: ۴۲۰

- علامہ زیات رحمۃ اللہ علیہ تیل بیچا کرتے تھے۔
- امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ ہانڈیاں بناتے تھے۔ یعنی کمہار کا کام کرتے تھے۔
- امام قفال رحمۃ اللہ علیہ تالے بناتے اور فروخت کرتے تھے۔
- امام صفار رحمۃ اللہ علیہ برتن فروش تھے۔
- امام صیدلانی رحمۃ اللہ علیہ عطر فروش تھے۔
- امام دقاق رحمۃ اللہ علیہ آٹا بیچتے تھے۔
- امام صابونی رحمۃ اللہ علیہ صابن سازی اور اس کی فروخت کرتے تھے۔
- امام نعالی رحمۃ اللہ علیہ جوتا فروش تھے۔
- امام بقالی رحمۃ اللہ علیہ سبزی فروش تھے۔
- امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کا کام کرتے تھے۔
- امام احمد بن عمر بن مہیر رحمۃ اللہ علیہ موچی تھے۔
- مشہور مسلمان حکمران اورنگ زیب عالمگیر ٹوپیاں سی کر اور قرآن کریم کی کتابت کر کے اپنی روزی کماتا تھا۔

آج بھی بہت سے مسلم مفکرین اور علماء و فاضلین اپنے ناموں کے ساتھ اپنے پیشے کو لکھنا عار نہیں سمجھتے۔ مثلاً مشہور کتاب ’’**مباحث فی علوم القرآن**‘‘ کے مصنف ’’مناع القطان‘‘ ہیں اور قطان روئی دھننے والے کو کہتے ہیں۔ پروفیسر محمود مزدرعہ ایک مصری سکالر ہیں اور مزدرعہ کھیتی باڑی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ’’**تیسیر مصطلح الحدیث**‘‘ کے مصنف ’’ڈاکٹر محمود الطحان‘‘ ہیں اور طحان پسائی کا کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس طرح کی اور بے شمار مثالیں عصرِ حاضر سے دی جا سکتی ہیں۔

محنت کے بنیادی ارکان

محنت کے اساسی عوامل، عناصر یا ارکان یہ ہیں:

۱۔ آجر (Entrepreneur)

۲۔ اجیر (Labourer)

۳۔ اجرت (Wage)

۱۔ آجر (Entrepreneur)

آجر وہ شخص ہوتا ہے جو کسی سے اجرت پر کام لے رہا ہو اسے مستاجر بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ اجیر (Labourer)

اجیر سے مراد مزدور یعنی جس سے اجرت پر کام لیا جائے۔

۳۔ اجرت (Wage)

یہ وہ معاوضہ ہے جو اجیر اپنی جسمانی یا ذہنی کاوش کے صلہ میں وصول کرتا ہے۔ اسے حقِ خدمت، مشاہرہ یا تنخواہ بھی کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ان تینوں سے متعلق تفصیلی بحث پیش کی جاتی ہے:

آجر اور اجیر کا رشتہ

اسلام آفاقی اور ہمہ جہت ہدایات و تعلیمات کا مرقع ہے۔ یہ قدر و منزلت، مقام و مرتبہ، عز و شرف اور عظمتِ انسان سے بخوبی واقف ہے۔ اسی لئے یہ آجر اور اجیر کے ملاپ اور ان کے رویہ و عمل کی بنیاد ''اخوت'' پر رکھتا ہے یعنی آجر اور اجیر ایک دوسرے

کو اپنا بھائی تصور کریں۔ یہ وہ جذبہ ہوگا جو جھگڑا و فساد کی بیخ کنی کرے گا اور زیادہ بہتر طریقے سے تکمیلِ کام کا ضامن ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إخوانكم خولكم جعلهم الله تحت أيديكم.(١)

’’تمہارے ہاتھ کے نیچے کام کرنے والے تمہارے بھائی ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔‘‘

حدیثِ مبارکہ میں واضح طور پر آجر اور اجیر کو رشتۂ اخوت استوار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ آجر کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس نے اجرت کے تحت اجیر کی خدمت حاصل کی ہے یہ نہیں کہ مزدور ہی کو خرید لیا ہے۔ اب اس سے جس طرح چاہے کام لے۔ چنانچہ کسی بھی کج خیالی سے بچنے کے لئے اسلام نے آجر اور اجیر کے حقوق و فرائض بیان کر دیئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

آجر کے لئے ہدایات

۱۔ آجر اجیر کو اپنا بھائی سمجھے اور ہر معاملہ میں حتی المقدور اس کے ساتھ تعاون کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ولا تكلّفوهم ما يغلبهم فإن كلّفتموهم فأعينوهم.(٢)

(١) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا يكفر صاحبها بارتكابها إلا بالشرك، ١: ٢٠، رقم: ٣٠
٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب سنان المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه، ٣: ١٢٨٢، رقم: ١٦٦١

(٢) ١۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا يكفر صاحبها بارتكابها إلا بالشرك، ١: ٢٠، رقم: ٣٠
٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب سنان المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه، ٣: ١٢٨٢، رقم: ١٦٦١

’’اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو ان کو مغلوب کر دے اور اگر ان پر بار ڈالو تو ان کی مدد و اعانت بھی کرو۔‘‘

۲۔ مزدور سے کام کرانے سے پہلے اس کی اجرت طے کر لی جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نصیحت ہے:

إذا استأجرت أجيرًا فأعلمه أجره.[1]

’’جب بھی تم کسی مزدور کو اجرت پر رکھنا چاہو تو اس کو (پہلے ہی سے) اس کی اجرت سے آگاہ کر دو۔‘‘

ایک اور موقع پر فرمایا:

من استأجر أجيرًا فليعلمه أجره.[2]

’’جس شخص نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اسے چاہیے کہ اس کی اجرت پہلے بتائے۔‘‘

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

إن النبي ﷺ نهى عن استئجار الأجير حتى يبين له أجره.[3]

(۱) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب الإيمان والنذور، باب الثالث من الشروط فيه المزارعة والوثائق، ۷: ۳۱، رقم: ۳۸۵۷
۲۔ أبو حنيفه، المسند، ۱: ۹۰
(۲) ۱۔ أبو حنيفه، المسند، ۱: ۸۹
۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۴: ۳۶۶، رقم: ۲۱۱۰۹
۳۔ بيهقى، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۱
(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۵۹، رقم: ۱۱۵۸۲
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۲
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۷، رقم: ۶۴۵۴

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی بھی مزدور سے مزدوری لینے سے منع فرمایا حتی کہ اس کو اجرت بتا دی جائے۔‘‘

اجرت کا تعین صرف معاشی اصول ’’طلب و رسد کی کمی بیشی‘‘ پر نہ کیا جائے بلکہ اجرت عادلانہ (Equitable) نظام پر رکھی جائے یعنی اتنی اجرت ضرور دی جائے کہ مزدور باعزت زندگی گزار سکے۔

۳۔ اجرت کی بروقت ادائیگی کرنا آجر کا فرض ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه. (۱)

’’مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کیا کرو۔‘‘

اجرت کی ادائیگی میں بہت ملال، تاخیر، عدم ادائیگی یا ادائیگی بطور احسان کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

قال الله عزوجل: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة ...... (ومنهم) رجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه أجره. (۲)

’’اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے تین قسم کے انسان ہیں جن سے میں قیامت کے دن

---

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۷، رقم: ۲۴۴۳

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۰، رقم: ۱۱۴۳۴

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، ۲: ۷۹۲، رقم: ۲۱۵۰

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الرهون، باب أجر الأجراء، ۲: ۸۱۶، رقم: ۲۴۴۲

۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۱۲۱، رقم: ۱۱۴۳۷

جھگڑا کروں گا ...... (ان میں سے) ایک وہ شخص ہوگا جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہو مگر اجرت پوری نہ دیتا ہو۔‘‘

ایک اور مقام پر فرمایا:

مطل الغني ظلم. (۱)

’’مالدار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے مالی حقوق کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔‘‘

۴۔ آجر کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ اجیر کی اجرت اس کو خود ادا کر دے، مزدور کو اپنی اجرت مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جس میں آپ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ پانی پلانے کے بعد آپ علیہ السلام ابھی وہیں موجود تھے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی:

اِنَّ اَبِیۡ یَدۡعُوۡکَ لِیَجۡزِیَکَ اَجۡرَ مَا سَقَیۡتَ لَنَا. (۲)

’’اس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو اس (محنت) کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے (بکریوں کو) پانی پلایا ہے۔‘‘

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب مطل الغني ظلم، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم المطل الغني وصحة الحوالة واستحباب قبولها إذا أحيل على ملي، ۳: ۱۱۹۷، رقم: ۱۵۶۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في مطل الغني أنه ظلم، ۳: ۶۰۰، رقم: ۱۳۰۸

(۲) القصص، ۲۸: ۲۵

اس آیتِ کریمہ میں ''یَدْعُوکَ'' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مزدور کو مزدوری خود بلا کر دینی چاہیے تاکہ اسے مانگنے کی حاجت نہ پڑے۔

۵۔ آجر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اجیر سے بقدر استطاعت کام لے۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ولا يكلّف من العمل إلا ما يطيق.(۱)

''اور کام لینے میں اسے اتنی تکلیف نہ دی جائے جو کہ وہ برداشت نہ کر سکے۔''

اسی طرح فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

ولا يكلّفه من العمل ما يغلبه.(۲)

''اور اسے اس کام کی تکلیف نہ دو جو اس سے نہ ہو سکے۔''

۶۔ آجر کو چاہئے کہ وہ مزدور سے حسنِ سلوک سے پیش آیا کرے حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سلسلے میں واضح نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا يدخل الجنة سيّء الملكة.(۳)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب سنان المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه، ۳: ۱۲۸۴، رقم: ۱۶۶۲

۲۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۷۴، رقم: ۶۰۷۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ۵: ۲۲۴۸، رقم: ۵۷۰۳

۲۔ منذري، الترغيب و الترهيب، ۳: ۱۴۹، رقم: ۳۴۴۵

(۳) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في الإحسان إلى الخدم، ۴: ۳۳۴، رقم: ۱۹۴۶

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب الإحسان إلى المماليك، ۲: ←

''اپنے ماتحتوں سے بدخلقی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

ایک اور موقع پر فرمایا:

حسن الملكة نماء وسوء الخلق يشؤم.[(۱)]

''ماتحتوں سے اچھا سلوک برکت کا ذریعہ بنتا ہے اور ان سے بدخلقی بدبختی لاتی ہے۔''

آجر اور اجیر کے باہمی تخاطب کے لئے نصیحت فرمائی:

لا يقل أحدكم أطعم ربّک وضیء ربّک اسق ربّک وليقل سيدي ومولاي ولا يقل أحدكم عبدي أمتي وليقل فتاي وفتاتي وغلامي.[(۲)]

''تم میں سے کوئی بھی (اپنے خادم یا ملازم کو) یہ نہ کہے کہ اپنے آقا کو کھانا کھلاؤ، اپنے آقا کو وضو کراؤ، اپنے آقا کو پانی پلاؤ، بلکہ مزدور یا خادم کو صرف یہ کہنا چاہیئے: میرے سردار۔ اور تم میں سے کوئی یوں بھی نہ کہے: میرے غلام،

------ ۱۲۱۷، رقم: ۳۶۹۱

۳۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۹: ۱۲۴، رقم: ۹۳۱۲

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۲

۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۵: ۱۷، رقم: ۴۴۵۱

۳۔ منذري، الترغيب و الترهيب، ۲: ۱۲، رقم: ۱۳۰۳

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب العتق، باب کراهية التطاول على الرقيق وقوله عبدي أو أمتي، ۲: ۹۰۱، رقم: ۲۴۱۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۶، رقم: ۸۱۸۲

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ٦: ۳۸٦، رقم: ۸٦۱۲

میری لونڈی، بلکہ چاہیے کہ وہ کہے میرے نوجوان ملازم، میری ملازمہ اور میرے بیٹے۔‘‘

۷۔ اجیر کی نادانستہ یا چھوٹی موٹی غلطیوں سے چشم پوشی کرنی چاہیے۔ ہلکی پھلکی حکم عدولی، نافرمانی یا سہواً رویئے پر جھڑکنے، مارنے، یا ذلیل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں آجر کو عفو و درگزر اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس بات کا درس درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے ملتا ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما يقول: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله! كم أعفو عن الخادم؟ فصمت رسول الله ﷺ، ثم قال: يا رسول الله! كم أعفو عن الخادم؟ فقال: كل يوم سبعين مرة. (۱)

’’حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! اپنے ملازم کو میں کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار کی۔ اس نے دوبارہ سوال کیا: یا رسول اللہ! اپنے ملازم کو میں کتنی بار معاف کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے ہر روز ستّر (۷۰) بار معاف کیا کرو۔‘‘

احادیث میں اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے آجر کو اپنے اجیر کے ساتھ کتنا نرم رویہ رکھنے کی تلقین کی ہے۔

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في حقوق المماليك، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۴
۲۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في العفو عن الخادم، ۴: ۳۳۶، رقم: ۱۹۴۹

۸۔ شکست و ریخت یا نقصان کی صورت میں جرمانہ یا تاوان کے مسائل یہ ہیں:

(ا) اگر نقصان غیر ارادی طور پر ہوا ہے تو آجر کوئی جرمانہ یا تاوان وصول کرنے کا حقدار نہیں۔ اس کے علاوہ قدرتی آفت یا کسی اور وجہ سے نقصان ہوا ہو اور اس میں مزدور کا کوئی حصہ، ارادہ، فائدہ یا دلچسپی وغیرہ نہ ہو تب بھی وہ نقصان پورا کرنے یا ہرجانہ دینے سے مبراء ہوگا۔

(ب) لیکن اگر نقصان کرنے کے عمل میں ملوث ہے اور ارادتاً آجر کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ نقصان ادا کرنے کا مستوجب ہوگا۔

۹۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات کے مطابق آجر کو اجیر کی محنت کا صلہ دینا چاہیے جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

أعطوا العامل من عمله. (۱)

"مزدور کو اس کی محنت (کے ثمر) میں سے بھی کچھ دو۔"

مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ کا معنی و مفہوم درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا أتی أحدکم خادمه بطعامه فإن لم یجلسه معه فلیناوله لقمة أو لقمتین أو أکلة أو أکلتین فإنه ولي علاجه. (۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۰، رقم: ۸۵۸۹
۲۔ بخاري، الأدب المفرد: ۷۷، رقم: ۱۹۱
۳۔ ہیثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۸، رقم: ۶۴۵۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب العتق، باب إذا أتاه خادمه بطعامه، ۲: ۹۰۲، رقم: ۲۴۱۸
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأطعمة، باب إذا أتاه خادمه بطعامه فلیناوله معه، ۲: ۱۰۹۴، رقم: ۳۲۸۹

”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے اور وہ اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنے کے لئے بٹھا بھی نہ سکے تو ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک نوالہ یا دو نوالے ہی دے دے کیونکہ اس نے بھی تو اس (کھانے) کو تیار کرنے کے لئے زحمت اٹھائی ہے۔“

اسی طرح اسلام آجر کو اس امر کی بھی ترغیب دیتا ہے کہ وہ مزدور کو اپنے منافع میں بھی شریک کر سکتا ہے۔ یہ شرکت بہتر کام کرنے کے سلسلے میں بذریعہ حوصلہ افزائی اور انعام کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے۔ محولہ بالا حدیثِ مبارکہ میں اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ آجر اگر مزدور کو اس کے کام کی منفعت میں شریک کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے محبت و عزت اور باہمی تعاون کے جذبات پیدا ہوں گے جو آجر، اجیر اور کام کے ضمن میں سود مند ہوں گے۔

۱۰۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے سرمایہ داروں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اپنے ملازموں، مزدوروں اور ماتحتوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھیں، ان کو وہی شفقت و محبت دیں جو اپنی اولاد کو دیتے ہیں اور ان کی عزت و تکریم کا خیال رکھیں آپ ﷺ نے فرمایا:

فأكرموهم ككرامة أولادكم وأطعموهم مما تأكلون.(۱)

”ان کی ایسی عزت افزائی کرو جیسی اپنی اولاد کی کرتے ہو اور انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔“

اَجیر (مزدور) کی ذمہ داریاں

جس طرح اسلام نے آجر کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا ہے اسی طرح اجیر پر

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب الإحسان إلى المماليك، ۲: ۱۲۱۷، رقم: ۳۶۹۱

۲۔ منذري، الترغيب و الترهيب، ۳: ۱۴۹، رقم: ۳۴۴۴

بھی کچھ ذمہ داریاں ڈالی ہیں جن کا احساس کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا اجیر کے فرائضِ منصبی میں سے ہے۔ ذیل میں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ مزدور کو عزت دیتے ہوئے سب سے پہلے اسے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے کام میں مہارت حاصل کرے تاکہ اپنے فرض کے ساتھ پورا پورا انصاف کرسکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

إن الله يحب إذا عمل أحدكم عملاً أن يتقنه.(۱)

’’یقیناً اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی جب کسی کام (پیشہ) کو اپنائے تو اس میں پوری مہارت حاصل کرے۔‘‘

اجیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کام کو کرنے کا ذمہ لیتا ہے اس میں وہ کام کرنے کی صلاحیت اور مہارت بھی رکھتا ہو۔ اس کے برعکس کام سے ناواقف ہو اور پھر بھی کام کرنے کا دعویٰ کرنا سراسر غلط اور بے ایمانی ہے اور یہ دھوکہ دہی اور منافقت کے مترادف ہوگا۔ اس ضمن میں قرآن مجید بھی رہنمائی فرماتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عزیزِ مصر نے اپنا مشیرِ خاص بنانے کا فیصلہ کرلیا تو آپ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں چونکہ زمین سے متعلقہ معاملات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں اور اس میں مہارت رکھتا ہوں اس لئے مجھے اسی کام پر ہی مامور کیا جائے۔ قرآن مجید آپ علیہ السلام کے الفاظ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ○(۲)

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۳۴۹، رقم: ۴۳۸۶
۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱: ۲۷۵، رقم: ۸۹۷
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۹۸، رقم: ۶۴۶۰
(۲) يوسف، ۱۲: ۵۵

''یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: (اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو) مجھے سرزمینِ (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کر دو، بیشک میں (ان کی) خوب حفاظت کرنے والا (اور اقتصادی امور کا) خوب جاننے والا ہوں٥''

۲۔ مزدور کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو کام کر رہا ہے اس کے تعمّل میں لگن، اخلاص، دلجمعی اور نیک نیّتی کا اظہار کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

خير الكسب كسب العامل إذا نصح. (۱)

''بہترین کمائی مزدور کی کمائی ہے بشرطیکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی کے ساتھ کام سرانجام دے۔''

۳۔ مزدور اپنے مالک کے ساتھ امانت اور دیانتداری کا مظاہرہ کرے۔ کام میں انہماک، لگن، دلجمعی اور دلچسپی لازمی ہے۔ تمام اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے سچائی، دیانتداری اور ذمہ داری کو اپنانا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین کی طرف سفر کرنے کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ دورانِ سفر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے ایک نے اپنے والد محترم کو یہ مشورہ دیا:

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ٥ (۲)

(۱) ۱۔ ديلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۲: ۱۸۰، رقم: ۲۹۱۰
۲۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۱: ۳۱۵، رقم: ۱۱۶۱
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۶۱، رقم: ۶۲۱۳

(۲) القصص، ۲۸: ۲۶

’’ان میں سے ایک (لڑکی) نے کہا: اے (میرے) والدِ گرامی! انہیں (اپنے پاس مزدوری) پر رکھ لیں بیشک بہترین شخص جسے آپ مزدوری پر رکھیں وہی ہے جو طاقتور امانتدار ہو (اور یہ اس ذمہ داری کے اہل ہیں)o‘‘

اس آیتِ کریمہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ بہترین اجیر وہ ہے جو قوی ہو اور امانت دار بھی ہو۔ اسلام میں امانت داری کا موضوع بہت وسیع حیثیت کا حامل ہے۔ امانت داری زندگی کے ہر شعبہ میں ضروری ہے۔ جو اس کو چھوڑتا ہے یا حیلوں اور بہانوں سے اس سے اجتناب کرتا ہے وہ گمراہی کی راہ پر ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من استعملناه علی عمل فرزقناه رزقًا فما أخذ بعد ذلک فهو غلول.(۱)

’’جس کسی کو ہم کسی کام کے لئے مقررہ تنخواہ (اجرت) پر متعین کریں اور وہ اپنی اجرت سے زیادہ (کسی بھی ذریعہ سے) لے گا تو وہ غبن ہوگا۔‘‘

اسی طرح کسی اجیر کو یہ روا نہیں کہ وہ بلا کسی حقیقی یا شرعی عذر کے کام کو ادھورا چھوڑ دے یا معاہدہ کے بعد اس میں غلو کرے اور بلا وجہ مشاہرہ، مزدوری یا اجرت میں اضافہ کا مطالبہ کرنا شروع کر دے اور اگر مطالبہ پورا نہ ہو تو کام چھوڑ کر بھاگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَo(۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في أرزاق العمال، ۳: ۱۳۴، رقم: ۲۹۴۳

۲۔ حاکم، المستدرك علی الصحيحين، ۱: ۵۶۳، رقم: ۱۴۷۲

۳۔ بيهقي، السنن الکبری، ۶: ۳۵۵، رقم: ۱۲۷۹۹

(۲) الانفال، ۸: ۲۷

’’اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (ﷺ) سے (ان کے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب حقیقت) جانتے ہوo‘‘

۴۔ مزدور کے لئے ضروری ہے کہ وہ مالک کے ساتھ کئے گئے معاہدہ اور وعدہ کی پاسداری کرے اور اپنی ذمہ داری کام ختم ہونے تک نبھائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (۱)

’’اے ایمان والو! (اپنے) عہد پورے کرو۔‘‘

۵۔ اسلام کی عظیم تعلیمات میں امدادِ باہمی اور تعاون بھی شامل ہیں۔ یہ اصول آپس میں محبت و الفت اور یگانگت کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (۲)

’’اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔‘‘

اس آیتِ کریمہ کے تحت ایک دوسرے کا فائدہ اور بھلائی سوچنا اور اس ضمن میں عملی اقدامات کرنے کا سبق ملتا ہے۔ اس طرح کے اقدامات میں انجمن سازی (Unionism) کا تصور بھی ملتا ہے۔ یعنی مشترکہ بھلائی اور مفاد کے سلسلے میں نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اجتماعی انداز میں بھی عامۃ الناس کے لئے کام کیا جائے۔ چنانچہ معاشی میدان میں تجارتی انجمن (Trade Unions) بنائی جا سکتی ہیں۔ اسلام ایسی انجمنیں بنانے کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب بھی دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

تری المؤمنین في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد

(۱) المائدة، ۵: ۱

(۲) المائدة، ۵: ۲

إذا اشتكى عضوًا تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى.(1)

”تم مؤمنوں کو ان کے آپس میں رحم کرنے، آپس میں محبت کرنے اور آپس میں لطف و احسان کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھو گے جس کے کسی ایک عضو کو جب کبھی تکلیف ہوتی ہے اور سارا جسم بیداری اور تکلیف میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔“

محولہ بالا قرآنی آیت اور حدیثِ مبارکہ اس امر کی طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ مزدوروں کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی یونین بنائیں لیکن یہ یونین ذاتی مفاد، سیاسی امور، وسیع استحصال (Mass Persecution) اور اختلاف برائے اختلاف کے مقاصد کی حامل نہ ہو بلکہ مزدوروں کی اجتماعی فلاح و بہبود، ان کے جائز مطالبات کو منوانا، جملہ فطری حقوق کے حصول، معاشی و معاشرتی خوشحالی، بہتر مستقبل اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لئے ہو۔ مزدور یونین کا غلط استعمال خود مزدوروں کے نقصان، معاشی بدحالی، کارخانوں اور ملوں کی تالہ بندی، ہڑتالوں، جھگڑا فساد، لاقانونیت، قتل و غارت، بھوک، بے روزگاری، بیماری، افلاس اور مجموعی طور پر ملکی معیشت کے زوال کا باعث ہو گا۔ ان سب معاشی اور سماجی برائیوں کی اسلام سختی سے مخالفت کرتا ہے اس طرح ان پر تشکیل کی گئی ایسی تمام انجمنوں (Unions) کا شدت سے رد کرتا ہے۔

اُجرت

آجر اور اجیر سے متعلق بحث کے بعد اب اجرت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ اجرت ایک فرد کی جسمانی یا ذہنی کاوش کا صلہ، بدلہ یا دیئے

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، ۴: ۱۹۹۹، رقم: ۲۵۸۶

گئے وقت کا متبادل ہے جو وہ آجر سے عام طور پر زر کی شکل میں وصول کرتا ہے۔

اسلامی نظریہ کے مطابق یہ معاوضہ حاصل کرنا اس کا حق ہے۔ حق از خود کسی نسبت سے جنم لیتا ہے اور یہاں یہ حق استعمال شدہ وقت کے متبادل ہے۔ اس لئے اس کا حصول اور ادائیگی شرعی لحاظ سے ضروری ہے۔

اَقسامِ اُجرت

۱۔ اجرت بلحاظ ضرورت

۲۔ اجرت بلحاظ مہارت ومحنت

۳۔ اجرت بلحاظ کارکردگی

ان تینوں اقسام اجرت میں معاوضہ یا مشاہرہ کے تعین کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ ان تینوں کے جانچنے اور پرکھنے کے معیار جدا جدا ہیں۔ علاوہ ازیں انسانی سوچ کا معیار الگ الگ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات مزدور اپنے حق اور حقیقی معاوضہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

نظریاتِ اُجرت

معیشت دانوں نے اجرت کے مختلف نظریات بیان کئے ہیں جن میں سے اہم حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ نظریہ طلب و رسد (Demand and Supply Theory)

اس نظریہ کے مطابق جس کاروبار میں مزدوروں کی طلب زیادہ ہو گی اور رسد کم ہو گی وہاں ان کی اجرت زیادہ ہو گی ۔ اس کے برعکس اگر مزدور کی طلب کم اور رسد زیادہ ہو گی تو ایسی صورت میں اجرت کی شرح گر جائے گی اور مزدوروں کی اجرت کم ہو جائے

گی۔ یہ دونوں حالتیں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایسی صورتوں میں ناانصافی، خود غرضی، لالچ اور استحصال کے عناصر شامل ہونے کے خطرات ہیں۔

۲۔ مختتم پیداوار کا نظریہ (Marginal Productivity Theory)

اس نظریہ کے تحت مزدور کی اجرت اس اضافہ کے مساوی ہو گی جو پہلے سے موجود بہت سے کارکنوں میں آخری کام کرنے والا مزدور لاتا ہے۔ مثلاً پہلے سے ۲۰ مزدور کام کر رہے ہیں اور وہ آجر کو ۲،۲ ہزار روپیہ کا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ اب اکیسواں مزدور بھرتی کیا جاتا ہے وہ پیداوار میں ۱۰۰ روپے کا اضافہ کرتا ہے چنانچہ ان ۱۰۰ روپوں (جو اس نے اضافہ کیا ہے) کی بنیاد پر اجرت کا تعین کیا جائے گا۔

۳۔ کم از کم اجرت کا نظریہ (Minimum Wage Theory)

کسی ملک میں اربابِ اختیار مزدور کی کم سے کم اجرت کا قانون پاس کر کے اسے نافذ العمل کر دیتے ہیں۔ اس نظریہ کی رو سے اس مقرر شدہ اجرت سے زیادہ یا کم اجرت کی وصولی یا ادائیگی غیر قانونی ہو گی۔

۴۔ کارل مارکس (م ۱۸۸۳ء) کا نظریہ اجرت

(Karl Marx's Wage Theory)

مزدوروں کی اجرت کے تعین کے معاملہ میں ایک اہم فلسفہ اشتراکیت یا اشتمالیت کا فلسفہ ہے جس کا بانی اور مؤسس کارل مارکس (Karl Marx) ہے۔ کارل مارکس کا فلسفہ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ جدلیات پر مبنی خالص حکیمانہ مباحث

۲۔ خالص معاشی نظریات یعنی طبقاتی جنگ اور قدرِ زائد کا نظریہ

۳۔ تاریخی مادیت

کارل مارکس (Karl Marx) نے مزدور کی اجرت کا تعین کرنے کے باب میں تاریخ کا تجزیہ معاشی اور طبقاتی کشمکش کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ اس کے مطابق معاشرے میں امیر اور غریب دو عناصر ہمیشہ کارفرما رہے ہیں جن کی باہمی کشمکش سے ہی معاشرے کے حالات تبدیل ہوتے ہیں۔ اس کشمکش کے نتیجے میں سرمایہ دار یا امیر طبقہ ہمیشہ مزدور یا محنت کش طبقے کا استحصال کرتا رہتا ہے جبکہ مزدور یا محنت کش طبقہ اپنے حقوق اور مناسب اجرت نہ ملنے کے سبب سے استحصال کا شکار ہوتا رہا ہے۔ سرمایہ دار محنت کشوں کا استحصال جس طرح کرتے ہیں اس میں بنیادی طور پر قدرِ زائد کا اصول کارفرما ہے جو طبقاتی کشمکش کا باعث ہے۔ قدرِ زائد کا نظریہ کارل مارکس (Karl Marx) کے امتیازات میں شامل ہے۔ یہی وہ نظریہ ہے جس کی بنا پر وہ پست طبقے کو سرمایہ داروں سے ٹکرا جانے کے لیے تیار کرتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ کس طرح سرمایہ داران کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

قدرِ زائد سے مراد یہ ہے کہ سرمایہ دار جو سرمایہ خرچ کر کے کوئی چیز تیار کرتا ہے اس کی قیمت اور بازار میں فروخت ہونے والی قیمت کے درمیان جو فرق ہے اسے قدرِ زائد کہا جاتا ہے۔

کارل مارکس کے مطابق ہر چیز کی پیداوار میں دو چیزیں شامل ہیں:

۱۔ خام مال: جو قدرت کا عطیہ ہے اور مفت میسر ہو جاتا ہے

۲۔ انسانی محنت

چونکہ براہ راست اس سارے عمل میں سرمایہ دار کی طرف سے کوئی contribution نہیں ہے بلکہ اصل کردار قدرت کے مفت عطیات کے میسر ہو جانے کے بعد مزدور کی محنت کا ہے لہٰذا قدرِ زائد میں ایک بڑا حصہ مزدور کو ملنا چاہیے۔ جبکہ ہوتا یہ ہے کہ کارخانے

سے تیار ہونے والی کسی بھی شے کی مارکیٹ یا منڈی میں فروخت ہونے کے بعد اس سے حاصل ہونے والی قیمت جو کارل مارکس کے نزدیک قدرِ زائد ہوتی ہے، مزدور کا حق ہے۔ اس کا بہت کم حصہ مزدور کے حوالے کیا جاتا ہے جبکہ اس کا بڑا حصہ سرمایہ دار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امیر، امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

کارل مارکس (Karl Marx) اس مسئلے کا حل یہ بتاتا ہے کہ سرمایہ دار سے اختیارات لے کر بتدریج مزدوروں یا محنت کشوں میں منتقل کر دیئے جائیں اور اس طرح مزدور ایک اجتماعی یا اشتراکی معاشرے کو تشکیل دیں جس میں سرمایہ جو کہ استحصال کی بنیاد ہے اس کا کوئی وجود نہ ہو بلکہ قدرِ زائد (Surplus Value) پر کلی اختیار مزدور کا ہی ہو۔

جہاں تک اس نظریئے کی تاریخی اہمیت کا تعلق ہے اس حوالے سے یہ نظریہ بہت اہم ہے کہ یہ معاشی نظریات کے باب میں ایک نئے تصور کا اضافہ ہے۔ گو اس کے پسِ منظر میں کارفرما جتنے بھی اشتمالی یا اشتراکی نظریات ہیں وہ پہلے ہی سے متداول یا متعارف تھے۔ کارل مارکس نے صرف ان نظریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی باہمی تنظیم و تشکیل اس طرح کی کہ ایک نیا معاشی نظریہ وجود میں آ گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کارل مارکس کا یہ نظریہ جتنا نظریاتی طور پر پُرکشش ہے اتنا ہی حقیقی طور پر ناقابلِ عمل۔ اہلِ علم نے اس نظریئے تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کئی حوالوں سے اس کو محلِ نظر ٹھہرایا ہے مثلاً کارل مارکس نے اپنے نظریئے کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر رکھی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب جدلیاتی طریقے سے تاریخ آگے بڑھتی ہے تو ہر نیا وجود پہلے وجود سے بہتر ہوتا ہے لیکن تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کارل مارکس کا یہ تصور کلیتًا غلط ہے کیونکہ مغرب میں رومۃ الکبریٰ اور عالمِ اسلام میں بغداد، اسپین اور دہلی میں مسلمانوں کو زوال کے بعد ان مراکز کو اس سے بہتر حالات میسر نہیں آئے۔ اگر تاریخ کا جدلیاتی نظریہ ارتقاء درست ہوتا تو ان تمام مراکز کے زوال کے بعد آنے والے ادوار بہتر ہوتے۔

اسی طرح کارل مارکس (Karl Marx) نے طبقاتی کشمکش کو اپنے نظریئے کی

بنیاد بناتے ہوئے انسانی فطرت میں ایثار وقربانی جیسی اعلیٰ اقدار اور جذبات کو نہ صرف نظر انداز کیا ہے بلکہ انسان کو ایک منفی معاشی اور محض اقتصادی جذبے پر مشتمل ایک ایسی مشین کے پرزہ (Cog of Machine) کے طور پر پیش کر دیا ہے جو انسانی وقار اور اعلیٰ انسانی اقدار جن سے تاریخ بھری پڑی ہے، کے منافی ہے۔

یہی حال کارل مارکس (Karl Marx) کے نظریہ قدرِ زائد کا بھی ہے۔ یہ درست ہے کہ خام مال قدرت کا عطیہ ہے لیکن کوئی بھی خام مال اشیاء کی تیاری تک مکمل طور پر مفت میسر نہیں آتا۔ اسی طرح اگرچہ خام مال اور مزدور کی محنت جنہیں کارل مارکس نے بنیادی عناصرِ تخلیق ٹھہرایا ہے، اہمیت کے حامل ہیں مگر ان کے ساتھ ساتھ وہ اہم کردار جو سرمایہ دار یا منتظم کی طرف سے اشیاء کی تیاری کے لیے ادا کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں قدرت کی طرف سے ملنے والے مفت عطیات اور مزدور کی محنت نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں، ان کو کارل مارکس کے نظریہ قدرِ زائد (Surplus Value) میں کلیتاً نظر انداز کر دیا گیا ہے جو ایک لحاظ سے معاشی سرگرمیوں کی یکطرفہ اور انتہا پسندانہ توضیح و توجیہہ ہے اور اس توضیح وتشریح پر مبنی کوئی بھی نظریہ ایک ایسا معتدل اور عادلانہ معاشرہ قائم کرنے کی بنیاد نہیں بن سکتا جس میں محنت کش یا مزدور کو اس کا حقِ محنت منصفانہ اور عادلانہ بنیادوں پر ادا کیا جا رہا ہو۔

مذکورہ بالا تمام تر نظریات صرف لفاظی کی حد تک ہیں جن میں حد درجہ سقم، افراط وتفریط، ناانصافی، حق تلفی وغیرہ کے عناصر موجود ہیں۔ تاریخ نے واضح کیا ہے کہ عمل کے میدان میں یہ سارے دعوے اور نظریات کاغذات کے پھول اور کھوٹے سکے ثابت ہوئے۔ مزدوروں کی خود مختاری اور آزادی کا نعرہ لگانے والوں نے خود مزدوروں کا استحصال کیا بلکہ ان کا جینا مرنا اجیرن کر دیا۔ آج بھی اشتراکی ممالک میں گاڑیوں میں اونچے نیچے طبقے، فوجی افسران کے خطابات کی تجدید اور تنخواہوں میں تفاوت طبقاتی مساوات کی کھلی نفی کر رہی ہے۔ چنانچہ ان حالات میں اجرت کے ایسے نظریئے کی

ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے جو مذکورہ بالا نقائص سے پاک ہو، حق و صداقت پر مبنی ہو اور مزدوروں کے مسائل حل کرنے کا ضامن ہو۔ اس ضمن میں صرف اسلام ہی وہ نظامِ اجرت پیش کرتا ہے جو فطری اور ہمہ گیر ہونے کی صفات رکھتا ہے، قابلِ عمل اور قابلِ تنفیذ ہونے کے ساتھ ساتھ آجر، اجیر اور اجرت کی حقیقی نشاندہی کرتے ہوئے انسان، خواہ وہ مزدور ہی کیوں نہ ہو، کو سکھ چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور ہر لحاظ سے مضبوط اور حقیقی ہے علاوہ ازیں وہ محنت کشوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی خوشحالی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

۵۔ اسلامی نظریہ اجرت (Islamic Wage Theory)

اسلام اعتدال کا مذہب ہے اس کی تعلیمات الہامی ہونے کے ساتھ ساتھ فطری بھی ہیں۔ اجرت کے تعین کے بارے میں اس کا پیش کردہ نظریہ جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ آجر اور اجیر میں باہمی یگانگت و تعاون کے جذبات پیدا ہوں اور معاملہ کرتے وقت فریقین صرف اپنے فائدہ ہی کا پہلو پیشِ نظر نہ رکھیں بلکہ ایسا رویہ اختیار کریں کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے مدد و معاون اور خیر اندیش ثابت ہوں چنانچہ اسلام اجرت کے ضمن میں ’’عادلانہ اجرت کا نظام (Equitable Wage system)‘‘ روشناس کراتا ہے۔ اس نظام کے تحت مزدور کی اجرت اتنی مقرر کی جائے جو اس کو بنیادی ضروریاتِ زندگی فراہم کر سکے۔ آجر اور اجیر اس حد تک تو برابر ہوں کہ دونوں اپنے اپنے حالات میں رہ کر دو وقت کی روٹی عزت سے کھا سکیں۔ مزدور کی اجرت زندگی کی بنیادی ضرورتیں (خوراک، لباس، رہائش) اس کے معیار کے مطابق فراہم کرنے کی حامل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ سرمایہ دار مزدور کی اجرت کم سے کم کر کے امیر سے امیر تر ہوتا چلا جائے اور محنت کش پر عرصۂ حیات تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جائے۔ یہ صورتحال ملکی معیشت، عوام الناس، معاشی و معاشرتی ترقی، پرسکون ماحول اور امن و آشتی کے لئے سمِ قاتل ثابت ہو گی۔

اِسلامی لیبر پالیسی (Islamic Labour Policy)

اسلامی لیبر پالیسی کے اہم خد و خال حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ انسانی محنت خریدنی جنس نہیں

(Human Labour is not a Purchasable Commodity)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا○[(۱)]

’’اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری (یعنی شہروں اور صحراؤں اور سمندروں اور دریاؤں) میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے انہیں اکثر مخلوقات پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے فضیلت دے کر برتر بنا دیا○‘‘

اس آیتِ کریمہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ عزت و شرف کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ عزت و شرف جامع اور مکمل ہے یعنی اس کا اطلاق انسان کے ہر شعبۂ زندگی پر ہوتا ہے۔ اب اگر ایک مزدور اپنی حاجات یا ضروریات کے تحت مزدوری کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اپنے آپ کو یا اپنی اجرت کو آجر کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے اور نہ ہی آجر کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس نے مزدور کی خدمات لے کر اسے اپنا غلام بنا لیا ہے بلکہ اگر آجر اور اجیر کے درمیان کوئی کام سرانجام دینے کا معاملہ یا معاہدہ ہوا ہے تو وہ ایک دوسرے کے باہمی مفاد (Mutual Interest) اور ضرورت کو پورا کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں کوئی بائع یا مشتری نہیں ہے۔ یہ معاملہ یا معاہدہ برابری، اخوت، باہمی اعتماد و

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

احترام پر مبنی ہے کسی کو نیچا دکھانے، اپنی بڑائی جتانے یا مزور کو dipress کرنے کے لئے نہیں۔ اصل میں یہ اجرت، مشاہرہ یا تنخواہ وغیرہ اس وقت کا بدل یا متبادل ہے جو اجیر (مزدور) کسی اور ذریعہ سے اپنے نان ونفقہ حاصل کرنے میں خرچ کر سکتا تھا۔

۲۔ نفیِ ظلم و نااِنصافی

(Prohibition of Injustice and Inhuman Treatment)

معاملہ بندی میں آجر اس امر کا خیال رکھے کہ اجیر سے اپنی ضرورت کو پورا کرانے میں اس کے ساتھ ظلم اور ناانصافی سرزد نہ ہو۔ ظلم اور ناانصافی سے اجتناب کام کے آغاز، درمیان اور اختتام تک جاری رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح محبت اور حسنِ سلوک کے جذبات رکھنا بھی لازمی ہے۔ تھکان کی صورت میں مزدور کو آرام کرنے کی سہولت دینا، بروقت اجرت کی ادائیگی اور ناگہانی حالت میں اس کے ساتھ تعاون کرنا بھی ضروری ہے۔

۳۔ اُجرت کی درجہ بندی اور عادلانہ اجرت

(Categorization of Labour and Honorable Equitable Wages)

عصرِ حاضر میں سرمایہ دار مزدوروں کی رسد میں اضافہ کی وجہ سے کم اجرت ادا کرتا ہے جبکہ دوسری طرف مزدور وسیع پیمانے پر بے روزگاری (Large scale Unemployment) کی وجہ سے کم اجرت پر کام کرنے کے لئے مجبوراً راضی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مزدور سے کام زیادہ لینا اور مشاہرہ کم دینے کا بھی رواج عام ہے۔ بسا اوقات مزدور کو کام پر لگا لیا جاتا ہے اور کام مکمل ہونے پر اپنی مرضی سے اجرت دی جاتی ہے جو اکثر کم ہوتی ہے۔ علاوہ اجرت کی ادائیگی میں من مانی رکاوٹ، تاخیر اور پریشان کن ترکیبیں استعمال کرکے مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اسلامی لیبر پالیسی میں ان تمام امور کا سدباب کیا گیا ہے بلکہ ایسے ہتھکنڈے استعمال کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مطل الغني ظلم.[1]

’’مالدار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے ادائے حق میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔‘‘

متذکرہ بالا تمام استحصالی رویوں اور معاشی برائیوں کی حوصلہ شکنی اور ان کی بیخ کنی کے لئے اسلام عادلانہ اجرت (Equitable wages) کا تصور پیش کرتا ہے جس کے تحت ہر محنت کش کو اتنی اجرت ملے گی جو اس کے گزر اوقات کے لئے کافی ہو۔ یہاں حکومتِ وقت کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ ان امور میں نگرانی کرے اور ایسے قوانین بنائے جو محنت و اجرت میں توازن پیدا کریں تاکہ ملک میں معاشی ترقی و خوشحالی ہو اور محنت کش طبقہ بھی امن وسکون کی زندگی بسر کر سکے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اقدامات مستحسن ہوں گے:

- ملوں اور کاروبار کے منافع میں مزدوروں کا حصہ
- سالانہ ایک یا دو بونس
- بہتر کارکردگی پر انعام واکرام
- محنت کش کی کفالت (ہر شعبۂ زندگی میں مثلاً صحت، رہائش، تعلیم اور اکتسابِ ہنر وغیرہ)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب مطل الغني ظلم، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم المطل الغني وصحة الحوالة واستحباب قبولها إذا أحيل على ملي، ۳: ۱۱۹۷، رقم: ۱۵۶۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في مطل الغني أنه ظلم، ۳: ۶۰۰، رقم: ۱۳۰۸

۴۔ جبری مشقت کی نفی (Prohibition of Forced Labour)

قرآن مجید کی تعلیمات و ہدایات آفاقی ہیں۔ اس کے راہنما اصول زندگی کے تمام شعبہ جات پر محیط ہیں۔ معاشرتی و معاشی اعتبار سے بھی ’’جبر‘‘ کو ناپسند کیا گیا ہے چنانچہ عورتوں، بچوں اور محتاجوں (Destitutes) وغیرہ سے ان کی استطاعت سے زیادہ کام لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا یُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (۱)

’’اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔‘‘

گویا اللہ ﷻ کی سنت ہے کہ وہ کسی پر اس کی مقدور بھر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس آیتِ کریمہ میں بھی انسانوں کی توجہ اسی امر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ بھی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے جبراً یا ان کی استطاعت سے زیادہ مشقت نہ لیں اگر ہو سکے تو اس امر سے کلیتًا اعراض کیا جائے۔ اسی ضمن میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

۱۔ **ولا تکلّفوهم ما یغلبهم.** (۲)

’’اور ان پر اتنا کام نہ لادو جو ان کو مغلوب کر دے۔‘‘

صحابہ کرام ﷺ نے بھی اسی طرزِ عمل کو اپنائے رکھا اور اسی کی تعلیم دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

۲۔ **لا تکلّفوا الأمة غیر ذات الصنعة الکسب ...... ولا تکلّفوا**

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۶

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب الإیمان، باب المعاصي من أمر الجاهلیة ولا یکفر صاحبها بارتکابها إلا بالشرک، ۱: ۲۰، رقم: ۳۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سنان المملوک مما یأکل وإلباسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۱۶۶۱

الصغير الكسب.(۱)

’’جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو...... اور نہ ہی چھوٹے بچے کو کام پر مجبور کرو۔‘‘

پس ضروری ہے کہ مزدور کو زیادہ کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا اس کے حقوق کی پامالی اور ظلم و استحصال کے مترادف ہوگا۔

۵۔ اضافی محنت پر اضافی اجرت

(Extra Wage For Extra Labour)

جس طرح مزدور سے جبر و اکراہ کے ساتھ کام لینے کی نفی کی گئی اسی طرح اضافی کام کے لئے اضافی اجرت دینے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ معاہدہ کرتے وقت کام کی خاص مقدار طے کی گئی تھی اب اگر کسی وجہ سے کام بڑھ گیا ہے تو اس کی اضافی اجرت ادا کرنا لازمی ہے۔ اس ضمن میں اضافی وقت (Over Time) لگانے کی اجرت ادا کرنے میں موسمی حالات وغیرہ کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔

۶۔ اضافی حقوق کی ادائیگی (Provision of Fringe Facilities)

اسلامی لیبر پالیسی میں حقِ محنت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ اضافی حقوق کی ادائیگی بھی لازمی قرار دی گئی مثلاً پنشن (Pension)، بڑھاپے میں دی جانے والی سہولتیں (Old Age Benefits)، وفات کے بعد متاثرہ خاندان کی مدد (After Death Benefits)، قرضِ حسنہ (Interst Free Loans)، ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد طبی سہولتیں (Medical Facilities) اور پنشن میں گاہے بگاہے اضافہ

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستئذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

(Increase in Pension) قابلِ ذکر امور ہیں۔

۷۔ سرمایہ، ہنر اور محنت میں توازن

(Balance in capital, Skill and Labour)

عاملینِ پیدائش میں سرمایہ، ہنر اور محنت اہم حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں سرمایہ بہت اونچا اور مضبوط درجہ رکھتا ہے، ہنر کا درجہ بہت نیچے ہے مگر قدرے قابلِ قبول ہے جبکہ محنت کو محرومی اور ذلت گردانا جاتا ہے۔ دورِ جدید میں مکر وفریب کی چالوں سے محنت کو حد درجہ ذلیل (Degrade) کیا گیا ہے جبکہ یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اربابِ اختیار، ماہرینِ معاشیات اور منصوبہ بندی کرنے والے مذکورہ بالا عوامل (سرمایہ، ہنر، محنت) میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ایسی کوشش ملک و ملت اور عوام الناس کی خوشحالی و ترقی کی ضامن ہو گی۔

۸۔ عورتوں اور بچوں سے مشقت کی ممانعت

(Prohibition of Women and Child Labour)

بچے کسی بھی قوم کے مستقبل کا سرمایہ ہوتے ہیں اور خواتین معاشرہ کا ناقابلِ فراموش حصہ ہوتی ہیں۔ ان کی اچھی تعلیم و تربیت اچھے مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ اکثر بچے، خاص طور پر گاؤں دیہات میں، سکول نہیں بھیجے جاتے اور کسی چھوٹے موٹے کام پر لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کی تنخواہ یا دیہاڑی سے گھر کے خرچ میں مدد مل سکے۔ یہ سب وقتی طور پر کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے لیکن مستقبل میں اس کے منفی نتائج سامنے آتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا فقدان ان میں احساسِ کمتری پیدا کرتا ہے۔ بہتر ماحول، معاشرہ میں باعزت مقام اور محبت نہ ملنے کی وجہ سے ان میں معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ سگریٹ نوشی، بد کلامی، خودغرضی، پیسے کی ہوس، غم و غصہ کے جذبات اور بڑے ہو کر سرمایہ دار سے مخالفت، دشمنی اور بدلہ لینے کی خواہشات ان کے کردار کو تباہ کر

دیتی ہیں۔ یہ تمام برائیاں اکثر ان سے بچپن میں مزدوری کرانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا بچوں سے محنت و مزدوری کروانے کو ممنوع قرار دینا اور ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا قوم و ملت کے لئے ضروری ہے۔

ایسا ہی کچھ حال خواتین سے مزدوری کروانے سے ہوتا ہے۔ کام پر جانے کی وجہ سے اکثر اوقات خواتین اپنے بچوں پر توجہ نہیں دے پاتیں جس کے منفی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا تكلّفوا الأمة غير ذات الصنعة الكسب فإنكم متى كلّفتموها ذلك كسبت بفرجها ولا تكلّفوا الصغير الكسب فإنه إذا لم يجد سرق وعفوا إذ أعفكم الله وعليكم من المطاعم بما طاب منها. (۱)

’’جو لونڈی کوئی ہنر نہ جانتی ہو اس کو کمائی پر مجبور مت کرو جب تم اس کو مجبور کرو گے تو وہ اپنی شرمگاہ کے ذریعے کمائے گی اور چھوٹے بچے کو کام پر مجبور نہ کرو جب وہ (کام) نہیں پائے گا تو چوری کرے گا، تم ان پر (محنت کو) معاف کر دو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے معاف کی ہے اور اپنے لئے پاکیزہ و حلال روزی کو لازم کر لو۔‘‘

۹۔ محنت کشوں کا اخلاقی اور قانونی استحقاق

(Ethical and Legal Rights of The Labourers)

قرآن مجید کی بے شمار آیات محنت کشوں کے اخلاقی و قانونی حقوق کی ادائیگی کی دعوت دیتی ہیں۔

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الاستئذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك، ۲: ۹۸۱، رقم: ۱۷۷۱

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۳۷۹، رقم: ۸۵۹۱

(۱) اخلاقی استحقاق

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ.[۱]

’’تم ہرگز نیکی کو نہیں پہنچ سکو گے جب تک تم (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو۔‘‘

۲۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ یَسۡئَلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ط قُلِ الۡعَفۡوَ.[۲]

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

ایسی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مزدور تک اس کا حق پہنچایا جائے یعنی اس کی مزدوری کی بروقت ادائیگی اس کا استحقاق ہے۔ دینی تعلیمات کے تحت یہ حق ادا کرنا اخلاقی فرض ہے جو کہ ہر آجر پر عائد ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث میں مزدور کے اخلاقی استحقاق کا کثرت کے ساتھ بیان موجود ہے۔ جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

(۲) قانونی استحقاق

جہاں تک محنت کش کے قانونی استحقاق کا تعلق ہے اس کے لئے اسلام میں

(۱) آل عمران، ۳: ۹۲

(۲) البقرۃ، ۲: ۲۱۹

واضح قانون سازی کی گئی ہے جس کی تفصیل و تشریح قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ مثلاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ وَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[(۱)]

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○''

۱۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ○ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○[(۲)]

''اور وہ (ایثار کیش) لوگ جن کے اَموال میں حصہ مقرر ہے○ مانگنے والے اور نہ مانگنے والے محتاج کا○''

یہ فرمانِ خداوندی واضح طور پر بیان کر رہے ہیں کہ مالدار کے مال میں مزدور کا حصہ ہوتا ہے جو قانونی استحقاق کی غمازی کرتا ہے جسے بجا لانا آجر پر قانونی فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

من أحيا أرضاً ميتة فهي له.[(۳)]

''جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کے لیے ہے۔''

اس طرح مزدور کے قانونی استحقاق کی واضح نشاندہی ہو جاتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر ہر مقام پر اسلامی تعلیمات کے تحت محنت کشوں کے اخلاقی اور قانونی حقوق کا خیال رکھا جائے جو حقیقت، عقل و دانش، انصاف اور صداقت پر مبنی ہیں۔ اس ضمن میں

(۱) الذاريات، ۵۱: ۱۹

(۲) المعارج، ۷۰: ۲۴، ۲۵

(۳) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في إحياء الموات، ۳: ۱۷۸، رقم: ۳۰۷۳

۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۳: ۴۰۵، رقم: ۵۷۶۱

درج ذیل اقدامات مستحسن ہوں گے:

ا) رعایتی قیمتوں پر اشیائے خوردنی و دیگر ضروری اشیائے صَرف فراہم کرنے کے لئے خصوصی سٹورز کا قیام۔

ب) سستی رہائش کی فراہمی یا ادارے کی طرف سے مفت رہائش کی سہولت۔

ج) مزدور طبقہ کے معیارِ زندگی کو بہتر کرنے اور ان کی غربت کے خاتمہ (Elimination of Poverty) کے لئے غور وفکر اور عملی اقدامات کرنا۔

د) ورکرز سیکورٹی منسٹری (وزارت برائے تحفظِ مزدوراں، Labour Security Ministry) کا قیام۔

ر) مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کا انتظام وانصرام۔

س) صحت کے مراکز، ہسپتال اور ان میں ادویات کی فراہمی۔

بابِ دہم

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ○

(الحج، ۲۲: ۴۱)

اِسلامی معاشی نظام کی تنفیذ

کوئی بھی تصور، نظریہ یا اصول اگر تنفیذ کے عمل سے قاصر ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اسلام کا خاصہ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی ہدایت، اصول وضوابط یا احکام پیش کرتا ہے تو اس کے تنفیذی یا اطلاقی پہلو (Applied side) کو نظر انداز نہیں کرتا۔ معاشی میدان میں بھی اس کا رویہ یہی ہے۔

اِسلامی معاشی تصورات قانونی شکل میں موجود ہیں

اسلامی فلاحی ریاست میں قرآن وسنت کی روشنی میں قائم معاشی و اقتصادی نظام کا لازمی نتیجہ معاشرے کے ہر فرد کی فلاح و بہبود اور ضروری کفالت کو یقینی بنانا ہے۔ دورِ رسالت مآب ﷺ اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں اس کی عملی تعبیر کا یہ عالم تھا کہ جب اہلِ خیر صدقات و خیرات کی تقسیم کے لیے معاشرے میں مستحق افراد تلاش کرتے تو انہیں کوئی ایسا فرد نہ ملتا جسے وہ صدقات وخیرات کا مال دے سکیں۔ معاشرے میں معاشی و اقتصادی خوشحالی کا یہ مثالی نظارہ دراصل اسلام کے نظامِ معیشت کے عملی نفاذ کی برکت تھا۔ تاہم یہ نکتہ قابلِ تذکرہ ہے کہ ایسی صورتحال صرف چند قوانین جو زکوٰۃ وعشر وغیرہ سے متعلق ہیں، ہی کے نفاذ سے حاصل نہیں ہوگئی تھی بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تربیت کے زیرِ اثر مسلم معاشرے میں ایسا قرآنی معاشی کلچر فروغ پایا جس میں کسی فرد کا محروم المعیشت رہنا ممکن ہی نہ تھا۔ حضور ختمی المرتبت ﷺ کے اندازِ تربیت اور شریعتِ اسلامیہ کا منشا یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے اندر اطاعتِ حق اور رضائے الٰہی کی طلب کا داعیہ پیدا کیا جائے جو انہیں بغیر کسی خارجی عمل کے اطاعت پر مائل کرے اور قانون صرف اس وقت مداخلت کرے جب احکامِ الٰہی کی تعمیل تعطل کا شکار ہو۔ آپ ﷺ کی تربیت کے زیرِ اثر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کا اندازِ حیات یہ تھا کہ وہ قرآنی آیات کے نزول اور احکامِ شرعی سے آگاہی کے ساتھ ہی خود ان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے اور جب تک وہ بتمام و کمال ان احکام کی تعمیل نہ کر لیتے اس وقت تک انہیں آرام اور سکون نہ ملتا۔ تعمیلِ احکام کا داعیہ ہر وقت ان کے باطن میں اس حد تک بیدار رہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی اس مقصد کے لئے سخت احکام صادر فرمانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی اور نہ ان کے معاملات میں اطاعت کے حوالے سے حکومتی سطح پر کسی خاص مداخلت کی نوبت آتی۔ چونکہ تربیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غایت اور مقصد پورا ہو رہا تھا اس کے لئے سخت قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جس دور میں نفلی نیکیوں کی مواظبت اور مداومت میں اتنا اہتمام ہوتا ہو وہاں فرائض اور واجبات کے ترک کا امکان کس طرح پیدا ہو سکتا تھا؟

لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ اقدار و روایات بدل گئیں۔ قومی زندگی کے اخلاقی، روحانی اور مذہبی شعبہ جات میں جو زوال آیا اس نے عامۃ الناس کو فرائض و واجبات کا ہی تارک بنا دیا۔ لوگ عزیمت کی بجائے رخصت کی راہ کو ترجیح دینے لگے۔ جب فرائض و واجبات پر عمل ہی عنقا ہوا تو سنن و مستحبات پر عمل صرف کتابوں میں تذکرے کی حد تک رہ گیا۔ وہ تمام اعمال جو عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہمیں نظر آتے ہیں، ایک مثالی اسلامی معاشرے کی ثقافتی ہیئت کا لازمی عنصر تھے۔ ان اعمال کی اس اساسی اہمیت کے پیشِ نظر انہیں محض نفلی یا استحبابی نہیں سمجھا جا سکتا۔ مگر عصرِ حاضر کے مسلمانوں نے انہیں نفلی و استحبابی اعمال گردانتے ہوئے ان پر عمل درآمد کو اہمیت دینا کم کر دیا۔ اندریں حالات ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے ایسے احکام کو وجوب و لزوم کا درجہ دیئے بغیر محض ترغیب و تحریص کے انداز میں ان کی تبلیغ کرنا گویا فی الواقع لوگوں کو ان احکام پر صریحاً عمل نہ کرنے کی اجازت اور رخصت دینا ہے۔ جب پوری تبلیغی مساعی کے باوجود فرائض ادا نہ ہو رہے ہوں تو نفلی تعلیمات سے زندگی میں کیسے تبدیلی لائی جا سکتی ہے؟ چونکہ مذکورہ بالا احکام پر عمل درآمد خود عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہدِ صحابہ

کرام ﷡ میں وجوب ولزوم کے انداز میں ہوتا رہا ہے جیسا کہ کئی احادیث و روایات (جن کا آگے تذکرہ آ رہا ہے) اس پر شاہد ہیں اور کبھی یہ سوال نہیں اٹھا کہ فلاں حکم نفلی اور اضافی ہے اسے اس قدر اہتمام سے کیوں نافذ کیا جا رہا ہے تو دورِ حاضر میں بھی ان احکام کی تنفیذی حیثیت پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان وجوبی ونفلی کی نظری و فقہی تقسیم (Theoretical Division) کی بجائے ان کی عملی تقسیم (Practical Division) ہونی چاہیے جس کا نمونہ ہمیں اسوۂ رسول ﷺ اور اسوۂ صحابہ ﷡ میں صاف طور پر نظر آتا ہے۔ تب ہی قرآن وسنت کے جملہ احکام پر عمل درآمد کی راہ ہموار ہو سکے گی چنانچہ ائمہ اسلام نے اس امر کی تائید کی ہے۔ علامہ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وفرض علی الأغنیاء من أهل کل بلد أن یقوموا بفقرائهم ویجبرهم السلطان علی ذلک إن لم تقم الزکوات بهم ولا في سائر أموال المسلمین بهم. فیقام لهم بما یأکلون من القوت الذي لابد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک وبمسکن یکنهم من المطر والصیف والشمس وعیون المارة.(۱)

’’اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مالِ فَیٔ (اور بیت المال کی آمدنی) ان غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (حاکمِ وقت) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ) ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، سردی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔‘‘

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

اسلامی معیشت کو حقیقی بنیادوں پر استوار کرنے اور دولت کے ارتکاز و احتکار کو گردش و انتفاعِ عامہ میں بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ درج ذیل نوعیت کے عملی اقدامات کئے جائیں:

۱۔ ایجابی و امتناعی اقدامات

۲۔ اقتصادی قوانین کا نفاذ

۱۔ اِیجابی و اِمتناعی اقدامات

ذیل میں ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں:

ا) اِیجابی اقدامات

ان سے مراد ایسے اقدامات ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۱) انفرادی اور اجتماعی سطح پر اقتصاد کا حکم

اس کے متعلق ارشاد ہے:

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا.[۱]

’’کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو۔‘‘

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ.[۲]

’’اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ○ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔‘‘

---

(۱) الاعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

الاقتصاد في النفقة نصف المعيشة. (۱)

''(آمدن و صرف میں) میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواری کا نصف حصہ ہے۔''

(۲) کفالتِ عامہ کے نظام کا اجراء

لفظ کفالت ذمہ داری، ضمانت، بار اٹھانا کے معانی میں اردو اور عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے اولوا الامر حضرات کو کفالتِ عامہ کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور اس سے صرفِ نظر کرنے والوں کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ مثلاً:

من ولاه الله ﷻ شيئًا من أمر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم احتجب الله عنه دون حاجته وخلته وفقره. (۲)

''جسے اللہ ﷻ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا ہے اور وہ ان کی ضروریات اور فقر سے بے پرواہ ہو کر بیٹھا رہا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور فقر سے بے نیاز ہو جائے گا۔''

---

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۷: ۲۵، رقم: ۶۷۴۴
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۲۵۴، رقم: ۶۵۶۸
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۰
۴۔ مناوي، فيض القدير، ۳: ۱۸۷
۵۔ عجلوني، كشف الخفاء، ۱: ۱۷۹، رقم: ۴۷۶

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فيما يلزم الإمام من الأمر الرعية والحجبة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲: ۳۳۱، رقم: ۸۳۲
۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

(۳) مال خرچ کرنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ.[۱]

''اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔''

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ.[۲]

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔''

احادیث نبوی ﷺ میں بھی مال خرچ کرنے کی تاکید ملتی ہے مثلاً:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال رسول الله ﷺ: إن الله قال لي: أنفق أنفق عليک وقال رسول الله ﷺ: يمين الله ملآى لا يغيضها سحاء الليل والنهار. أ رأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض فإنه لم يغض ما في يمينه.[۳]

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۷

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الزکاة، باب الحث على النفقة وتبشير المنفق بالخلف، ۲: ۶۹۱، رقم: ۹۹۳

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب التفسير، باب قوله وکان عرشه على الماء، ۴: ۱۷۲۴، رقم: ۴۴۰۷

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: خرچ کر تجھ پر (بھی) خرچ کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور دن رات کی فیاضی سے اس میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے کتنی فیاضی کی ہے لیکن اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔''

ب) امتناعی اقدامات

اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کے تحت ذرائع معیشت کے باب میں ہر سطح پر ایسے اقدامات کی نفی کی گئی ہے جو فاسد معیشت کے فروغ کا باعث بنتے ہیں۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح معاشی معاملات کے شعبہ کی اساس و بنیاد بھی عدل و انصاف کو قرار دیا گیا ہے۔ اکتسابِ دولت کے لئے صرف حلال ذرائع کی اجازت دی گئی ہے اور حرام ذرائع معاش کلیتًا ممنوع قرار دیئے گئے ہیں تاکہ معاشرے میں استحصال کا دروازہ ہی نہ کھلنے پائے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ناجائز اور حرام ذرائع معیشت کے انسداد کے لئے درج ذیل تدابیر بروئے کار لانے کا حکم دیا گیا ہے:

(۱) حرمتِ سود کا حکم

ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا. (۱)

''اور اللہ نے تجارت (سوداگری) کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔''

۲۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۵

اَثِیۡمٍ○(۱)

''اور اللہ سود کو مٹاتا ہے (یعنی سودی مال سے برکت کو ختم کرتا ہے) اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی صدقہ کے ذریعے مال کی برکت کو زیادہ کرتا ہے)، اور اللہ کسی بھی ناسپاس نافرمان کو پسند نہیں کرتا○''

(۲) شراب اور جوئے سے اجتناب کا حکم

اسلام کا نظامِ معیشت شراب، جوئے اور اس قبیل کے دیگر ذرائع معیشت سے منع کرتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ.(۲)

''بیشک شراب اور جوا اور (عبادت کے لئے) نصب کئے گئے بُت اور (قسمت معلوم کرنے کے لئے) فال کے تیر (سب) ناپاک شیطانی کام ہیں۔ سو تم ان سے (کلیتًا) پرہیز کرو۔''

(۳) ناپ تول میں کمی کی ممانعت

اسلامی ریاست میں جملہ ذرائع معیشت عدل و انصاف کے اصولوں پر استوار ہوتے ہیں۔ ذرائع معیشت کی ہر صورت جو کسی بھی نوعیت کی بددیانتی اور دھوکہ دہی سے عبارت ہو، اسلام اس کی نفی کرتا ہے:

۱۔ وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ○ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ○ وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ○(۳)

(۱) البقرة، ۲: ۲۷۶

(۲) المائدة، ۵: ۹۰

(۳) المطففین، ۸۳: ۱۔۳

’’بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ٥ یہ لوگ جب (دوسرے) لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو (ان سے) پورا لیتے ہیں ٥ اور جب انہیں (خود) ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں ٥‘‘

۲۔ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ٥ (۱)

’’اور سیدھی ترازو سے تولا کرو ٥‘‘

۳۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ٥ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ٥ (۲)

’’تاکہ تم تولنے میں بے اعتدالی نہ کرو ٥ اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو اور تول کو کم نہ کرو ٥‘‘

(۴) دھوکہ دہی اور ظلم کی ممانعت

اسلام ہر اس ذریعہ معاش کا دروازہ بند کرنے کا حکم دیتا ہے جو معاشرے میں استحصالی بنیادوں پر حصولِ رزق کی طرف لے جاتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. (۳)

’’اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضا مندی سے کوئی تجارت ہو۔‘‘

(۱) الشعراء، ۲۶: ۱۸۲

(۲) الرحمٰن، ۵۵: ۸، ۹

(۳) النساء، ۴: ۲۹

(۵) اسراف اور بخل کی ممانعت

اسراف وتبذیر سے منع کرتے ہوئے اللہ ﷻ نے فرمایا:

۱۔ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ج اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ؀ (۱)

''کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بیشک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ؀''

۲۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ؀ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ. (۲)

''اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ ؀ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

بخل کے بارے میں فرمایا:

۳۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ؀ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ؀ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؀ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ؀ (۳)

''اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا ؀ اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا ؀ تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحقِ عذاب ٹھہرے) ؀ اور اس کا مال اس کے کسی کام نہیں آئے گا جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا ؀''

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

(۱) الاعراف، ۷: ۳۱

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶، ۲۷

(۳) اللیل، ۹۲: ۸۔۱۱

خصلتان لا تجتمعان في مؤمن: البخل و سوء الخلق.(۱)

’’دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں: بخل اور بد خلقی۔‘‘

نظامِ مصارف کی درجہ بندی

معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر حکمِ اقتصاد کو نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص کے لئے صرفِ مال کی حدود بھی متعین کر دی جائیں اور ’’نظامِ مصارف کی درجہ بندی‘‘ کے ذریعے ہر فرد اور ہر ادارے پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اس کے لئے کس قدر مال خرچ کرنا جائز ہے اور کس قدر ممنوع؟ احکامِ شرعیہ میں فرائض و واجبات، مستحبات اور محرمات و مکروہات وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نظامِ مصارف کو حسبِ ذیل چھ درجات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

مصارف	شرعی حیثیت	حکم
حاجات	فرض	اجازت
ضروریات	واجب	//
تحسینات	مستحب	//
تزئینات	مباح	//
اسرافات	مکروہ	منع
تبذیرات	حرام	//

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في البخیل، ۴:
۳۴۳، رقم: ۱۹۶۲

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۲: ۴۹۰، رقم: ۱۳۲۸

۳۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۱۱، رقم: ۳۱۹

(۱) حاجات (Absolute Needs)

حاجات سے مراد وہ ناگزیر مصارفِ حیات ہیں جن کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ یہ ہر شخص کا بنیادی حق ہیں اور معاشرے کے ہر فرد تک ان کی فراہمی ریاست کا فرض ہے۔ بنیادی طور پر انسانی زندگی کی تین چیزیں حاجات کے زمرے میں آتی ہیں:

۱۔ خوراک (روٹی) ۲۔ لباس (کپڑا) ۳۔ رہائش (مکان)

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ان ضروریات کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے:

ليس لابن آدم حق في سوى هذه الخصال بيت يسكنه وثوب يواري عورته وجلف الخبز.[۱]

''ابن آدم کے لئے سوائے ان امور کے کوئی ضروری حق نہیں، رہنے کے لئے گھر، ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور ضرورت کی روٹی اور پانی۔''

(۲) ضروریات (Necessities)

حاجات کے بعد دوسرا درجہ ضروریات کا ہے۔ انسانی زندگی کی ضروریات وہ اشیاء ہیں جن کے بغیر بھی انسان زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن یہ زندگی انتہائی تکلیف دہ ہوگی۔ اس لئے اگر معاشرے میں ہر فرد کو حاجات میسر آ جائیں تو ریاست کا فرض ہے کہ وہ سب کے لئے بنیادی ضروریات کا بھی بندوبست کرے۔ آج کے دور میں بجلی، پانی، گیس، تعلیم اور صحت وہ بنیادی ضروریات ہیں جن کے بغیر انسانی زندگی بہت سی مصیبتوں اور پریشانیوں

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الزهد، باب ۳۰، ۴: ۵۷۱، رقم: ۲۳۴۱

۲۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۴: ۳۴۷، رقم: ۷۸۶۶

۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۴۶، رقم: ۴۶

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۱۵۷، رقم: ۶۸۰

کا باعث بن جائے گی۔ اس لئے یہ انسانی زندگی میں ''وجوب'' کا درجہ رکھتی ہیں۔

(۳) تسہیلات (Facilities & Amenities)

تسہیلات سے مراد وہ مصارفِ حیات ہیں جو ایک پُرسکون اور پرآسائش زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔ ان سے زندگی میں راحت، سہولت اور آسائش میسر آتی ہیں۔ تسہیلات میں سواری (گاڑی، کار وغیرہ) اور ذرائع و ابلاغ (ریڈیو، ٹی وی وغیرہ) جیسی دیگر اشیاء شامل ہیں۔ اسلامی نظامِ حیات میں ان کو ''مستحب'' کا درجہ حاصل ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص رزقِ حلال سے ان تسہیلات کو حاصل کر سکے تو یہ اس کا حق ہے۔

(۴) تحسینات (Decorations)

یہ ایسے مصارفِ حیات ہیں جو انسانی زندگی میں محض آسائش اور آرائش کا باعث ہوتے ہیں۔ انسان کی بنیادی ضروریات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں لیکن اگر کوئی شخص رزقِ حلال کے دائرہ میں رہتے ہوئے اور اپنے زیرِ کفالت تمام افراد کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تزئینات و تحسینات اختیار کرے تو یہ اس کے لئے ''مباح'' ہے۔

(۵) اسرافات (Luxuries)

تزئینات و تحسینات کے بعد اگلا درجہ تعیّشات و اسرافات کا ہے۔ یہ وہ غیر ضروری مصارفِ حیات ہیں جو آسائش سے بڑھ کر محض تصنّع، نمود و نمائش، بے جا آرائش و زیبائش اور تکلّفات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے میں ایسی چیزوں کو ناپسندیدہ اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مثالیں مختلف سماجی تقریبات کے موقع پر فضول رسمیں اور ان پر بے تحاشہ خرچ ہیں، اسی طرح Status کے نام پر دولت کی بے جا نمود و نمائش بھی اس زمرے میں آتی ہے۔

(۶) تبذیرات (Extravagancies)

تبذیرات سے مراد وہ فضول خرچی، اسراف اور پرتعیّش تقریبات ہیں جو محض غلط طریقوں سے حاصل کی گئی دولت کی نمائش اور عیش پرستی کے اظہار کے لئے منعقد کی جاتی ہیں۔ یہ درحقیقت عام صارف کی ضروریات و حاجات سے زائد وہ فاضل مال ہے جسے آقائے دو جہاں ﷺ سے شرعاً و قانوناً معاشرے کے محروم المعیشت افراد کا حق قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ان کی حق تلفی کرتے ہوئے یہ رقم اپنے تعیّش اور لہو و لعب میں ضائع کر دے تو اس کا یہ عمل ہرگز قابلِ معافی نہیں ہوگا کیونکہ شرعِ مبین نے ایسے عمل کو حرام قرار دیا ہے اور اس کا انسداد اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۲۔ اقتصادی قوانین کا نفاذ

اسلامی نظامِ معیشت کو اس کی اصل روح یعنی دولت کی منصفانہ تقسیم اور گردشِ دولت کو یقینی بنانے کا امر اس بات کا متقاضی ہے کہ اسلامی ریاست میں ایسے قوانین کا اجراء کیا جائے جو متذکرہ بالا اقدار کے قیام کی ضمانت دیں۔ ان قوانین کو دو درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وجوبی درجہ (Obligatory Category)

۲۔ اختیاری درجہ (Voluntary Category)

ا۔ وجوبی درجہ کے قوانین (Obligatory Category)

اس درجہ میں درج ذیل قوانین شامل ہیں:

۱۔ قانونِ زکوٰۃ

۲۔ قانونِ عشر

۳۔ قانونِ وصیت

۴۔ قانونِ وراثت

۵۔ قانونِ غنائم ۶۔ قانونِ وقف

۷۔ قانون کفالتِ عامہ ۸۔ قانونِ مشارکت

۹۔ قانونِ اجرت ۱۰۔ قانونِ بیت المال

۱۱۔ قانون التعویض العائلی ۱۲۔ قانونِ رکاز

۱۳۔ قانون الطّواری ۱۴۔ قانون قرضِ حسنہ

۱۵۔ قانونِ مضاربت ۱۶۔ قانونِ ضرائب

۱۷۔ قانون نذور و کفارات ۱۸۔ قانون الاضاحی والفطر

(۱) قانونِ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے اور قرآن مجید میں نماز کے حکم کے ساتھ اس کا تیس بار ذکر آیا ہے۔ یہ نقدی، مال اور تجارتی سامان پر ۲.۵ فیصد سالانہ کے حساب سے لاگو ہوتی ہے۔ وہ زمین جو بارشوں اور چشموں سے سیراب ہوتی ہے وہاں کی پیداوار میں ۱۰ فیصد اور وہ زمین جو ٹیوب ویلز اور دیگر مصنوعی آلات سے سیراب کی جاتی ہو اُس کی پیداوار پر ۲۰ فیصد کے حساب سے ادا کی جاتی ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب انسانی ضروریات سے زائد مال پر ایک سال کی مدت گزر جائے۔ زکوٰۃ کے نصاب میں رہائشی مکان، استعمال ہونے والے کپڑے، خاندان کے لئے جمع شدہ سامانِ خورد ونوش، ذاتی اسلحہ، سواری، علمی کتابیں جو تجارت کی غرض سے نہ ہوں اور ایسے آلات جن کا انسان روزی کمانے کے لئے محتاج ہوتا ہے جیسے آری، آلاتِ زراعت اور آلاتِ صنعت وحرفت وغیرہ کا شمار نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ میں درج ذیل چیزوں کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جائے:

۱۔ زکوٰۃ کو خاص لوگوں پر خرچ کیا جانا چاہیے جن کا ذکر قرآنِ مجید میں یوں آیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَفِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ فَرِیۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ○(۱)

’’بیشک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کئے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے بوجھ اتارنے میں اور اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے والوں پر) اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ سب اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے○‘‘

۲۔ زکوٰۃ دینا احسان نہیں بلکہ معاشرتی حق ہے اور اس کی وصولی پر حکومت نگران ہو سکتی ہے اور اُس کی سرپرستی میں زکوٰۃ کی تقسیم ہونی چاہیے انفرادی طور پر بھی افرادِ معاشرہ میں اپنی زکوٰۃ کی رقم قرآن و سنت کے اصولوں کے تحت تقسیم کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کی اہمیت قرآن و حدیث میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ○(۲)

’’اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا○‘‘

۳۔ مال کو تقسیم کرنے اور اسے عامۃ الناس تک پہنچانے کے لئے زکوٰۃ اہم ترین ذریعہ ہے۔

(۱) التوبة، ۹: ۶۰

(۲) الذاریات، ۵۱: ۱۹

۴۔ زکوٰۃ لوگوں کے مابین محبت اور اُلفت کو عام کر کے اخلاقی قدریں بحال کرتی ہے۔ امیر اور غریب کا فرق مٹا کر غربت کا خاتمہ کرنے میں مدد گار ہے۔

۵۔ زکوٰۃ ہر شہر میں تقسیم کی جائے اور اگر اُس شہر میں بسنے والوں کی ضروریات سے اضافی ہو جائے تو بیت المال میں بھیج دی جائے تاکہ اُن مستحق لوگوں پر خرچ کی جا سکے جو دوسرے شہروں میں مقیم ہیں۔ اس سے لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہو گا اور ایک ہی وقت میں ملک کے تمام علاقوں میں معاشرتی تعاون کی فضا پیدا ہو گی۔

۶۔ زکوٰۃ کی بیت المال میں خاص حیثیت ہے۔ لہٰذا اسے دوسرے مقاصد کے لئے خرچ نہ کیا جائے بلکہ جن مقاصد کے لئے اسے مختص کیا گیا ہو انہیں مقاصد کے لئے خرچ کیا جائے۔

(۲) قانونِ عشر

عشر زکوٰۃ کی طرح ایک ایسا مقرر حصہ ہے جو زرعی پیداوار پر دینا واجب ہوتا ہے خواہ وہ زرعی پیداوار عرب کی زمین سے حاصل ہو یا غیر عرب مسلمانوں کی زمین سے۔ اسی طرح خواہ وہ مجاہدین اور مالِ غنیمت لینے والوں کے حصے کی زمین سے ہو یا اس بنجر زمین سے جس کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو، اسی طرح خواہ وہ کسی مرنے والے ذمی کی زمین سے ہو یا کسی ایسی زمین سے جس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہو۔ اس طرح کی تمام زمینوں کو ''عشری زمینیں'' کہا جاتا ہے۔

اگر عشری زمین کسی چشمے یا بارشوں سے سیراب کی جائے تو اس صورت میں اس زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور اگر زمین مصنوعی ذرائع آبپاشی (جیسے ٹیوب ویل) یا کنوؤں کے ذریعے سیراب کی جائے تو ایسی زمین کی پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

قرآن مجید میں عشر کے وجوب پر واضح احکامات موجود ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا. [1]

''اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے دن اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔''

احادیث میں عشر کی تفصیل موجود ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فيما سقت السماء والعيون، أو كان عثريا، العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. [2]

''وہ اراضی جو بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے اُس پر دسواں حصہ (عشر) لاگو ہوتا ہے اور جو مصنوعی آلات سے سیراب ہوتی ہے اُس پر بیسواں حصہ (نصف عشر) لاگو ہوتا ہے۔''

یہ حدیث مبارکہ اس بنیادی فرق کی وضاحت کر رہی ہے کہ اگر زمین بغیر کسی واسطے یا بغیر کسی اجرت اور محنت کے سیراب کی جائے تو اس زمین کی پیداوار پر عشر زیادہ ہوگا اور اگر زمین کسی (مصنوعی) ذریعے سے سیراب کی جائے جیسے کنویں کے ذریعے سیراب کرنا یا آلات کے ذریعے جیسے ٹیوب ویلز اور ایسی نہروں کے ذریعے سیراب کرنا جن کا پانی استعمال کرنے پر ٹیکس ادا کرنا پڑے تو اس صورت میں بیسواں حصہ یعنی کم عشر دیا جائے گا۔

---

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۱

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب العشر فيما سقى من ماء السماء وبالماء الجاري، ۲: ۵۴۰، رقم: ۱۴۱۲

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الزكاة، باب ما جاء في الصدقة فيما يسقى بالأنهار وغيره، ۳: ۳۲، رقم: ۶۴۰

(۳) قانونِ وصیت

خیر و بھلائی کے پیشِ نظر اسلام نے انسان کو اپنے ثلث مال (۱/۳) کی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے اور اگر وارثین اسے اس سے زیادہ وصیت کرنے کی اجازت دیں تو وہ زیادہ مال کی وصیت بھی کر سکتا ہے اور اجتہادی مذاہب میں یہ بات واضح ہے کہ غیر وارث رشتہ داروں کے لئے ثلث (۱/۳) کی مقدار وصیت کرنا واجب ہے۔ اسی چیز کے پیشِ نظر شام میں اس کو شخصی قانون بنا کر اسے نافذ کیا گیا ہے۔ اسی طرح مصر میں بھی اسی قانونِ وصیت پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہی قانون وراثت سے محروم یتیم پوتوں کے لئے واجب وصیت کی بنیاد ہے۔

(۴) قانونِ وراثت

اسلام نے جو مختلف قوانین و ضوابط عطا کئے ان میں ایک قانونِ وراثت بھی ہے جو دولت کے اکتناز کی بیخ کنی کرتا ہے۔ دولت کا ایک جگہ جمع ہوتے رہنا اور مستحق افراد میں تقسیم نہ ہونا سرمایہ داری اور اکتناز کی بدترین شکل ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اگر مال و دولت، زمین اور جائیدادیں ورثاء میں تقسیم ہوتی رہیں تو یہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جانے کی بجائے ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار انسانوں کے درمیان تقسیم ہوتی رہے گی اور ان کی نفع بخشی کا باعث بنتی نظر آئے گی۔

اسلام کی آمد سے قبل دوسری اقوام میں سرمایہ داری کا نظام رائج تھا۔ اسلام کے انقلابی پیغام نے دوسری اصلاحات کے ساتھ ساتھ اس میں بھی اصلاح کا فیصلہ کیا اور اس قدیم اقتصادی نظام کو اس کی تباہ کاریوں کے سبب ختم کر کے اس کی جگہ قانونِ وراثت کو جاری کیا۔

اسلام نے جب قانونِ وراثت کا اجراء کیا تو سرمایہ دارانہ معیشت رکھنے والی قوموں نے اس کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر تقسیمِ وراثت کا یہ نظام جاری کر دیا گیا تو

اس سے دولت وثروت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تھوڑے ہی عرصے میں بڑی بڑی جائیدادیں تقسیم ہو کر چند کھیتوں یا یونٹوں کی صورت میں باقی رہ جائیں گی مگر اسلام کا تو منشا ہی یہی ہے کہ سرمایہ داروں کا یہ نظام اس صورت میں باقی نہ رہے اور دولت تقسیم ہونے کی بجائے محض ''کنز'' بن کر چند مخصوص ہاتھوں میں محدود نہ ہو جائے۔ اسلامی معیشت کے اس فلسفہ کو آج رحمت سمجھا جانے لگا ہے اور غیر مسلم اقوام نے بھی اس کو قانونی حیثیت دینے کی کوشش شروع کر دی ہے یہ حقیقت عملاً سامنے آ رہی ہے کہ دولت تقسیم کے لئے ہے جمع کے لئے نہیں۔ اسلام نے اس سلسلے میں تمام اقوام سے الگ سرمایہ داری کے خلاف جہاد کرتے ہوئے قانونِ وراثت کے ذریعے تقسیمِ دولت کی راہ کھول دی، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○(۱)

''مردوں کے لئے اس (مال) میں سے حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے (بھی) ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے۔ وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ (اللہ کا) مقرر کردہ حصہ ہے○''

۲۔ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ ؕ اِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا○(۲)

''تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہیں معلوم نہیں کہ فائدہ پہنچانے میں ان میں سے کون تمہارے قریب تر ہے یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے فریضہ (یعنی

---

(۱) النساء، ۴:۷

(۲) النساء، ۴:۱۱

مقرر) ہے، بیشک اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے ○‘‘

اسی ضمن میں حدیث نبوی ﷺ ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما **عن النبي ﷺ قال: اقسموا المال بين أهل الفرائض على كتاب الله.**[1]

’’حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کیا گیا ہے۔‘‘

۳۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى والْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا○[2]

’’اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو○‘‘

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فالأولى رجل ذكر، ۳: ۱۲۳۴، رقم: ۱۶۱۵

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الفرائض، باب في ميراث العصبة، ۳: ۱۲۲، رقم: ۲۸۹۸

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفرائض، باب ميراث العصبة، ۲: ۹۱۵، رقم: ۲۷۴۰

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۲۴۹، رقم: ۱۹۰۰۴

۵۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۱۳، رقم: ۲۸۶۲

(۲) النساء، ۴: ۸

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بيّن الله تعالى أن من لم يستحق شيئًا إرثًا وحضر القسمة، وكان من الأقارب أو اليتامى والفقراء الذين لا يرثون أن يكرموا ولايحرموا، إن كان المال كثيرًا، والاعتذار إليهم إن كان عقارًا أو قليلًا لا يقبل الرضخ. وإن كان عطاء من القليل ففيه أجر عظيم. (۱)

’’اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ وہ شخص جو وراثت کا مستحق نہیں اور تقسیم کے موقع پر موجود ہو اور وہ شخص اقرباء یا یتیموں یا فقراء میں سے ہو جو وراثت کے مستحق نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں اس کی تکریم کرو اور محروم نہ کرو اور یہ اُس وقت ہے جب مال زیادہ ہو اگر جائیداد ناقابلِ تقسیم یا کم ہو تو اُن سے معذرت کی جائے گی، اور اگر اس تھوڑے مال میں سے بھی انہیں کچھ دے دیا جائے تو اس میں بھی بہت زیادہ اجر ملے گا۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم، ويتاماهم ومساكينهم من الوصية، فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث. (۲)

’’اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم دیا ہے کہ وہ وراثت تقسیم کرنے کے وقت اقرباء، یتیموں اور مساکین کے ساتھ وصیت کے ذریعے صلہ رحمی کریں اور اگر وصیت

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۸

(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹

۲۔ ابن حزم، المحلى، ۸: ۱۲۹

نہ ہو تو پھر وراثت میں سے انہیں کچھ دے کر صلہ رحمی کی جائے۔‘‘

اسلامی قانونِ وراثت میں تقسیمِ دولت کا جو طریقہ ہے وہ ایسا معتدل اور مدبرانہ ہے کہ اگر صحیح طور پر اس کو اختیار کیا جائے اور سوسائٹی میں اس کا رواج عام ہو جائے تو اس سے سرمایہ دارانہ دولت کے پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا ہے اور نہ ہی افراد و اشخاص کے درمیان افلاس و فاقہ کشی کو فروغ مل سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے دولت کے اسباب ہر وقت گردش میں رہتے ہیں اور ایک ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھ تک پہنچتے رہنے کی وجہ سے کم و بیش ہر فرد کو فائدہ بخشتے ہیں۔

مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ) نے اپنی کتاب ’’حجة الله البالغة‘‘ میں لکھا:

اعلم أنه أوجبت الحكمة أن تكون السنة بينهم أن يتعاون أهل الحي فيما بينهم يتناصروا ويتواسوا، وأن يجعل كل واحد ضرر الآخر ونفعه بمنزلة ضرر نفسه ونفعه ولا يمكن إقامة ذلک إلا بجبلة تؤكدها أسباب طارئة، ويسجل عليها سنة متوارثة بينهم.

فالجبلة هي ما بين الوالد والولد والأخوة وغير ذلک من الموادة والأسباب الطارئه هي التألف والزيادة والمهاداة والمواساة فإن كل ذلک يحبب الواحد إلى الآخر ويشجع على النصر والمعاونة في الكريهات.

وأما السنة فهي ما نطقت به الشرائع من وجوب صلة الأرحام وإقامة اللآئمة على إهمالها، ثم لما كان من الناس من يتبع فكرًا فاسدًا ولا يقيم صلة الرحم كما ينبغي ويعد ما دون الواجب

كثيرًا مسّت الحاجة إلى إيجاب بعض ذلک عليهم أشاءوا أم أبوا مثل عيادة المريض وفک العاني والعقل وإعتاق ما ملكه من ذي رحم وغير ذلک، وأحق هذا الصنف ما استغنى عنه بالإشراف على الموت فإنه يجب في مثل ذلک أن يصرف ماله على عينه فيما هو نافع في المعاونات المنزلية أو يصرف ماله من بعده في أقاربة.[1]

’’غور کرو! بلا شبہ عقل و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان یہ ’’طریقہ‘‘ لازمی اور ضروری ہونا چاہئے کہ اہلِ قبیلہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور درد مندی و بہی خواہی کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا ذاتی نفع و نقصان سمجھیں اور یہ بات وہی خلقت اور جبلت کے بغیر ناممکن ہے جس کی معیشت پر اس کو مضبوط بنانے کے لئے خارجی اسباب اور اس کو محفوظ رکھنے کے لئے سنتِ متواترہ موجود نہ ہو۔

’’یہاں جبلت تو اس تعلق کا نام ہے جو باپ اور بیٹے یا بھائی بھائی کے درمیان موجود ہے اور اسی طرح دو یا چند عزیزوں کے درمیان موجود ہوتا ہے اور اسبابِ خارجی باہمی الفت و مودت، رہنمائی، غمگساری و ہمدردی وغیرہ کا نام ہے کیونکہ یہ امور آپس میں محبت پیدا کرتے ہیں اور مصائب و آلام میں ایک دوسرے کی اعانت و نصرت کا باعث بنتے ہیں۔

’’اور سنت ان امور کو کہتے ہیں جن کو شریعت کی زبان لوگوں میں رشتۂ اخوت پیدا کرنے کے لئے ضروری قرار دیتی ہے اور اس کے نہ کرنے پر قابلِ ملامت ٹھہراتی ہے۔ مثلاً یہ حکم دیتی ہے کہ صلہ رحمی ضروری اور فرض ہے ایسا نہ کرنے

(۱) شاه ولي الله، حجة الله البالغة، ۲: ۱۱۷

والا آثم اور گنہگار ہے۔ مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض انسانی طبائع برے خیالات اور بیہودہ افکار کے پیچھے لگی رہتی ہیں اور صلہ رحمی جیسے عمدہ اوصاف کے خلاف بغاوت کرتی ہیں اور بہت سے غیر ضروری کام کرنے پر آمادہ رہتی ہیں تو ایسی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس قسم کے (اخلاقی) امور کو ضروری قرار دیا جائے اور لوگوں کے قبول وانکار سے بالاتر ہو کر ان پر لازم کر دیا جائے مثلاً عیادتِ مریض، مصیبت زدہ (مقروض وغیرہ) کی حکومتی فلاح، دیت (اقربا پر پڑے ہوئے تاوان کی ادائیگی) اپنے ذی رحم محرم کو غلامی سے نجات دلانا وغیرہ اور اس قسم کی معاونت ونصرت کا سب سے زیادہ استحقاق اس وقت ہو جاتا ہے جب انسان موت کے کنارے کھڑا اور مال سے بے پرواہ ہو جائے اس لئے کہ اس وقت اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنی ذاتی اور معاشرتی مفید کاموں پر زیادہ سے زیادہ صرف کرے یا پھر اپنی موت کے بعد اپنے اقرباء کے لئے چھوڑ جائے اور اس طرح ان کی اعانت و مدد کرے۔ (بہرحال تقسیمِ دولت کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے)۔‘‘

(۵) قانونِ غنائم

غنائم سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں کو دشمنوں سے جنگ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اسلام نے ان کی تقسیم کا خاص ضابطہ دیا ہے اور ان میں سے خمس کو معاشرے کے تنگدست افراد کے لئے مختص کر دیا ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ.(۱)

(۱) الانفال، ۸: ۴۱

''اور جان لو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے پایا ہو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) قرابت داروں کے لئے (ہے) اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے۔''

اسی طرح مالِ فئ سارے کا سارا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مختص ہے تا کہ اس کو ریاست کے غرباء میں تقسیم کیا جا سکے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

۲۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ.(۱)

''جو (اموالِ فَئی) اللہ نے (قُرَیظہ، نَضِیر، فِدَک، خَیبر، عُرَینہ سمیت دیگر بغیر جنگ کے مفتوحہ) بستیوں والوں سے (نکال کر) اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لوٹائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ہیں اور (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) قرابت داروں (یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطّلب) کے لئے اور (معاشرے کے عام) یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہیں۔''

علماء کرام نے ''مالِ غنیمت اور مالِ فَئی'' میں فرق کیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مالِ غنیمت میں کتنا حصہ ہے؟ اگرچہ اس میں اختلاف ہے مگر اسلام نے مالِ غنیمت میں سے معاشرتی کفالت کے لئے ایسا معین حصہ مقرر کیا ہے کہ جس کی مثال ملتِ اسلامیہ کے علاوہ کسی قوم میں نہیں ملتی۔

(۶) قانونِ وقف

وقف کی دو اقسام ہیں:

(ا) خاندانی وقف (وقف اہلی)

(ب) خیراتی وقف

(۱) الحشر، ۵۹: ۷

(ا) خاندانی وقف

اس سے مقصود وقف کرنے والے کے اعزہ و اقارب اور اس کی اولاد کی معاشرتی کفالت کی ضمانت فراہم کرنا ہے اور ضروری ہے کہ اس وقف کی انتہا ایک ایسے نیک عمل کے لئے ہو جو ہمیشہ جاری و ساری رہے جیسے فقراء اور معاشرتی ادارے۔

(ب) خیراتی وقف

اس سے مراد معاشرتی کفالت کو مالی اعتبار سے سپورٹ کرنا ہے۔

زمانہ قدیم میں اسلامی ملک میں وقف نے معاشرتی اداروں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا اور اب بھی ضروری ہے کہ وقف سے معاشرتی کفالت کے قوانین کے نفاذ کی شکل میں فائدہ اٹھایا جائے لیکن اس میں مختلف گروہوں میں معاشرتی عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۷) قانون کفالتِ عامہ

محتاج اور فقر و فاقہ میں مبتلا لوگوں کی کفالت کے لئے درج ذیل قوانین بنائے گئے ہیں:

۱۔ فقراء اور مساکین کے لئے قانون

۲۔ مریضوں کے لئے قانون

۳۔ نابینوں کے لئے قانون

۴۔ اپاہج لوگوں کے لئے قانون

۵۔ بوڑھوں کے لئے قانون

۶۔ پناہ گزینوں کے لئے قانون

۷۔ لاوارث لوگوں کے لئے قانون

۸۔ یتیم لوگوں کے لئے قانون

۹۔ قیدیوں کے لئے قانون

(۸) قانونِ مشارکت

یہ قانون زرعی موسم میں اور خاص طور پر پھلوں کے موسم میں کام آتا ہے۔

وہ لوگ جن کے پاس پھلوں کے مہنگا ہونے کی وجہ سے پھلوں کے خریدنے کی استطاعت نہیں ہوتی انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان پھلوں میں سے کچھ پھل بغیر مالک کو قیمت ادا کیے کھا سکتے ہیں۔ اس قانون کو اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے اخذ کیا گیا ہے:

۱۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا. (۱)

''اور اس (کھیتی اور پھل) کے کٹنے کے بعد اس کا (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ) حق (بھی) ادا کر دیا کرو اور فضول خرچی نہ کیا کرو۔''

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہ قول نقل کیا ہے جس کو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے:

۱۔ إذا حصدت فحضرک المساکین فاطرح لهم من السنبل، وإذا جذذت فألق لهم من الشماريخ، وإذا درسته وذريته فاطرح لهم منه وإذا عرفت كيله فأخرج منه زكاته. (۲)

''جب غلہ پک جائے اور مساکین اپنی ضرورت کے لئے تمہارے پاس آ جائیں

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۱

(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۷: ۱۰۰

۲۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۹۵، رقم: ۹۲۳

تو اس پکے ہوئے غلے میں سے کچھ انہیں دے دو اور جب غلہ کاٹ لو تو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور جب تم اس غلے کو مشین سے گاہ لو (یعنی دانے نکال لو) اور اس کو ہوا میں صاف کر لو تو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور جب تمہیں اس کی (اصل) مقدار معلوم ہو جائے تو اس میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کھجوروں کے مالک ہوتے ان میں سے ہر ایک کھجور کا گچھا پکنے کے وقت لے آتا پھر اس کو مسجد کے دروازے پر لٹکا دیتا اور جو کوئی چاہتا اس سے کھا لیتا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أنّ النّبي ﷺ أمر من كل جاد عشرة أوسق من التمر بقنو يعلّق في المسجد للمساكين.(۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ جو شخص دس وسق کھجور کاٹے وہ غرباء و مساکین کے لئے ایک خوشہ مسجد میں لٹکائے۔‘‘

اسی طرح ورثاء کے مابین وراثت کی تقسیم کے وقت اگر کوئی غیر وارث فقیر آ جائے تو ورثاء پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے اس وراثت میں سے کچھ اسے دے دیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

۲۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوْفًا○(۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۵۹، رقم: ۱۴۹۱۰

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۸: ۸۳، رقم: ۳۲۸۹

(۲) النساء، ۴: ۸

''اور اگر تقسیمِ (وراثت) کے موقع پر (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج موجود ہوں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور ان سے نیک بات کہو٥''

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

بيّن الله تعالى أن من لم يستحق شيئًا إرثًا وحضر القسمة، وكان من الأقارب أو اليتامى والفقراء الذين لا يرثون أن يكرموا ولا يحرموا، إن كان المال كثيرًا، والاعتذار إليهم إن كان عقارًا أو قليلًا لا يقبل الرضخ. وإن كان عطاء من القليل ففيه أجر عظيم.(۱)

''اللہ تعالیٰ نے آیتِ میراث میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی وراثت میں حقدار نہیں ہے اور وراثت کی تقسیم کے وقت آ جائے اور وہ اقرباء یا یتیم اور فقراء میں سے شمار ہوتا ہو تو وہ اس کی تکریم کریں اور مال زیادہ ہونے کی صورت میں اسے محروم نہ لوٹائیں۔ اگر مال جائیداد کی صورت میں ہو یا تھوڑا ہو تو معذرت کی جا سکتی ہے اور اگر مال تھوڑا ہونے کی صورت میں اسے عطا کرتا ہے تو اس سے اسے بہت زیادہ اجر وثواب ملے گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہاء کی ایک کثیر تعداد نے اس قول کو نقل کیا ہے مثلاً حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

أمر الله المؤمنين عند قسمة مواريثهم أن يصلوا أرحامهم، ويتاماهم ومساكينهم من الوصية، فإن لم تكن وصية وصل لهم من الميراث.(۲)

---

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۸

(۲) ۱۔ قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۵: ۴۹

۲۔ ابن حزم، المحلى، ۸: ۱۲۹

’’وراثت کی تقسیم کے وقت اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ وصیت کے ذریعے اپنے اعزہ و اقارب، یتیم اور مساکین کی صلہ رحمی کریں اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو وراثت میں سے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔‘‘

اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ وصیت واجب ہے یا مندوب ہے۔

(۹) قانونِ اجرت

آجر اور مزدور کے درمیان طے پانے والے معاملہ میں اجرت اہم عنصر ہے۔ اسلام کے بیان کردہ قانونِ اجرت کی وضاحت درج ذیل امور سے ہو جاتی ہے:

(۱) بغیر اجرت کے کوئی کام نہیں

اسلام کے بتائے ہوئے قانونِ اجرت کے مطابق کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جس کی اجرت نہ دی جائے۔ نیک کام کے بدلے میں نیک اور اچھی اجرت اور برے کام کے بدلے میں بری اجرت دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَہَا نُوَفِّ اِلَیۡہِمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فِیۡہَا وَ ہُمۡ فِیۡہَا لَا یُبۡخَسُوۡنَ○[(۱)]

’’جو لوگ (فقط) دنیوی زندگی اور اس کی زینت (و آرائش) کے طالب ہیں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور انہیں اس (دنیا کے صلہ) میں کوئی کمی نہیں دی جاتی○‘‘

اس آیت اور اس طرح کی دیگر کئی آیات میں عمل سے مراد دینی عمل لیا گیا ہے اور اس سے مراد شرعی احکام کو نافذ کرنا ہے اور لفظ ’’عمل‘‘ اپنے عمومی معنی کے اعتبار سے صنعتی عمل کو بھی شامل ہے اور کسی لفظ کے عمومی معنی کے اعتبار سے یہ مفہوم لینا شریعت کے

(۱) ھود، ۱۱: ۱۵

اجتہادی قواعد میں معروف ہے۔ پس یہ قانون ہے کہ کسی لفظ کے معانی میں اس معنی کو ترجیح دی جاتی ہے کہ جو اس لفظ کے عموم میں شامل ہو۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اچھے کام کی اچھی جزا زندگی میں مادی جزا کو بھی شامل ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کام اخروی جزا کے لئے ہو بلکہ بعض اوقات تو اس کام کی مادی جزا اخروی جزا سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پس آیت میں جو لفظ ''عمل'' اخروی جزا کے بیان میں آیا ہے اس سے دنیا میں مادی جزا کی طرف بھی اشارہ ہے۔

(۲) کام کے مطابق اجرت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝[۱]

''اور سب کے لئے ان (نیک و بد) اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے (جنت و دوزخ میں الگ الگ) درجات مقرر ہیں تاکہ (اللہ) ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۝''

اس آیتِ کریمہ میں تین امور کا بیان ہے:

ا۔ ہر ایک کے لئے اپنے اپنے عمل کے حساب سے علیحدہ علیحدہ درجے ہیں۔ یعنی ہر شخص کو اس کے عمل، محنت اور استعداد کے مطابق بطور اجرت دیا جانے والا درجہ، رتبہ اور مقام ہے۔

ب۔ اللہ تعالیٰ انسان کے اعمال (محنتوں) کی پوری پوری اجرت دے گا۔

ج۔ کسی طرح بھی ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

(۱) الاحقاف، ۴۶: ۱۹

گو یا اجرت انسان کے عمل (محنت) کے مطابق پوری پوری ہوگی اس میں کسی قسم کی بھی کمی یا ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔

۲۔ مزید ارشاد فرمایا:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ. (۱)

’’اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔‘‘

پس اگر کوئی مزدور اپنی مستحق اجرت سے کم پر مجبوری کی حالت میں راضی ہو جائے تو مالک پر اس کی مستحق اجرت دینا واجب ہوتا ہے اور کم اجرت پر اس کا راضی ہو جانا مزدور کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی اپنا سامان اس کی اصل قیمت سے کم بیچنے پر مجبور ہو جائے لیکن حقیقت معلوم ہو جانے پر فراخدلی کا مظاہرہ کرنا عملِ صالح میں شمار ہوگا۔

(۳) معمولی سی محنت پر بھی اجرت دینا ضروری ہے

اسلام کے قانونِ اجرت کے مطابق معمولی سے معمولی محنت پر بھی اجرت دینا ضروری اور لازمی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلانے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریوں کو پانی پلا چکے تو اس کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور کہنے لگی:

اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا. (۲)

’’میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو اس (محنت) کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے (بکریوں کو) پانی پلایا ہے۔‘‘

(۱) الاعراف، ۷: ۸۰
(۲) القصص، ۲۸: ۲۵

اس آیت کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بکریوں کو پانی پلانے کی معمولی سے محنت کی بھی اجرت دی۔ اس طرح اسلام نے ایک قاعدہ بنا دیا کہ معمولی سی محنت پر بھی مزدور کو اجرت دی جائے گی۔

(۱۰) قانونِ بیت المال

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی زکوٰۃ، عشر اور مالِ غنیمت پر منحصر ہوتی تھی اور یہ تمام کفالت کے معاشرتی قانون کے تحت مستحق افراد پر خرچ کر دی جاتی تھی۔

پس جب ملک وسیع ہو گیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آمدنی بڑھ گئی اور دفاتر بنائے گئے تو ملک کی تمام آمدنی مقرر کر دی گئی، اس طرح تمام مزدوروں، عطیات لینے والے اور مستحق افراد کی رجسٹریشن ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما أحد من المسلمين إلا له في هذا المال حق.(۱)

''مسلمانوں میں سے ہر ایک کے لئے اس مال میں حق ہے۔''

پھر اس کے بعد انتہائی توجہ کے ساتھ دیوان تشکیل دیا گیا اور بیت المال کو مختلف ڈیپارٹمنٹس (شعبوں) میں تقسیم کیا گیا اور ہر ڈیپارٹمنٹ کے لیے بجٹ خاص کر دیا گیا جس کو مختلف گروہوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ امام کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فأمّا ما يوضع في بيت المال من الأموال فأربعة أنواع أحدها: زكاة السّوائم والعشور وما أخذه العشار من تجار المسلمين إذا

---

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۲۷۳، رقم: ۵۲۵

مرّوا عليهم، والثّاني: خمس والغنائم والمعادن والركاز، والثالث: خراج الأراضي وجزية الرؤوس......، والرابع: ما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثًا أصلاً أو ترك زوجًا أو زوجة. فيصرف إلى دواء الفقراء والمرضى وعلاجهم وإلى أكفان الموتى الذين لا مال لهم وإلى نفقة اللقيط وعقل جنايته وإلى نفقة من هو عاجز عن الكسب وليس له من تجب عليه نفقته.(۱)

’’جو مال بیت المال میں بطور بجٹ رکھا جاتا تھا، اس کی چار اقسام ہیں:

۱۔ چراگاہ میں چرنے والے مویشیوں کی زکوٰۃ، عشر، مسلمان تاجروں سے حاصل کردہ ٹیکسز (Taxes) وغیرہ پہلی قسم میں شامل ہیں۔

۲۔ مالِ غنیمت اور زمین کے اندر سے چھپے ہوئے خزانوں میں پانچواں حصہ (جس کو فقراء، مساکین اور یتیم لوگوں پر خرچ کیا جاتا ہے)۔

۳۔ زمین کا خراج، جزیہ اور اس طرح کی دوسری چیزیں جو مذہبی سکالرز پر اور مفادِ عامہ (Common interests) کے لئے خرچ کی جاتی ہیں، اس میں جج صاحبان اور فوج کی تنخواہیں شامل ہیں اور سڑکوں، مساجد، چھوٹی نہروں، پلوں اور ڈیم کی تعمیر کا خرچ بھی شامل ہے۔

۴۔ وہ مال جو ایسی میت کی وراثت سے لیا جائے جس کا مرنے کے بعد کوئی حقیقی وارث نہ ہو یا اس نے ایک خاوند یا بیوی چھوڑی ہو۔

’’ایسے اموال فقیروں، مریضوں کی ادویات، ان کے علاج اور مرنے والوں کے کفن خریدنے پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ مال لاوارث اور معذور

(۱) كاساني، بدائع الصنائع، ۲: ۶۸

افراد پر اور قاتل کی طرف سے واجب دیت کی ادائیگی پر خرچ کیا جاتا ہے اور اسی طرح جو کمانے سے عاجز ہو اور اس کے ذمہ (اپنے خاندان کا) نفقہ بھی ہو (تو اس پر بھی یہ اموال خرچ کئے جاتے ہیں)۔‘‘

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ معاشرتی کفالت کے منصوبوں کی مالی سپورٹ ان سابقہ قوانین پر ہی depend نہیں کرتی بلکہ بیت المال کی بنیادی ذمہ داری معاشرتی کفالت کو یقینی بنانا ہے۔ بیت المال کے دیگر ذرائع آمدنی (Sources of Income) بھی ہیں کہ جن سے ملازمین کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں اور دفاع پر بھی خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عمرانی منصوبہ جات اور وسائل نقل و حرکت پر خرچ ہوتا ہے۔ اس چیز کی تائید سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی ہو جاتی ہے کہ جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ليس أحد إلا وله في هذا المال حق. [۱]

’’مسلمانوں میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں کہ جس کا بیت المال میں حق نہ ہو۔‘‘

(۱۱) قانون التعویض العائلی (خاندان کی مدد کا قانون)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شادی شدہ کو غیر شادی شدہ کی نسبت زیادہ حصہ عطا فرماتے تھے، ابو عبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

۱۔ **كان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا أتاه فيء قسمه عن يوم، فأعطى الآهل حظين، وأعطى العزب حظًا واحدًا.** [۲]

’’جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مالِ فئی آتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اسی

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۱۰، رقم: ۶۰۹

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۸، رقم: ۶۰۳

دن تقسیم فرما دیتے تھے۔ پس شادی شدہ کو دو حصے عطا فرماتے تھے جبکہ غیر شادی شدہ کو ایک حصہ عطا فرماتے۔‘‘

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ تھا، ابوعبید بن سلام (م۲۲۴ھ) لکھتے ہیں:

أن عمر قسم بين الناس، فأصاب كل رجل نصف دينار، إذا كان وحده، فإن كانت معه امرأته أعطاه دينارًا.(۱)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (کچھ مال) تقسیم کیا تو ہر شخص اگر وہ اکیلا ہوتا تو اس کے حصے میں آدھا دینار آتا اور اگر اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہوتی تو اس کو مکمل دینار دیتے۔‘‘

۳۔ یہ بیوی کو سپورٹ کرنے کا بنیادی قانون ہے۔ زمانۂ نبوت میں ایک شخص نے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ نہ تھا، پس وہ شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مہر لے کر اپنی بیوی کو ادا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مدد فرمائی:

جاء رجل إلى النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال: إني تزوجت امرأة من الأنصار...... قال: على كم تزوجتها؟ قال: على أربع أواق. فقال له النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: على أربع أواق! كأنما تنحتون الفضة من عرض هذا الجبل. ما عندنا ما نعطيك ولكن عسى أن نبعثك في بعث تصيب منه.(۲)

’’پس ایک شخص حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ!

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۸، رقم: ۶۰۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب ندب النظر إلى وجه امرأة وكفيها لمن يريد تزوجها، ۲: ۱۰۴۰، رقم: ۱۴۲۴

۲۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۴: ۲۸۱

میں نے انصار قبیلہ کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔ ...... حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کتنے مہر کی ادائیگی پر شادی کی ہے؟ اس نے عرض کیا: چار ماشے (اونس) پر۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چار ماشے پر! گویا کہ تم پہاڑ سے چاندی تراشتے ہو پس اس وقت ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ ہم تجھ کو دیں لیکن عنقریب ہم تجھ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیج دیں گے تا کہ اس میں سے تمہیں کچھ مل سکے۔ (راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جس سے اس کو کچھ مال مل گیا)۔''

۴۔ ابوعبید بن سلام (م ۲۲۴ھ) نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی شادی کی تو ایک ماہ تک بیت المال سے خرچ دیا۔ عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

لما زوجني عمر أنفق عليّ من مال الله شهرًا.(۱)

''جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری شادی کی تو ایک ماہ تک مجھے بیت المال سے خرچ دیا۔''

۵۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر نئے پیدا ہونے والے بچے کے لئے کچھ حصہ مقرر فرماتے تھے اور یہ بچے کے والد کے مقرر کردہ حصے کے علاوہ ہوتا تھا اور جوں جوں بچہ بڑا ہوتا چلا جاتا یہ حصہ بڑھتا چلا جاتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كان عمر لا يفرض للمولود حتى يفطم قال: ثم أمر منادياً فنادى: لا تعجلوا أولادكم عن الفطام، فإنا نفرض لكل مولود في الإسلام، قال: وكتب بذلک في الآفاق بالفرض لكل مولود في الإسلام.(۲)

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۲۹۵، رقم: ۵۶۶

(۲) ۱۔ أبو عبيد، كتاب الأموال: ۳۰۲، رقم: ۵۸۳

۲۔ بلاذري، فتوح البلدان: ۴۴۵

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ نومولود بچے کا وظیفہ اس وقت تک جاری نہ کرتے تھے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑا دیا جاتا، راوی کہتے ہیں: لیکن بعد میں انہوں نے منادی کرا دی کہ اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کرو، ہم ہر مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کا وظیفہ جاری کریں گے۔ یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان کے ہر بچے کا اس کی پیدائش سے ہی وظیفہ مقرر کردو۔‘‘

بعد ازاں اس قانون پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء عمل پیرا رہے۔ ایسا کرنا اولاد کی سپورٹ کرنا ہے۔ اسی طرح اسلامی فقہ میں یہ ایک قانون ہے کہ میدانِ جنگ میں پیدل چلنے والے مجاہد کے لئے مالِ غنیمت میں سے ایک حصہ ہے جبکہ گھوڑے پر سوار آدمی کے لئے دو حصے اور بعض مذاہب میں اس کے لئے تین حصے مقرر کیے گئے ہیں اور یہ صرف اس لیے ہے کہ گھوڑے پر سوار آدمی گھوڑے کے اخراجات بھی برداشت کرتا ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دفاتر بنائے اور ایک نظام قائم کیا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ ہر شخص کو اس کی ضرورت، مسائل اور اس کی دین اسلام کی خدمت کے مطابق اسے عطا فرماتے تھے اور اسی چیز کے پیشِ نظر خاندانی حصہ داری کا قانون ہر شخص کی ضرورت کے مطابق اور اس کے اخراجات کے پیشِ نظر بنایا جاتا۔

(۱۲) قانونِ رکاز

جو کچھ زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانے ہیں اسلام نے ان میں سے کچھ ایسے حصے مقرر کیے ہیں جو معاشرتی کفالت کے لئے خرچ کیے جاتے ہیں۔ علماء کرام نے کنز اور رکاز میں فرق کر کے اجتہاد کی بنا پر اپنی مختلف آراء کا ذکر کیا ہے اور جو کچھ اس زمین کے اندر سے اور سمندروں سے نکالا جاتا ہے ان کے بارے میں احکامات بیان کیے ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(۱۳) قانون الطّواری (Law of Emergency)

جب دشمن اس پوزیشن میں ہو کہ جس سے ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے اور ملکی خزانے میں موجود مال فوج اور مجاہدین کو جہاد کے لئے تیار کرنے اور اسلحہ کی خریداری کے لئے ناکافی ہو تو ایسی صورت میں ملک کے سربراہ پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے اتنا مال لے لے کہ جس سے دشمن کے خطرے کو ٹالا جا سکے اور قوم کی جان و مال کی حفاظت کی جا سکے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس ہر قدرت رکھنے والے شخص پر فرض ہو جاتا ہے اور انسان کا حق یہ ہے کہ اس کے مال کو اس کے ہاتھ میں محفوظ رکھا جائے جبکہ معاشرے کا حق یہ ہے کہ اس کی آزادی اور استقلال کی حفاظت کی جائے۔ اور ملکی باشندوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاد کے لئے اپنے مال میں سے اتنا حصہ دیں کہ جس سے اس کے سارے مال کی حفاظت کی جائے تاکہ دشمن اس پر غلبہ حاصل کر کے اس کے مال کو نہ لوٹ لے جائے اور شرعی قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ چھوٹے نقصان کو برداشت کرتے ہوئے بڑے نقصان کا ازالہ کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ حکم متفق علیہ ہے۔

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں:

إذا خلت الأيدي من الأموال ولم يكن من مال المصالح ما يفي بخراجات العسكر ولو تفرق العسكر واشتغلوا بالكسب لخيف دخول الكفار بلاد الإسلام أو خيف ثوران الفتنة من أهل العرامنة في بلاد الإسلام فيجوز للإمام أن يوظف على الأغنياء مقدار كفاية الجند ثم إن رأى في طريق التوزيع التخصيص بالأراضي فلا حرج لأنا نعلم أنه إذا تعارض شرّان أو ضرران قصد الشرع دفع أشد الضررين وأعظم الشرين وما يؤديه كل واحد منهم

قليل بالإضافة إلى ما يخاطر به من نفسه وماله لو خلت خطة الإسلام عن ذي شوكة يحفظ نظام الأمور ويقطع مادة الشرور.[(۱)]

’’جب (فوج) کے ہاتھ اموال سے خالی ہو جائیں اور ملکی خزانے میں اتنا مال نہ ہو کہ جس سے فوج کے اخراجات برداشت کیے جا سکیں اور لشکر بھی منتشر ہو کر کسبِ رزق میں مشغول ہو جائے اور اس بات کا بھی ڈر ہو کہ اسلامی مملکت میں دشمن داخل ہو کر حملہ کر دے گا یا اہلِ شر کی طرف سے کسی فتنہ کے اٹھنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں حاکمِ وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کر دے کہ وہ فوج کے اخراجات کی مقدار کے برابر اپنے مال قومی خزانے میں دے دیں پھر اگر وہ زمین کے لحاظ سے مخصوص تقسیم کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جب دو نقصان اکٹھے ہو جائیں تو شریعت ان دونوں نقصانات میں سے جو زیادہ بڑا نقصان ہوتا ہے اس کو دور کرتی ہے پس ایسے حالات میں اغنیاء سے مال لینا ان کے لئے خسارہ (نقصان) ہے لیکن وہ نقصان جو دشمن کی وجہ سے ملک کو پہنچے گا وہ اس نقصان سے بڑا ہے لہٰذا اس بڑے خسارے سے بچنے کے لئے اغنیاء سے مال لے کر افواج کے اخراجات کو پورا کیا جائے گا۔‘‘

امام شاطبی (م۷۹۰ھ) فرماتے ہیں:

إنا إذا قررنا إمامًا مطاعًا مفتقرًا إلى تكثير الجنود لسد الثغور وحماية الملك المتسع الأقطار، وخلا بيت المال، وارتفعت حاجات الجند إلى ما لا يكفيهم، فللإمام إذا كان عدلًا أن يوظف

(۱) غزالي، المستصفى، ۱: ۳۰۳، ۳۰۴

على الأغنياء ما يراه كافيًا لهم في الحال، إلى أن يظهر مال بيت المال.

وإنما لم ينقل مثل هذا عن الأوّلين لاتسّاع مال بيت المال في زمانهم بخلاف زماننا، فإن القضية فيه أحرى، ووجه المصلحة هنا ظاهر، فإنه لو لم يفعل الإمام ذلک النظام بطلب شوكة الإمام، وصارت ديارنا عرضة لاستيلاء الكفار وإنما نظام ذلک كله شوكة الإمام بعدله.(۱)

''جب ہم کسی ایسے حاکم کا انتخاب کرتے ہیں کہ جس کی اطاعت کی جائے اور وہ حاکم فتنوں کو ختم کرنے اور وسیع مملکت کی حفاظت کے لئے بہت زیادہ افواج کا محتاج ہو جبکہ بیت المال بھی خالی ہو جائے اور افواج کے اخراجات بڑھ جائیں تو ایسی حالت میں عادل حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اغنیاء پر لازم کرے کہ وہ افواج کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اپنے اموال دیتے رہیں جب تک کہ بیت المال میں کہیں سے مال نہ آ جائے۔

''یہ بات اسلام کے اوائل زمانے میں نہیں کہی گئی کیونکہ ان کے زمانے میں بیت المال بڑا وسیع ہوتا تھا جبکہ ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے بلکہ اب یہ مسئلہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس میں مصلحت بھی واضح ہے۔ پس آج کے زمانہ میں اگر حاکم ایسا نہیں کرتا تو اس میں حاکم کی عظمت و شوکت بھی ختم ہو جاتی ہے اور ملک پر بھی کفار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہ سارے کا سارا نظام حاکمِ وقت کی عظمت وشوکت پر انحصار کرتا ہے۔''

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

(۱) شاطبي، الاعتصام، ۲: ۱۲۱

واتفق العلماء على أنه إذا نزلت بالمسلمين حاجة بعد أداء الزكاة فإنه يجب صرف المال إليها. (۱)

''اور اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد جب مسلمان کسی چیز کے محتاج ہوں تو پھر مال کو اس حاجت و ضرورت کے لئے صرف کرنا واجب ہے۔''

تاریخِ اسلام میں اس قانون کو نافذ کرنے کی کئی مثالیں ملتی ہیں مثلاً تاتاریوں نے جب ملک شام پر حملے کیے تو حکمرانِ وقت اس وقت فوج اور مجاہدین کو جنگ کے لئے تیار کرنے کے لئے اموال کا محتاج تھا اور اس محتاجی کو پورا کرنے کے لئے بیت المال میں کچھ نہ تھا۔ اس نے علمائے شام سے، پبلک سے فوج کے اخراجات پورا کرنے کے لئے اموال لینے کا، فتویٰ طلب کیا تو سب علماء کرام نے اس چیز کا فتویٰ دے دیا۔ اس وقت امام نووی (۶۳۱۔ ۶۷۶ھ) موجود نہ تھے پس علماء کرام کی طرف سے جاری کیا گیا فتویٰ ان کی طرف بھیجا گیا تاکہ اس فتویٰ پر دستخط کر دیں۔ انہوں نے اس فتویٰ کے ساتھ موافقت اس شرط پر کی کہ بادشاہ وہ اموال اور زیورات جو اس کے حواریوں اور معاونین کے پاس ہیں وہ بھی بیت المال میں جمع کرا دے۔

اسی طرح جب مصر کے بادشاہ نے صلاح الدین ایوبی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے تاتاریوں کے خلاف جنگ لڑنے کا ارادہ کیا تو فقہاء اور قاضی اس سلسلے میں مشاورت کے لئے اکٹھے ہوئے تاکہ لوگوں سے اتنا مال لیا جائے جس سے جہاد میں تقویت مل سکے۔ پس تمام علماء اکٹھے ہوئے، جن میں شیخ عز الدین بن عبد السلام اور دیارِ مصر کے قاضیوں میں سے قاضی بدر السنجاوی بھی شامل تھے اور اس جہاد کے سلسلے میں غور و فکر کیا۔ اِن علماء کرام میں سب سے ثقہ قول جس عالمِ دین کا تھا وہ عز الدین بن عبد السلام تھے اور انہوں نے جو کچھ اس وقت کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۲: ۲۴۲

’’جب دشمن اسلامی ممالک پر حملہ آور ہو تو اس وقت تمام لوگوں پر جہاد واجب ہو جاتا ہے اور تمہارے لیے جائز ہے کہ تم عوام سے اتنا مال لے لو کہ جس سے جہاد میں مدد ملے۔ لیکن یہ تب ہے کہ جب بیت المال میں کچھ نہ رہے اور بیچ دو وہ کچھ جو تمہارے پاس سونے کی تھیلیاں اور اعلیٰ قسم کے آلات ہیں، حتیٰ کہ ہر مجاہد کے پاس صرف جہاد میں استعمال ہونے والی سواری اور اسلحہ ہو۔‘‘

اس طرح جب مسلمانوں کے امیر یوسف بن تاشقین کو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے افواج کی تیاری کے سلسلے میں مال کی ضرورت پڑی اور اس وقت بیت المال میں اتنا مال نہ تھا کہ جس سے افواج کے اخراجات پورے ہوسکیں۔ انہوں نے فقہاء اور قاضی حضرات کو اکٹھا کیا۔ ان میں سے قاضی ابو الولید الباجی بھی تھے، انہوں نے جب ان سے اس سلسلے میں پوچھا تو سب نے اجماع کے ساتھ اس بات پر فتوی دیا کہ وہ بادشاہ مسلمانوں کے اموال میں سے اتنا مال لے لے کہ جس سے افواج کے اخراجات کو پورا کیا جا سکے۔ انہوں نے اس فتوی کو مختلف شہروں کی طرف بھیجا تاکہ مسلمانوں سے اموال طلب کیے جائیں کہ جس سے جہاد کی ضرورت پورے ہو سکے۔ وہ فتویٰ جب اہلِ مریہ کی طرف پہنچا تو اس وقت وہاں کا قاضی عبد اللہ بن الفراء تھے جو بہت زیادہ متقی و پرہیزگار تھے، انہوں نے مسلمانوں کے امیر ابن تاشقین کو خط لکھا اور جو کچھ انہوں نے لکھا وہ کچھ یوں ہے:

أن أبا الوليد الباجي وجميع القضاة والفقهاء بالعدوة والأندلس أفتوا بأن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اقتضاها، وكان صاحب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضجيعه في قبره ولا يشک في عدله، فليس أمير المسلمين بصاحب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا بضجيعه في قبره، ولا من لا يشک في عدله، فإن كان الفقهاء والقضاة أنزلوک بمنزلته في العدل فالله سائلهم عن تقلدهم فيک، وما اقتضاها عمر حتى

دخل مسجد رسول اللہ ﷺ وحلف أن ليس عنده درهم واحد من بيت مال المسلمين ينفقه عليهم، فلتدخل المسجد الجامع هنالک بحضرة أهل العلم، وتحلف أن ليس عندک درهم واحد، ولا في بيت مال المسلمين، وحينئذ تستوجب ذلک.(۱)

’’ابو الولید الباجی اور عدوۃ اور اندلس کے تمام قاضی اور فقہاء کرام نے فتویٰ دیا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات کا فیصلہ فرمایا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور قبر میں آپ ﷺ کے ساتھ لیٹنے والے تھے، ان کے عادل ہونے میں کوئی شک نہیں، (موجودہ) امیر المؤمنین نہ تو رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے ساتھ قبر میں لیٹنے والا ہے اور نہ ہی ایسی شخصیت ہے کہ جس کے عادل ہونے میں شک نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور پس اگر فقہاء اور قاضی عدل و انصاف کے اعتبار سے آپ کو ان کے مقام و مرتبہ پر سمجھیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان سے تمہاری تقلید کرنے کے بارے میں سوال کرے گا۔ اور جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا تو اس وقت مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہو گئے تھے اور قسم اٹھائی تھی کہ ان کے پاس بیت المال میں مسلمانوں کے لئے ایک درہم تک بھی نہیں کہ وہ ان پر خرچ کریں پس آپ بھی جامع مسجد میں داخل ہو جائیں اور اہلِ علم کے پاس اس بات کا حلف دیں کہ نہ تو آپ کے پاس کوئی درہم ہے اور نہ ہی بیت المال میں۔ پس اگر ایسا ہے تو پھر ایسا کرنا (یعنی عوام سے مال لینا) واجب ہے۔‘‘

اس طرح یہ حکم عام بحرانوں میں بھی قابلِ تنفیذ ہو گا جیسے سیلاب، زلزلے اور قحط سالی وغیرہ۔ پس ملک پر واجب ہے کہ وہ مصیبت زدہ لوگوں کی نہ صرف خیمے اور کھانے پینے کی چیزیں فراہم کر کے مدد کریں بلکہ انہیں بقیہ لوگوں کی طرح باعزت زندگی فراہم

(۱) ابن خلکان، وفیات الأعیان، ۷: ۱۱۹

کریں اور جب ملکی خزانہ مصیبت زدہ لوگوں کے بارے میں اس طرح کی معاشرتی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز ہو تو ملک مالدار لوگوں سے ان کی جائیدادوں کے مطابق ٹیکس لاگو کر سکتا ہے تاکہ ان مصائب کا مقابلہ کر سکیں اور یہ تعاون، نیکی اور تقویٰ کی بنا پر ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور یہ اخوت و بھائی چارہ کی بنا پر ہے اور معاشرے کے لئے ایک ایسا شعار ہے جس کی شرعی قوانین اور شرعی نصوص تائید کرتی ہیں اور ان میں بعض یہ ہیں:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اشعریوں (یہ عرب کا ایک قبیلہ ہے جو ابو موسیٰ اشعری کی طرف منسوب ہے) کی تعریف کی کیونکہ وہ مصیبت میں اپنا مال باہم تقسیم کر لیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحد ثم اقتسموه بينهم في إناء واحد بالسوية فهم مني وأنا منهم. (۱)

’’جب دورانِ جنگ اشعریوں کا کھانا ختم ہو گیا یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے اہل و عیال کے لئے کھانا کم پڑ گیا تو انہوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا اسے ایک کپڑے میں جمع کیا، پھر اسے ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر دیا، (اسی لیے) وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔‘‘

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے قحط سالی کی صورت میں ایسے ہی طرزِ عمل کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں جب قحط پڑتا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الشركة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۸۰، رقم: ۲۳۵۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين رضی اللہ عنہم، ۴: ۱۹۴۴، رقم: ۲۵۰۰

ناد في الناس فيأتون بفضل أزوادهم فبسط لذلک نطع و جعلوه على النطع فقام رسول الله ﷺ فدعا وبرک عليه ثم دعاهم بأوعيتهم فاحتثى الناس حتى فرغوا.(۱)

''تمام لوگوں میں اعلان کر دو کہ ان کے پاس جو کچھ (کھانے کا) سامان بچ گیا ہے وہ لے کر یہاں آ جائیں اس کے لئے ایک چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا گیا اور لوگوں نے سامان لا کر اس دسترخوان پر رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور اس میں برکت کی دعا فرمائی، اب آپ ﷺ نے پھر لوگوں کو اپنے اپنے برتنوں کے ساتھ بلایا اور سب نے دونوں ہاتھوں سے توشے اپنے برتنوں میں بھر لیے حتیٰ کہ سب اپنا اپنا حصہ لے کر فارغ ہو گئے۔''

۳۔ ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جہاد میں تھے کہ ان کا ساز و سامان ختم ہوگیا پس انہوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساز و سامان کو جمع کریں اور انہوں نے وہ مال ان میں برابر تقسیم کر دیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بعث رسول الله ﷺ بعثًا قبل الساحل فأمّر عليهم أبا عبيدة بن الجراح، وهم ثلاث مائة، وأنا فيهم، فخرجنا حتى إذا كنا ببعض الطريق فني زاد. فأمر أبو عبيدة بأزواد ذلک الجيش فجمع ذلک کله.(۲)

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الشرکة، باب الشرکة في الطعام والنهد والعروض، ۲: ۸۷۹، رقم: ۲۳۵۲

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب الجهاد والسير، باب حمل الزاد في الغزو، ۳: ۱۰۸۸، رقم: ۲۸۲۰

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الشرکة، باب الشرکة في الطعام ←

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے ساحلِ بحر کی طرف ایک لشکر بھیجا اور اس کا امیر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ فوجیوں کی تعداد تین سو تھی، (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں بھی ان میں شریک تھا۔ ہم نکلے ابھی راستے میں ہی تھے کہ زادِ سفر ختم ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ تمام فوجی اپنا جو سامان بچ گیا ہے اسے ایک جگہ جمع کر دیں تو سارے لشکر کا (زادِ راہ ایک جگہ) جمع کر دیا گیا (جو تھوڑا تھوڑا کر کے سارا لشکر استعمال کرتا رہا)۔‘‘

۴۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قحط سالی ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے شہروں کے گورنروں کو حکم بھیجا کہ وہ ان کی کھانے پینے کی اشیاء اور اموال کے ساتھ سپورٹ کریں پس ان کے لئے ہر والئ شہر نے اپنی استطاعت کے مطابق مال بھیجا اور آپ رضی اللہ عنہ نے وہ مال لوگوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جس سے قحط دور ہو گیا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

فواللہ لو أن اللہ لم یفرجها ما ترکت أهل بیت من المسلمین لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء، فلم یکن اثنان یهلکان من الطعام علی ما یقیم واحدًا. (۱)

’’خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور نہ فرماتا تو میں مسلمانوں کے گھروں میں سے کسی گھر کو نہ چھوڑتا جن کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے مگر یہ کہ ان

------ والنهد والعروض، ۲: ۸۷۹، رقم: ۲۳۵۱

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۲۴۴، رقم: ۸۷۹۲

۳۔ مالك، الموطأ، کتاب صفة النبي ﷺ، باب جامع ما جاء في الطعام والشراب، ۲: ۹۳۰، رقم: ۱۶۶۲

(۱) ۱۔ بخاري، الأدب المفرد: ۱۹۸، رقم: ۵۶۲

۲۔ رازي، الجرح والتعدیل، ۱: ۱۹۲

کے ساتھ ان کے شمار کے مطابق فقراء میں سے بھی داخل کر دیتا۔ اس طرح سے اس کھانے سے دو آدمی ہلاک نہ ہوتے جو کھانا ایک آدمی کے لئے کافی ہوتا ہے۔‘‘

(۱۴) قانونِ قرضِ حسنہ

یہ وہ قرض ہوتا ہے جو ایک صاحبِ مال کسی ضرورت مند، غریب یا محتاج فرد کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اس میں وہ اپنے لئے کوئی فائدہ، لالچ، مالی منفعت، بدل یا سود کے حصول کی ہرگز ہرگز نیت نہیں رکھتا بلکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اجر کی امید رکھتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں قرضِ حسنہ دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○[1]

’’کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھا دے گا، اور اللہ ہی (تمہارے رزق میں) تنگی اور کشادگی کرتا ہے، اورتم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○‘‘

۲۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ○[2]

’’کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ کے طور پر قرض دے تو وہ اس کے لئے اُس (قرض) کو کئی گنا بڑھاتا رہے اور اس کے لئے بڑی عظمت والا اجر ہے○‘‘

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۵

(۲) الحدید، ۵۷: ۱۱

اسلامی قانونِ قرضِ حسنہ میں مقروض کا قرض معاف کرنے یا اس کی وصولی میں مہلت، سہولت یا آسانی فراہم کرنے والے کے لئے زیادہ اجر و ثواب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۳۔ وَاِنۡ كَانَ ذُوۡعُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝[۱]

''اور اگر قرض دار تنگدست ہو تو خوشحالی تک مہلت دی جانی چاہئے، اور تمہارا (قرض کو) معاف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تمہیں معلوم ہو (کہ غریب کی دلجوئی اللہ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے)۝''

جس طرح قرضِ حسنہ دینے کی حوصلہ افزائی اور انعام و اکرام دینے کی خوشخبری دی گئی ہے۔ اسی طرح قرض ادا نہ کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

۱۔ يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين.[۲]

''قرض کے سوا شہید کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔''

۲۔ مطل الغني ظلم.[۳]

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۰

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۰، رقم: ۷۰۵۱

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۶: ۴۷، رقم: ۵۵۵۲

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۳۹۸، رقم: ۵۵۳۴

(۳) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الاستقراض واداء الديون، باب مطل الغني ظلم، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۷۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغني وصحة حوالة واستحباب قبولها إذا أحيل على ملى، ۳: ۱۱۹۷، رقم: ←

’’مال دار کا (مالداری کے باوجود دوسرے کے مالی حقوق کی ادائیگی میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔‘‘

۳۔ إن الدين يقضى من صاحبه يوم القيامة.(۱)

’’قیامت کے دن مقروض سے قرض ادا کرایا جائے گا۔‘‘

۴۔ على اليد ما أخذت حتى تؤدي.(۲)

’’جو چیز کسی نے کسی سے لی ہے جب تک اس کو ادا نہ کر دے اس کا بارِ ادا اس پر برابر قائم ہے۔‘‘

۵۔ اس قانون کی اہمیت وفضیلت بیان کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

------ ۱۵۶۴

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء في مطل الغني أنه ظلم، ۳: ۶۰۰، رقم: ۱۳۰۸

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في مطل، ۳: ۲۴۷، رقم: ۳۳۴۵

(۱) ۱۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الصدقات، باب ثلاث من ادان فيهن قضى الله عنه، ۲: ۸۱۴، رقم: ۲۴۳۵

۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۴: ۴۰۴، رقم: ۵۵۵۹

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۲: ۳۷۵، رقم: ۲۷۸۳

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب البيوع، باب ما جاء أن العارية مؤادة، ۳: ۵۶۶، رقم: ۱۲۶۶

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب البيوع، باب في تضمين العارية، ۳: ۲۹۶، رقم: ۳۵۶۱

۳۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۵۵، رقم: ۲۳۰۲

و الله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه.(۱)

’’جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔‘‘

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ جہاں قرضِ حسنہ دینا مستحب اور پسندیدہ عمل ہے وہاں اس قرض کی واپسی بھی از حد ضروری اور لازمی ہے۔

(۱۵) قانونِ مضاربت

مضاربت لفظ ’’ضرب‘‘ سے ماخوذ ہے جس کے معانی سفر کرنا، چلنا پھرنا، زمین پر پاؤں مارنا وغیرہ ہیں۔ یہ وہ کاروبار ہے جس میں کاروبار کرنے والا تجارت کی غرض سے سفر کرتا ہے یا چل پھر کر سرمایہ کاری کر کے نفع کماتا ہے۔

مضاربت کاروبار میں شرکت کی ایک قسم ہے۔ جس میں دو فریق ہوتے ہیں ایک مال لگاتا ہے اور دوسرا کام سنبھالتا ہے۔ مال فراہم کرنے والے کو ’’رب المال‘‘ محنت و خدمت یا کام کرنے والے کو ’’مضارب‘‘ اور مال کو ’’راس المال‘‘ کہا جاتا ہے۔ مضارب اور رب المال ایک طے شدہ معاہدہ کے تحت نفع آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔

فقہاء نے مضاربت کو قراض یا مقارضہ کے نام سے بھی موسوم کیا ہے۔ دونوں اصطلاحات اپنے اندر ایک ہی معنی و مفہوم رکھتی ہیں۔ مضاربت کو دو اقسام پر منقسم کیا گیا ہے:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء في الستر على المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۵

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۶

۴۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ۳۰۸، رقم: ۷۲۸۴

۱۔ مضاربتِ مطلقہ

۲۔ مضاربتِ مقیدہ

جس مضاربت میں مقام، مدت، تعیین بائع یا مشتری اور کوئی خاص قسم کا کاروبار نہ ہو مضاربتِ مطلقہ کہلاتی ہے۔ جبکہ ایسی مضاربت جس میں کوئی خاص شرط یا قید لگا دی جائے مضاربتِ مقیدہ ہو جاتی ہے۔

مضاربت کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ آخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ.(۱)

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں سفر کریں گے تاکہ اللہ کا فضل تلاش کریں۔‘‘

اس آیت کریمہ میں ’’یضربون‘‘ کا لفظ ’’ضرب‘‘ سے نکلا ہے اور مضاربت بھی اسی سے ماخوذ ہے اس لحاظ سے آیت کا معنی یہ ہو گا:

’’اور (بعض) دوسرے لوگ زمین میں اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے مضاربت کریں گے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ نے نبوت سے قبل بصرہ ملک شام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت مضاربت کے ہی اصول پر فروخت فرمایا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اور حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام بھی مضاربت کے اصول پر تجارت کیا کرتے تھے۔

مضاربت امدادِ باہمی کے مقاصد کے حصول کے لئے ایک بہت اہم طریقۂ تجارت ہے۔ اس سے مالداروں اور سرمایہ سے محروم دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ مالدار اپنے مال سے مالی اور تجارتی منفعت حاصل کرتا ہے جبکہ غریب، مفلس اور دولت سے محروم شخص

(۱) المزمل، ۷۳: ۲۰

اپنی محنت کو بروئے کار لا کر اپنے معاشی مسائل حل کرتا ہے۔ اسلام نے معاشی میدان میں مضاربت کی شرائط رکھ کر اسے ایک قانون کی شکل دی ہے۔ اس قانون کے اہم پہلو یہ ہیں:

۱۔ فریقین عاقل و بالغ ہوں۔

۲۔ راس المال بیشتر مواقع پر ریاستی سکہ یا سکہ رائج الوقت میں ہو اور اس کی تعداد کی نشاندہی کی گئی ہو۔

۳۔ نفع یا نقصان کی صورت میں طے شدہ معاہدہ یا شرائط واضح ہوں۔

۴۔ مضارب کے حقوق کا خاص خیال رکھا جائے۔

۵۔ تقسیمِ نفع کا تناسب آغاز ہی سے طے کر لیا جائے۔

٦۔ تمام تر تجارت میں اسلامی اصولوں اور اقدار کی پاسداری لازمی ہے۔

ان کے علاوہ مزید تفصیلات کے لئے فقہ اسلامی کی کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

عصرِ جدید میں اگر کاروباری دنیا میں بیشتر بزنس مضاربت کے اصولوں پر استوار کر لیا جائے تو یقیناً ملک سے معاشی بدحالی، بے روزگاری، افلاس اور بے شمار معاشی برائیوں (Economic Evils)، جن میں سود (Interest) سرفہرست ہے، سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ اس ضمن میں موجودہ بینکنگ سسٹم کو مضاربت سے بدل کر ابتداء کی جائے تو یہ معاشی ترقی (Economic Development) کے حصول کی طرف ایک اہم قدم ہو گا۔

(۱٦) قانونِ ضرائب

قدرتی آفات، جنگ، قحط اور بے روزگاری جیسے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے حکومت جو ٹیکس لگاتی ہے انہیں ضرائب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس اس وقت لگائے جاتے ہیں جب اسلامی ریاست کے بیت المال میں جمع شدہ رقوم عوام کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لئے ناکافی ہو جائیں۔

ضرائب کا مقصد عامۃ الناس کی غربت اور بدحالی دور کرنا ہے۔ یہ ٹیکس خراج، جزیہ، فئی، عشور، خمس، زکوٰۃ، وقف وغیرہ کے علاوہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ سب مخصوص حالات میں لگائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلامی حکومت کے سربراہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ملکی معاشی بدحالی دور کرنے کے لئے ملک کے اہلِ ثروت لوگوں پر یہ ٹیکس لگائے۔ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''المحلی'' میں لکھتے ہیں:

یجبرھم السلطان علی ذلک. (۱)

''بادشاہ ان کو اس ٹیکس پر مجبور کرے گا۔''

اپنی اس بات کے جواز میں وہ درج ذیل آیات بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

۱۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۲)

''پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو (ان کا حق)، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں ○''

۲۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ○ (۳)

''اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ ○''

(۱) ابن حزم، المحلی، ۶: ۱۵۶

(۲) الروم، ۳۰: ۳۸

(۳) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۶

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الله تعالى فرض على الأغنياء في أموالهم بقدر ما يكفي فقراءهم فإن جاعوا أو عروا وجهدوا فبمنع الأغنياء.(۱)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر ان کے فقراء کی کفایت کر سکے پس فقراء اگر بھوکے، ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اغنیاء اس فرض کی ادائیگی میں مانع ہیں۔''

۲۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

في مالک حق سوى الزكوة.(۲)

''تیرے مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی (جماعتی) حقوق ہیں۔''

پس اگر اسلامی نظامِ معیشت میں اقتصادی قوانین کے زمرے میں ضرائب یعنی ٹیکسوں کا وجود ہے تو ان کی وجہ، غرض و غایت اور اہمیت بھی عیاں کر دی گئی ہے۔

(۱۷) قانونِ نذور و کفارات

نذر یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میرا فلاں کام پورا ہو جائے تو میں اتنا مال صدقہ کروں گا۔ اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔

۱۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) ۱۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۱۰۹، رقم: ۹۳۱
۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷: ۲۳
۳۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

(۲) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲: ۴۱۲، رقم: ۱۰۵۲۶
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ.(۱)

’’اور اپنی نذریں پوری کریں۔‘‘

جب کوئی انسان نذر مانتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ مال دے گا تو اب اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی اس نذر کو پورا کرے اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مال کو محتاج لوگوں پر معاشرتی کفالت کی بنا پر خرچ کرے۔ احکامِ نذر فقہ کی کتب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

اسی طرح اسلام اپنے ماننے والوں کو مختلف امور میں رعایتیں دیتا ہے، مثلاً اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو مسکینوں کو کھانا کھلانے کی رعایت وغیرہ اس قسم کی رعایتوں کو ’’کفارات‘‘ کہتے ہیں۔ کفارہ کی ادائیگی بھی ضروری ہوتی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ.(۲)

’’اللہ تمہاری بے مقصد (اور غیر سنجیدہ) قَسموں میں تمہاری گرفت نہیں فرماتا لیکن تمہاری ان (سنجیدہ) قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم (ارادی طور پر) مضبوط کر لو، (اگر تم ایسی قَسم کو توڑ ڈالو) تو اس کا کفّارہ دس مسکینوں کو اوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا (اسی طرح) ان (مسکینوں) کو کپڑے دینا ہے یا ایک گردن (یعنی غلام یا باندی کو) آزاد کرنا ہے۔‘‘

(۱) الحج، ۲۲: ۲۹

(۲) المائدة، ۵: ۸۹

۳۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ط وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ.(۱)

’’اے ایمان والو! تم احرام کی حالت میں شکار کو مت مارا کرو، اور تم میں سے جس نے (بحالتِ احرام) قصداً اسے مار ڈالا تو (اس کا) بدلہ مویشیوں میں سے اسی کے برابر (کوئی جانور) ہے جسے اس نے قتل کیا ہے جس کی نسبت تم میں سے دو عادل شخص فیصلہ کریں (کہ واقعی یہ جانور اس شکار کے برابر ہے بشرطیکہ) وہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو یا (اس کا) کفّارہ چند محتاجوں کا کھانا ہے۔‘‘

۴۔ روزے کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ.(۲)

’’اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے۔‘‘

۵۔ حج کے احرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ط فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًی مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ.(۳)

’’اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے

(۱) المائدة، ۵: ۹۵

(۲) البقرة، ۲: ۱۸۴

(۳) البقرة، ۲: ۱۹۶

مقام پر نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (اس وجہ سے قبل از وقت سر منڈوا لے) تو (اس کے) بدلے میں روزے (رکھے) یا صدقہ (دے) یا قربانی (کرے)۔‘‘

۶۔ اسی طرح کفارۂ ظہار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا. (۱)

’’پھر جو شخص اِس کی (بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (لازم ہے)۔‘‘

صحیح حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص دن کے وقت جان بوجھ کر رمضان کا روزہ افطار کر لے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ ’’صحیح مسلم‘‘ میں ہے:

أن النبي ﷺ أمر رجلًا أفطر في رمضان أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين أو يطعم ستين مسكينًا. (۲)

’’نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو حکم فرمایا جس نے رمضان میں اپنا روزہ (عمداً) توڑ دیا کہ وہ کوئی غلام آزاد کرے یا دو مہینوں کے (مسلسل) روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔‘‘

---

(۱) المجادلة، ۵۸: ۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الصوم، باب تغليظ تحريم الجماع في النهار رمضان على الصائم ووجوب الكفارة الكبرى فيه وبيانها، ۲: ۷۸۲، رقم: ۱۱۱۱

۲۔ بخاري، الصحيح، کتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه فليكفر، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴

یہی حکم حنفی فقہاء کے ہاں بھی ہے کہ جب کوئی بغیر عذر کے کھانا کھا کر روزہ افطار کر دے تو مذکورہ بالا کفارہ ادا کرے۔

اس طرح اسلام نے بہت سے اور گناہوں کے کفارے ادا کرنے کے لئے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانے اور انہیں کپڑے دینے کے بارے میں حکم فرمایا ہے یقیناً یہ ایک معاشرتی کفالت کے منصوبوں کی تکمیل کی مالی سپورٹ (Financial Support) کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

(۱۸) قانون الاضاحی و الفطر

مسلمان سال میں دو عیدیں مناتے ہیں: ''عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔'' ایک عید پر قربانی دینا ضروری ہوتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○[1]

''پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں (یہ ہدیۂ تشکرّ ہے)○''

یہ آیت قربانی کی نماز اور عید کے روز قربانی کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۱۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

يا أيها الناس! إن على كل أهل بيت في كل عام أضحية.[2]

---

(۱) الكوثر، ۱۰۸: ۲

(۲) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب الأضاحي، باب ۱۹، ۴: ۹۹، رقم: ۱۵۱۸

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الضحايا، باب ما جاء في إيجاب الأضاحي، ۳: ۹۳، رقم: ۲۷۸۸

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ۲: ۱۰۴۵، رقم: ۳۱۲۵

’’اے لوگو! ہر خاندان پر ہر سال قربانی لازم ہے۔‘‘

عید الفطر پر مسلمان اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرتے ہوئے صدقۂ فطر دیتے ہیں اور اس کا ادا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

۲۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر صاعًا من تمر أو صاعًا من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين وأمر بها أن تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة. (۱)

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے (رمضان شریف میں) فطرانہ ادا کرنا فرض کیا ہے، کھجور میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع اور یہ غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے سب مسلمانوں پر فرض ہے اور فطرانہ کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ لوگ نماز عید کی طرف آنے سے قبل اسے ادا کر دیں۔‘‘

اس بات پر اجماع ہے کہ فطرانہ واجب ہے اور یہ ہر اُس شخص پر واجب ہے جس کے ذمہ اپنی بیوی یا غلام کے اخراجات ہیں اور جمہور علماء اس بات کے جواز کے قائل ہیں کہ فطرانہ کھجور ہو یا جَو ہوں دونوں سے ایک صاع کی قیمت کے برابر نکلتا ہے اور یہی مقدار اُن ممالک میں رائج ہے جن میں یہ چیزیں یعنی جَو اور کھجور وغیرہ نہیں اُگتے۔ یہ فطرانہ غریبوں کو بھی عید کی خوشیوں میں شریک کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اس طرح دونوں عیدوں پر قربانی اور فطرانہ ادا کرنے کو ’’قانون الاضاحی والفطر‘‘ کہتے ہیں۔

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، ۲: ۵۴۷، رقم: ۱۴۳۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب الزكاة الفطر على المسلمين، ۲: ۶۷۷، رقم: ۹۸۴

۲۔ اختیاری درجہ کے قوانین (Voluntary Category)

اس میں درج ذیل قوانین شامل ہیں:

۱۹۔ قانونِ نفقات وصدقات
۲۰۔ قانونِ ضیافت
۲۱۔ قانون تقسیمِ عفو
۲۲۔ قانونِ کفایت
۲۳۔ قانون الماعون
۲۴۔ قانونِ تعاون

(۱۹) قانونِ نفقات وصدقات

نفقات وصدقات جن افراد پر خرچ ہوں گے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ والدین اور ان کے آباؤ اجداد

۲۔ بیٹے اور ان کی اولادیں

۳۔ بھائی اور ان کی اولادیں

۴۔ چچا، پھوپھی اور ان کی اولادیں

۵۔ ماموں، خالائیں اور ان کی اولادیں

مذکورہ بالا افراد کے بارے میں بعض اجتہادی مذاہب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۶۔ منکوحہ اور مطلقہ بیویاں حالتِ عدت میں

۷۔ غلام اپنے مالک کے اعتبار سے

۸۔ حیوان اپنے مالک کے اعتبار سے

اور نفقہ درج ذیل اشیاء پر مشتمل ہے:

۱۔ خوراک

۲۔ لباس

۳۔ رہائش

۴۔ محتاج اور مریض کی خدمت پر خرچ کرنا

۵۔ محتاج لوگوں کو علم سکھانے پر خرچ کرنا

۶۔ محتاج انسان کی شادی کروانے پر خرچ کرنا

۷۔ معروف معاشرتی ضروریات

(۲۰) قانونِ ضیافت

اسلام میں بعض علماء کے نزدیک بہت زیادہ اکرام کے ساتھ ایک رات کے لئے یا پھر عام حالت میں تین دنوں کے لئے مہمان کی مہمان نوازی واجب ہے جبکہ بعض کے ہاں یہ چیز سنت ہے اور تین دن سے زائد مہمان نوازی میزبان کے ارادے پر موقوف ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه جائزته يوم وليلة، والضيافة ثلاثة أيام، فما بعد ذلک فهو صدقة ولا يحل له أن يثوي عنده حتى يحرجه.(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، ۵: ۲۲۷۲، رقم: ۵۷۸۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب الضيافة ونحوها، ۳: ۱۳۵۲، رقم: ۱۳۲۷

۳۔ أبو داؤد، السنن، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في الضيافة، ۳: ۳۴۲، رقم: ۳۷۴۸

۴۔ مالك، الموطأ، كتاب صفة النبي ﷺ، باب جامع ما جاء في الطعام والشراب، ۲: ۹۲۹، رقم: ۱۶۶۰

’’جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُس پر مہمان نوازی کرنا واجب ہے اور ایک دن اور ایک رات کے لئے مہمان نوازی کرنا حق ہے اور تین دن تک مہمان نوازی ہے اور تین دن سے زائد دنوں پر مشتمل مہمان نوازی صدقہ ہے اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ صاحبِ خانہ کے ہاں مستقل قیام کرے کہ انہیں تنگی میں ڈال دے۔‘‘

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس حکم **جائزة یوم ولیلة** (کہ مہمان نوازی ایک رات اور ایک دن کرنا حق ہے) پر تبصرہ کرتے ہوئے امام مالک (م ۱۷۹ھ) کہتے ہیں:

يتحفه ويكرمه ويخصه يومًا وليلة وثلاثة أيام ضيافة.(۱)

’’ایک دن اور ایک رات مہمان نوازی کرتے ہوئے اس کو تحفے دے اور اس کی تکریم کرے اور زیادہ سے زیادہ مہمان نوازی تین دن تک ہے۔‘‘

زمانۂ قدیم میں ضیافت معاشرتی ضروریات میں سے ایک ضرورت تصور ہوتی تھی اور خاص طور پر دیہاتوں اور صحراؤں میں اس کا انتظام مسافروں کے معاشرتی حق (کھانا اور رات گزارنا) کی حفاظت کی خاطر ہوتا تھا اور صلح کے معاملات میں بھی ضیافت ضروری ہوتی تھی۔ موجودہ زمانے میں بھی ضیافت کی، ایسے دور دراز علاقوں میں جہاں مسافروں کے سونے اور کھانے کے لئے ہوٹل اور ریسٹورنٹ نہیں ہیں، ضرورت ہے۔

(۲۱) قانون تقسیمِ عفو

سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۰ اور ۲۲۲ کا آغاز لفظ ’’یسئلونک‘‘ سے ہوا ہے جس کے معنی ہیں ’’(یہ لوگ) آپ سے پوچھتے ہیں‘‘ آیت نمبر ۲۱۹ میں لفظ ’’**العفو**‘‘ آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ابن حزم، المحلی، ۹: ۱۷۴

وَ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ. (۱)

’’اور آپ سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں؟ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے (خرچ کر دو)۔‘‘

العفو کے معانی، تفسیر، تشریح و توضیح اور مفہوم کو مسلم مفسرین، محدثین علماء، فقہاء اور دیگر مذہبی سکالرز نے مختلف اندازِ فکر سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ا) شوکانی (م ۱۲۵۵ھ)

ما فضل عن نفقة العيال. (۲)

’’عفو وہ مال ہے جو تیرے اہل و عیال کے ضروری خرچ سے بچ جائے۔‘‘

ب) قرطبی (م ۶۷۱ھ)

والعفو ما سهل وتيسر وفضل ولم يشق على القلب إخراجه. (۳)

’’عفو کے معنی ہیں (وہ مال) جو سہل ہو، آسان ہو اور ضرورت سے فاضل ہو جس کا قبضہ سے نکالنا دل پر بار نہ بنے۔‘‘

ج) ابو حیان (۶۵۴۔۷۵۴ھ)

والعفو ما فضل عن الأهل والمال. (۴)

(۱) البقرة، ۲: ۲۱۹

(۲) شوكاني، فتح القدير في التفسير، ۱: ۱۹۸

(۳) قرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۳: ۶۱

(۴) أبو حيان، البحر المحيط، ۲: ۱۵۸

''عفو یہ ہے کہ جو کچھ اپنے اہل و عیال کے اخراجات سے بچ جائے۔''

د) زمخشری (م ۵۲۸ھ)

العفو: نقيض الجهد، وهو أن ينفق ما لا يبلغ إنفاقه منه الجهد واستفراغ الوسع.(۱)

''عفو تنگی کی ضد ہے اس کا مدعا اتنا خرچ کرنا ہے جو خرچ کرنے والے کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ وسعت چھوڑ جائے۔''

ر) مختلف علماء کی آراء

ابن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) نے معروف علماء کے حوالوں سے چھ آراء بیان کی ہیں:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک **العفو** کے معنی **الفضل** (جو ضرورت سے زائد ہے) کے ہیں:

العفو: ما فضل عن أهلك.(۲)

''عفو کا مطلب ہے (وہ مال) جو تیرے اہل و عیال (کی حاجات) سے زائد ہو۔''

۲۔ حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ کے مطابق:

العفو: اليسير من كل شيء.(۳)

''عفو: ہر چیز میں سے جو بآسانی (خرچ کیا جائے)۔''

---

(۱) زمخشري، الكشاف، ۱: ۲۶۲

(۲) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۴

(۳) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۴

۳۔ حضرت ابن جریج اور عطاء رحمہما اللہ کی رائے کے مطابق:

العفو: ما لم يسرفوا ولم يقتروا في الحق. (۱)

’’عفو یہ ہے کہ جائز اور حق کے معاملہ میں (خرچ کرتے وقت) نہ اسراف کیا جائے اور نہ ہی بخل سے کام لیا جائے۔‘‘

۴۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی رائے ہے:

لا تجهد مالك حتى ينفد للناس. (۲)

’’تیرا لوگوں پر مال خرچ کرنا تجھے غمگین نہ کرے۔‘‘

۵۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أفضل مالك وأطيبه. (۳)

’’تیرے اضافی اور پاکیزہ مال کو عفو کہیں گے۔‘‘

۶۔ حضرت قیس بن سعید اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ کی رائے ہے:

الصدقة المفروضة. (۴)

’’عفو کے معنی فرض صدقہ کے ہیں (یعنی صرف اتنا خرچ کرو جو فرض کیا گیا ہے)۔‘‘

(۱) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵

(۲) طبري، الجامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵

(۳) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵

(۴) طبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۲: ۳۶۵

(۶) ابن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ)

مذکورہ بالا اقوال کو بیان کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

أولی هذه الأقوال بالصواب قول من قال معنی العفو الفضل من مال الرجل عن نفسه وأهله.[۱]

’’ان سب اقوال میں زیادہ مناسب اس مفسر کا قول ہے جس نے کہا کہ عفو سے مراد وہ فاضل مال ہے جو کسی شخص کی اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے بچ جائے۔‘‘

بعض علماء نے آیۃ العفو کو منسوخ قرار دیا ہے۔ مثلاً ابو حیان (۶۵۴۔۷۵۴ھ) لکھتے ہیں:

قیل في التطوع وهو قول الجمهور ...... وقیل کان واجبًا علیهم قبل فرض الزکاة أن ینفقوا ما فضل من مکاسبهم عن ما یکفیهم في عامهم ثم نسخ ذلک بآیة الزکاة.[۲]

’’کہا گیا ہے کہ ’’العفو‘‘ کا حکم رضا کارانہ ہے۔ یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے...... یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم (عفو کو اللہ کریم کی راہ میں خرچ کرنا) زکوٰۃ کی (فرضیت) سے پہلے تھا اور اس کی ضرورت یہ تھی کہ جو کچھ کمایوں میں سے بچے وہ ان کے تمام لوگوں کی کفالت کے لئے خرچ کریں پھر آیتِ زکوٰۃ نے اس کی فرضیت کو منسوخ کر دیا۔‘‘

آیۃ العفو کا حکم منسوخ نہیں ہوا اسی لیے عہدِ قدیم کے مفسرین و فقہاء کی طرح

---

(۱) طبري، الجامع البیان في تفسیر القرآن، ۲: ۳۶۵

(۲) أبو حیان، البحر المحیط، ۲: ۱۵۸

دورِ جدید کے مفسرین نے بھی اس کے معانی اور مفاہیم بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام علماء نے **العفو** کے معانی و مفاہیم کی تشریح و توضیح میں اکثر طور پر قدماء کی پیروی کی ہے۔

مذکورہ بالا تمام بحث و بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ **العفو** کا حکم آیتِ زکوٰۃ کے نزول کے بعد منسوخ نہیں ہوا۔ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم کے علاوہ ہے، زکوٰۃ ایک مالی فریضہ ہے جو اجزائے ایمان میں سے ایک ہے جس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں **العفو** ایک مالی ترغیب ہے جو اجباری نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ اس کی نسبت صدقاتِ فاضلہ، خیرات (Charity) اور ضروریات کے بعد اضافی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہے۔ البتہ اسلام کا معاشی اخلاق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان اپنے بہتر مستقبل کی پیش بندی، اہل و عیال کی ضروریات اور آنے والے وقت کی خجالت اور شرمندگی سے بچتے ہوئے اپنے غریب، نادار، ضرورت مند اور محتاج بھائیوں کو بھی فراموش نہ کریں بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے ان کی اعانت اور معاشی خوشحالی فراہم کرنے کو بھی اپنے نصب العین کا حصہ سمجھیں، یہی اسلامی قانون تقسیمِ عفو ہے۔

(۲۲) قانونِ کفایت

اس قانون کے تحت کفایت سے مراد پاسداری کرنا، احساس کرنا یا اعانت ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۝(۱)

(۱) النساء، ۴: ۳۶

’’اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے) اور نزدیکی ہمسائے اور اجنبی پڑوسی اور ہم مجلس اور مسافر (سے)، اور جن کے تم مالک ہو چکے ہو، (ان سے نیکی کیا کرو)، بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبّر کرنے والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود بین) ہوo‘‘

۲۔ یہ آیتِ کریمہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ آیت میں مذکور لوگوں کی ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَo (۱)

’’نیکی صرف یہی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے، اور اللہ کی محبت میں (اپنا) مال قرابت داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور مانگنے والوں پر اور (غلاموں کی) گردنوں (کو آزاد کرانے) میں خرچ کرے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کریں تو اپنا وعدہ پورا کرنے والے ہوں، اور سختی (تنگدستی) میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کی شدّت (جہاد) کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار

(۱) البقرة، ۲: ۱۷۷

ہیں ○‘‘

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں مذکور لوگوں کا زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ کا عطف البر پر ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں مذکور افراد کو مال دینا الگ نیکی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا الگ نیکی ہے۔

۱۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی مدد کے لئے فرمایا:

من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث ومن كان عنده طعام أربعة فليذهب بخامس أو سادس.[1]

’’جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو پس وہ تیسرے آدمی کو ساتھ ملا لے اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو پس وہ پانچویں کو ساتھ ملا لے یا چھٹے کو۔‘‘

یہ حدیث مبارکہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ فقیر کو کھانا کھلانا اس شخص پر واجب ہے جو کھانا کھلا سکتا ہے اور اس کے لئے اس کو بھوکا چھوڑنا جائز نہیں۔

۲۔ امام مسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له. قال: فذكر من أصناف

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳: ۱۳۱۲، رقم: ۳۳۸۸

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ۳: ۱۶۲۷، رقم: ۲۰۵۷

المال ما ذكر، حتى رأينا أنه لا حق لأحد منّا في فضل. (۱)

’’جس کے پاس زائد سواری ہے وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس زائد مال ہو پس وہ اسے اس شخص کو لوٹا دے جس کے پاس مال نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مال کی اتنی انواع ذکر کیں کہ ہمیں ایسے لگا کہ ہم میں سے کسی کا بھی زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے۔‘‘

۳۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لو استقبلت من أمری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنياء فقسمتها على فقراء المهاجرين. (۲)

’’جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلاشبہ اربابِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں تقسیم کرا دیتا۔‘‘

۴۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إن الله فرض على أغنياء المسلمين في أموالهم بقدر الذي يسع فقراءهم، (أي ما يحتاج إليه الفقراء) ولن يجهد الفقراء إذا جاعوا وعروا إلا بما يصنع أغنياؤهم ألا وأن الله يحاسبهم حسابًا

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللقطة، باب استحباب المؤاساة بفضول المال، ۳: ۱۳۵۴، رقم: ۱۷۲۸
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الزكاة، باب في حقوق المال، ۲: ۱۲۵، رقم: ۱۶۶۳

(۲) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸

شديدًا، ويعذّبهم عذابًا اليمًا.[۱]

’’اللہ تعالیٰ نے مسلمان اغنیاء پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے اموال میں سے اتنا مال فقراء پر خرچ کریں کہ جس سے ان کی ضرورت پوری ہو جائے۔ اگر اغنیاء اپنے اموال میں سے کچھ انہیں دیں تو انہیں زیادہ محنت نہ کرنی پڑے جب وہ بھوکے ننگے ہوں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کا شدید محاسبہ کرے گا اور انہیں درد ناک عذاب دے گا۔‘‘

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر معاشرتی کفالت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ اور دوسرے مالی قوانین سے حاصل ہونے والا مال کافی نہ ہو اور بیت المال میں بھی اتنا مال نہ ہو کہ جس سے یہ ضروریات پوری کی جاسکیں تو اس صورت میں لوگوں کے اموال سے اس قدر مال لے لیا جائے گا کہ جس سے یہ ضروریات پوری کی جائیں خواہ ان کے اموال سے استفادہ کیا جا چکا ہو۔

ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

فرض على الأغنياء من أهل كل بلد أن يقوموا بفقراءهم ويجبرهم السلطان على ذلك إن لم تقم الزكوات بهم ولا في سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لابد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة.[۲]

’’ہر ملک کے اغنیاء پر لازم ہے کہ وہ فقراء کی ضروریات کو پورا کریں اور بادشاہِ

(۱) ۱۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۳: ۶۲، رقم: ۴۳۲۴
۲۔ ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۸
(۲) ابن حزم، المحلى، ۶: ۱۵۶

وقت ان امراء کو اس بات پر مجبور کرے اور یہ اس وقت ہے کہ جب نہ تو زکوٰۃ کا مال اور نہ ہی دوسرے مسلمانوں کا مال فقراء کی ضرورت کو پورا کر سکے اور ان کی ضروریات میں زندگی کی بقا کے لئے ضروری کھانا، سردیوں اور گرمیوں کا لباس اور ایسا گھر کہ جو بارش کے پانی سے محفوظ ہو اور اس میں سورج کی گرمی بھی تنگ نہ کرے اور لوگوں کا اس میں گزرنے کا راستہ بھی نہ ہو کہ جس سے صاحبِ گھر پریشان ہو۔‘‘

اس بات کا استدلال ابن حزم (م ۴۵۶ھ) نے ان مذکورہ بالا آیات اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا ہے اور جو کچھ بیان کیا ہے اس کی مذہبی، اجتہادی قواعد اور عام شرعی قواعد سے بھی تائید کی ہے۔

(۲۳) قانون الماعون

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَo الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَo الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَo وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَo(۱)

’’پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لئےo جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)o وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیونکہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)o اور وہ برتنے کی معمولی سی چیز بھی مانگے نہیں دیتےo‘‘

الماعون کے بارے میں حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

(۱) الماعون، ۱۰۷: ۴۔۷

هوما يتعاطاه الناس بينهم من الفأس و القدر والدلو.(۱)

’’ماعون سے مراد گھر کی وہ اشیاء کہ (جن سے فائدہ لیا جاتا ہے اور) لوگ انہیں استعمال کے لئے ادھار لے جاتے ہیں جیسے کلہاڑا، ہنڈیا اورڈول وغیرہ۔‘‘

ابن کثیر (م۷۷۴ھ) نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ کے ساتھ کی ہے:

لا أحسنوا عبادة ربّهم ولا أحسنوا إلى خلقه حتى ولا بإعارة.(۲)

’’نہ تو وہ اپنے رب کی عبادت کر کے نیکی کرتے ہیں اور نہ ہی مخلوق کو کوئی چیز ادھار دے کر نیکی کرتے ہیں۔‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے فرمایا:

على الماعون الزكاة.(۳)

’’ادھار دی جانے والی اشیاء پر زکوٰۃ ہے۔‘‘

اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور بہت زیادہ تابعین نے روایت کیا ہے۔

ابن کثیر (م۷۷۴ھ) الماعون پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

رأس الماعون زكاة المال وأدناه المنخل والدلو والإبرة. فإنه يشمل الأقوال كلها وترجع كلها إلى شيء واحد وهو ترك المعاونة بمال أو منفعة.(۴)

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۵
(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۵
(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۵۵۵
(۴) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۶

’’ادھار دی جانے والی اشیاء کی اصل مال کی زکوٰۃ دینا ہے اور ان اشیاء میں سب سے چھوٹی چیز ڈول اور سوئی ہے۔ ماعون کے بارے میں جتنے بھی اقوال ہیں ان کا مطلب کسی مال اور منفعت کی معاونت کو ترک کرنا ہے۔‘‘

لفظ ماعون کی تعبیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے کہ جس کے منافع لینے سے منع کرنا جائز نہ ہو۔ آپ ﷺ کی کئی احادیث مبارکہ سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ماعون کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

الحجر والحدید وأشباه ذلک.(۱)

’’(ماعون سے مراد ہے) پتھر، لوہا اور اس طرح کی دوسری معمولی اشیاء۔‘‘

(۲۴) قانونِ تعاون

یہ درج ذیل چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) جب کوئی شخص تجارت یا بعض معاشرتی امور کے باعث مقروض ہو جائے تو اس کا قرض بیت المال سے ادا کیا جائے گا کیونکہ ایسا شخص قرآن مجید کے مطابق غارمین میں داخل ہے۔

(۲) جب کوئی شخص کسی کو غلطی سے قتل کر دے تو مقتول کی دیت اس اکیلے قاتل پر نہیں ہے بلکہ اس کی فیملی پر ہے کیونکہ وہ اس کے اعزہ و اقارب ہیں۔

(۳) مسافر کہ جس کو ’’ابن السبیل‘‘ کہا جاتا ہے جب اس کے پاس حالتِ سفر میں ضرورت کی اشیاء ختم ہو جائیں تو اس کی مدد کی جائے گی یہاں تک کہ وہ اپنے وطن پہنچ جائے اگرچہ وہ مسافر امیر تھا۔

(۱) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴: ۵۵۶

معاشی کفالت کو مستحق کرنے کے یہ ۲۴ قوانین ایسے ہیں کہ جن سے معاشرے میں انسان فائدہ حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ قوانین معاشرے کی توجہ کا مرکز ہیں اور یہ ایسے قوانین ہیں کہ جن کی کسی شریعت میں اور تمام امم میں مثال نہیں ملتی۔

اسلامی قوانینِ معیشت کا فلسفہ

مذکورہ بالا حقائق نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ دینی مفہوم میں تصورِ ملکیت ایک ایسی امانت سے عبارت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو محدود تصرف کرنے کی اجازت دی ہے پس اگر وہ احکامِ الٰہی کے تابع ہو کر نہ رہے تو وہ ملکیت کا حق ضائع کر بیٹھتا ہے۔

عملی تجاویز

اقتصادی صورتحال میں مفید تبدیلی لانے کے لئے یہاں درج ذیل دو عملی اقدامات تجویز کئے جاتے ہیں:

ا۔ حکومتی اقدامات

ب۔ شخصی اقدامات

(ا) حکومتی اقدامات

۱۔ پرتکلف کھانے پینے اور پہننے کے مظاہر کو ختم کرنے کے لئے حکومتی حلقے فعال کردار ادا کریں اور نمود و نمائش اور اسراف کو ختم کریں جو اقتصادی تباہی کا سبب بن رہا ہے۔

۲۔ معاشی طبقاتی تفاوت جو حکومتی کارکنوں کے مابین پائی جاتی ہے، اس کو ختم کیا جائے اور معاشرے کے تمام افراد کی عزت و تکریم کا خیال رکھا جائے اور یہ

کام زندگی کے تمام شعبہ جات میں ہونا چاہیے۔

۳۔ صنعتی و زرعی سیکٹرز اور حکومتی و پرائیویٹ دفاتر سے حاصل ہونے والے منافعوں کو تقسیم کیا جائے تا کہ ہر کام کرنے والا شخص اپنی فیملی کے حقوق کو اچھے طریقے سے ادا کر سکے اور کام کرنے والا محنتی طبقہ اقتصادی مصائب کی چکی میں نہ پستا رہے۔

۴۔ ٹیکس کے نظام میں منصفانہ تبدیلی لائی جائے تا کہ ہر شخص ٹیکس ادا کرے اور کوئی شخص ناجائز سرمایہ اکٹھا نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ جو چیز اقتصادی تباہی کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جب لوگوں پر ٹیکس لاگو کیا جاتا ہے تو اس وقت وہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ناجائز طریقے استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے حکومتی خزانہ خالی رہتا ہے اس رویہ کا سدِباب کیا جائے۔

۵۔ ٹیکس اور اقتصادی امور حکومتی کارکنوں کے ہاتھوں میں ہی محصور نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان امور کی انجام دہی میں مختلف تنظیموں کے لوگوں کو بھی شریک کیا جائے تا کہ حکومت مناسب اقتصادی نظام کو احسن طریقے سے اپنا سکے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ حکومت اور عوام کے درمیان باہمی اعتماد رہے گا اور اقتصادی مسائل کم ہوتے جائیں گے۔

۶۔ حکومتی دفاتر میں غیر ضروری اخراجات کو کم کیا جائے اور کارکنوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے سہولیات دی جائیں تا کہ حرام مال کھانے اور رشوت کے مواقع کم ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب قومی سطح پر کارکنوں کے احوال کی اصلاح ہو جاتی ہے تو چھوٹے کارکنوں کے احوال کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے جب اس طرز پر کام کیا جائے گا تو پبلک کے لیے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بہت زیادہ مال بچ جائے گا اور خسارے کے امکانات کم ہو جائیں گے۔

۷۔ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کے ذریعے ایسے عناصر کو سخت سزا دی جائے جو سمگلنگ، جوا، سٹہ بازی اور ڈرگ مافیا وغیرہ میں ملوث ہیں اور یہ قوانین اقتصادی حالت کو مزید بہتر کریں گے۔

(ب) شخصی اقدامات

وہ افکار جن کے فوائد ہم نے مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیے ہیں، ان کی تنفیذ ممکن ہے بشرطیکہ امیر طبقہ درج ذیل اقدامات کرے:

۱۔ امیر لوگ اپنی طاقت و قدرت کے مطابق سکول، کالج اور فنی تعلیم کے ادارے مفت کھولیں تاکہ غریب اور متوسط لوگوں کے بچوں کو فری تعلیم حاصل کرنے کے مواقع میسر آسکیں اور اس اقدام سے علمی میدان میں پائی جانے والی خرابیوں کو ختم کر کے اس کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔

۲۔ امیر لوگوں کو فقیر اور متوسط طبقے کے لیے ایسے فری ہسپتال بنانے چاہئیں جن میں تمام جدید طبی سہولتوں کے مطابق علاج ممکن ہو۔

۳۔ امیر طبقے کو رہائشی مکانات بنانے چاہئیں اور ان کو متوسط اور غریب لوگوں کو آسان قسطوں پر بیچ دینا چاہیے یا ان رہائشی مکانات کو سستے کرایوں پر دینا چاہیے تاکہ ان کے رہائشی مسائل حل ہوں اور ان کے لئے زندگی گزارنا آسان ہو جائے۔

۴۔ امیر طبقہ کو ایسی امدادی سوسائٹیز تشکیل دینی چاہئیں جو مستحق لوگوں کو قرضِ حسنہ فراہم کریں تاکہ ان کی معاشرتی ضروریات پوری ہوسکیں، اسی طرح ان کو چھوٹی صنعتیں قائم کرنی چاہئیں جو معاشی لحاظ سے پسماندہ غریب اور بے روزگار لوگوں کی آمدنی کا ذریعہ بن جائیں۔

یہ ایسی عملی تجاویز ہیں کہ جن کے ذریعے غریب لوگوں کو امیر لوگوں کے اموال

میں شریک کیا جا سکتا ہے اور اس سے اموال صرف ایک طبقہ کے ہاتھ میں مرتکز نہیں ہوں گے بلکہ غریب لوگوں کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں گی۔ یہ تمام امور اسلامی احکام کے مطابق ہیں جن سے معاشی اور معاشرتی ترقی یقینی ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ **آلوسی،** محمود بن عبد اللہ حسینی (۱۲۱۷۔۱۲۷۰ھ/۱۸۰۲۔۱۸۵۴ء)۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ النھایہ فی غریب الحدیث والاثر۔قم، ایران: مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ۔

۴۔ **ابن اثیر،** ابو السعادات مبارک بن محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۴۴۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ ۔

۵۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۶۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔ فضائل الصحابہ۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ۔

۷۔ **احمد شرباصی،** الدکتور۔ المعجم الاقتصادی الاسلامی۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۸۔ **احمد رضا خان،** اعلیٰ حضرت امام بریلوی (م ۱۳۴۰ھ)۔ کفل الفقیہ الفاھم فی

أحکام قرطاس الدراھم۔ لاہور، پاکستان: منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ۔

۹۔ **اسلامی نظریاتی کونسل۔ سالانہ رپورٹ** (۷۸۔۱۹۷۷ء)۔ اسلام آباد، پاکستان۔

۱۰۔ **اقبال**، ڈاکٹر علامہ محمد (۱۹۳۸ء)۔ **کلیات (فارسی)**۔ لاہور پاکستان: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء۔

۱۱۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۲۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۳۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/ ۸۱۰۔ ۸۷۰ء)۔ **التاریخ الکبیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۴۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ۔

۱۵۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰۔۲۹۲ھ/ ۸۲۵۔۹۰۵ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ العلوم والحکم۔

۱۶۔ **بغوی**، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶۔۵۱۶ھ/ ۱۰۴۴۔۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۷۔ **بلاذری**، احمد بن یحی بن جابر (م ۲۷۹ھ)۔ **فتوح البلدان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۸۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ السنن الکبری۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۹۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ شعب الإیمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۲۰۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ الجامع الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۲۱۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (۲۱۰۔۲۷۹ھ/ ۸۲۵۔ ۸۹۲ء)۔ الشمائل المحمدیة۔ بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافیہ، ۱۴۱۲ھ۔

۲۲۔ **ابن تیمیہ**، احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام حرانی (۶۶۱۔۷۲۸ھ/ ۱۲۶۳۔۱۳۲۸ء)۔ السیاسیة الشریعة فی اصلاح الراعی والرعیہ۔ لاہور، پاکستان: دار الدعوۃ الاسلامیہ۔

۲۳۔ **ثناء اللہ**، قاضی محمد عثمانی مجددی پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)۔ تفسیر المظھری۔ کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

۲۴۔ **جاحظ**، ابو عثمان عمرو بن بحر۔ کتاب البیان والتبیین۔ قاہرہ، مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۹۳۶ء۔

۲۵۔ **جرجانی**، علی بن محمد بن علی، سید شریف (۷۴۰۔ ۸۱۶ھ)۔ التعریفات۔ بیروت، لبنان: عالم الکتب، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۲۶۔ **جزیری،** عبد الرحمٰن (۱۲۹۹۔۱۳۶۰ھ/۱۸۸۲۔۱۹۴۱ء)۔ **الفقه علی مذاهب الأربعة۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۲۷۔ **جصاص،** احمد بن علی الرازی ابو بکر (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ **أحکام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

۲۸۔ **ابن جعد،** ابو الحسن علی بن عبید ہاشمی (۱۳۳۔۲۳۰ھ/۷۵۰۔۸۴۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

۲۹۔ **ابوجعفر داؤدی،** احمد بن نصر مالکی۔ **کتاب الأموال۔** اسلام آباد، پاکستان: مجمع البحوث الاسلامیہ، ۱۹۹۵ء۔

۳۰۔ **ابن جوزی،** ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **مناقب أمیر المؤمنین عمر بن خطاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۳۱۔ **الجوہری،** اسماعیل بن حماد (م ۳۹۳ھ)۔ **الصحاح فی اللغة والعلوم۔** بیروت، لبنان: دار الحضارة العربیة۔

۳۲۔ **ابو حاتم تمیمی،** محمد بن حبان بن احمد (م ۳۵۴ھ)۔ **الثقات۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۷۵ء۔

۳۳۔ **ابن ابی حاتم رازی،** ابو محمد عبد الرحمٰن (۲۴۰۔۳۲۷ھ/۸۵۴۔۹۳۸ء)۔ **الجرح والتعدیل۔** بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء۔

۳۴۔ **حاجی خلیفہ،** مصطفیٰ بن عبد اللہ حنفی (۱۰۱۷۔۱۰۶۷ھ)۔ **کشف الظنون۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

۳۵۔ **حارث،** بن ابی اسامة/ الحافظ نور الدین الہیثمی (۱۸۶۔۲۸۳ھ)۔ **مسند الحارث (زوائد الهیثمی)۔** مدینہ منورۃ، سعودی عرب: مرکز خدمة السنہ

والسیرۃ النبویہ، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۳۶۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۳۷۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/ ۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ مکہ، سعودی عرب: دار الباز للنشر و التوزیع۔

۳۸۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰۔۳۵۴ھ/ ۸۸۴۔ ۹۶۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء۔

۳۹۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ بیروت، لبنان: دار الآفاق الجدیدہ۔

۴۰۔ **ابن حزم**، علی بن احمد بن سعید اندلسی (۳۸۴۔۴۵۶ھ/ ۹۹۴۔۱۰۶۴ء)۔ **المحلی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۴۱۔ **حسام الدین ہندی**، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال فی سنن الأقوال و الأفعال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۴۲۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (م ۱۴۰۴ھ)۔ **السیرۃ الحلبیۃ/ إنسان العیون**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

۴۳۔ **ابو حیان**، محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی (م ۷۴۵ھ)۔ **البحر المحیط**۔ قاہرہ، مصر، ۱۳۲۹ھ۔

۴۴۔ **ابو حیان**، محمد بن یوسف بن علی اندلسی غرناطی (۶۵۴۔۷۵۴ھ)۔ **البحر المحیط**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۴۵۔ **ابن خزیمہ،** ابو بکر محمد بن اسحاق (۲۲۳۔۳۱۱ھ/۸۳۸۔۹۲۴ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء۔

۴۶۔ **خطیب تبریزی،** محمد بن عبد اللہ (م ۷۴۱ھ)۔ **مشکوٰۃ المصابیح۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۴۷۔ **ابن خلدون،** عبد الرحمٰن (۷۳۶۔۸۰۸ھ)۔ **مقدمہ کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبر فی العرب والبربر ومن عاصرھم من ذوی التخویف من النار۔** دمشق، شام: مکتبہ دار البیان، ۱۳۹۹ھ۔

۴۸۔ **ابن خلکان،** شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر (م ۶۸۱ھ)۔ **وفیات الأعیان۔** بیروت، لبنان: دار صادر۔

۴۹۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۵۰۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **کتاب المراسیل۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۸ھ۔

۵۱۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/ ۸۱۷۔۸۸۹ء)۔ **کتاب المراسیل۔** لاہور، پاکستان: مکتبۃ العلمیہ۔

۵۲۔ **دار قطنی،** ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶۔۳۸۵ھ/۹۱۸۔۹۹۵ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء۔

۵۳۔ **دارمی،** ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/ ۷۹۷۔۸۶۹ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۵۴۔ **دردیر**، احمد بن محمد (۱۲۰۱ھ)۔ **الشرح الصغیر علی اقرب المسالک**۔ مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۴ھ۔

۵۵۔ **دیلمی**، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵۔۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳۔۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۵۶۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **سیر أعلام النبلاء**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

۵۷۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ/ ۱۲۷۴۔۱۳۴۸ء)۔ **تاریخ الإسلام ووفیات المشاہیر والأعلام**. بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۵۸۔ **ذہبی**، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (۶۷۳۔۷۴۸ھ)۔ **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۵ء۔

۵۹۔ **رازی**، محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳۔۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹۔۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔ طہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۶۰۔ **رازی**، ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم تمیمی (۲۴۰۔۳۲۷/۸۵۴۔۹۳۸)۔ **الجرح والتعدیل**۔ بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء۔

۶۱۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات الفاظ القرآن**۔ دمشق، شام: دارالقلم۔

۶۲۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات الفاظ**

القرآن۔ بیروت، لبنان: الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۶۳۔ **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن عبد اللہ (۱۶۱۔ ۲۳۷ھ/ ۷۷۸۔۸۵۱ء)۔ المسند۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۹۹۵ء۔

۶۴۔ **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (۷۳۶۔۷۹۵ھ)۔ جامع العلوم و الحکم فی شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۰۸ھ۔

۶۵۔ **ابن رُشد**، ابو ولید محمد بن احمد بن محمد قرطبی (م ۵۹۵ھ)۔ بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء۔

۶۶۔ **زبیدی**، ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق مرتضی حسینی حنفی (۱۱۴۵۔۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲۔۱۷۹۱ء)۔ تاج العروس من جواھر القاموس۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۶۷۔ **زمخشری**، امام جار اللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔ بیروت، لبنان: دارالکتاب العربی۔

۶۸۔ **زیلعی**، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف حنفی (م ۷۶۲ھ)۔ نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ۔ مصر: دارالحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۶۹۔ **زرقا**، مصطفیٰ بن احمد بن عثمان بن محمد بن عبد القادر (۱۳۲۲۔۱۴۲۰ھ)۔ المدخل الفقھی العام. بیروت، لبنان: دارالفکر۔

۷۰۔ **ابو زہرہ، محمد**۔ أبو حنیفہ۔ بیروت، لبنان: دارالفکر العربی۔

۷۱۔ **ابو زہرہ، محمد**۔ بحوث فی الربا۔ دار البحوث العلمیہ، ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء۔

۷۲۔ **سرخسی**، امام شمس الدین (م ۴۸۳ھ)۔ **کتاب المبسوط**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۷۳۔ **ابن سعد**، ابوعبد اللہ محمد (۱۶۸۔۲۳۰ھ/ ۷۸۴۔۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبریٰ**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۷۴۔ **سعدی**، ابوحبیب۔ **القاموس الفقهی**۔ کراچی، پاکستان: ادارہ القرآن و العلوم الاسلامیہ۔

۷۵۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ بھارت: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۷۶۔ **سعید بن منصور**، ابو عثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۷۷۔ **سلمی**، الخضراء الجیوسی۔ **الحضارة العربية الإسلاميه فی الأندلس**۔ بیروت، لبنان: مرکز دراسات الوحدة العربیہ، ۱۹۹۸ء۔

۷۸۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **تفسیر جلالین**. بیروت لبنان: دار ابن کثیر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۷۹۔ **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹۔۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵۔۱۵۰۵ء)۔ **شرح سنن ابن ماجه**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ۔

۸۰۔ **السید سابق** (۱۳۳۳۔۱۴۲۰ھ)۔ **فقه السنه**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۸۱۔ **شاطبی**، ابراہیم بن موسی اللخمی (۷۹۰ھ)۔ **الاعتصام**۔ بیروت، لبنان: دارالمعرفة، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۸۲۔ **شافعی،** ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ **المسند۔** بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۸۳۔ **شافعی،** ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰۔۲۰۴ھ/ ۷۶۷۔۸۱۹ء)۔ **أحکام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ۔

۸۴۔ **شافعی،** امام ابوعبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس (۱۵۰۔۲۰۴ھ)۔ **کتاب الأم۔** بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء۔

۸۵۔ **شاہ ولی اللہ،** محدث دہلوی (۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ)۔ **حجۃ اللہ البالغۃ۔** لاہور، پاکستان: المکتبۃ السّلفیہ۔

۸۶۔ **شاہ ولی اللہ،** محدث دہلوی (م ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۲ء)۔ **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔** کراچی، پاکستان: قرآن محل۔

۸۷۔ **شعرانی،** عبد الوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن محمد بن موسیٰ (۸۹۸۔۹۷۳ھ/ ۱۴۹۳۔ ۱۵۶۵ء)۔ **کشف الغمہ عن جمیع الأمہ۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۸۸۔ **شہاب،** ابوعبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم قضاعی (م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۸۹۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدیر۔** مصر: شوکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء۔

۹۰۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ/۱۷۶۰۔۱۸۳۴ء)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار۔** بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔

۹۱۔ **ابن أبي شيبه،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/ ۷۷۶۔۸۴۹ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۹۲۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الصغیر**۔ عمان: دار عمار، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۳۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الصغیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۹۴۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۹۵۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مطبعة الزہراء۔

۹۶۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

۹۷۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ/ ۸۷۳۔۹۷۱ء)۔ **مسند الشامیین**۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۹۸۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۹۹۔ **طبری،** ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴۔۳۱۰ھ/ ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ **تاریخ الأمم والملوک**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۰۰۔ **طحاوی،** ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ

(۲۲۹۔۳۲۱ھ/ ۸۵۳۔۹۳۳ء)۔ شرح معانی الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۰۱۔ **عثمانی،** ظفر احمد (۱۳۱۰۔۱۳۹۴ھ)۔ اعلاء السنن۔ کراچی، پاکستان: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۔

۱۰۲۔ **ابن عابدین شامی،** محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۴۴۔۱۳۰۶ھ)۔ رد المحتار علی در المختار۔ کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۰۳۔ **ابن عبد البر،** ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸۔۴۶۳ھ/ ۹۷۹۔۱۰۷۱ء)۔ التمهید۔ مغرب (مراکش): وزات عموم الأوقاف و الشؤون الإسلامیہ، ۱۳۸۷ھ۔

۱۰۴۔ **عبد الرزاق،** ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶۔۲۱۱ھ/۷۴۴۔۸۲۶ء)۔ المصنف۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۰۵۔ **عبد بن حمید،** ابو محمد بن نصر کسی (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)۔ المسند۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۰۶۔ **بن عبد السلام،** امام عز الدین ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام السلمی (۵۷۷۔۶۶۰ھ/ ۱۱۸۱۔۱۲۶۲ء)۔ قواعد الأحکام فی مصالح الأنام۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الریان، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۰۷۔ **ابو عبید،** قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ کتاب الأموال۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۱۰۸۔ **عجلونی،** ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (۱۰۸۷۔۱۱۶۲ھ/۱۶۷۶۔۱۷۴۹ء)۔ کشف الخفا ومزیل الألباس۔ بیروت، لبنان:

مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۰۹۔ **ابن عربی،** ابو بکر محمد بن عبد اللہ (۴۶۸۔۵۴۳ھ)۔ أحکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۱۰۔ **ابن عساکر،** ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (۴۹۹۔ ۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵۔۱۱۷۶ء)۔ تھذیب تاریخ دمشق الکبیر۔ بیروت، لبنان: دار المیسرہ، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۱۱۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ فتح الباری۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۱۲۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔ ۱۴۴۹ء)۔ مقدمہ فتح الباری۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۷۹ھ۔

۱۱۳۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ تھذیب التھذیب۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۱۴۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ القول المسدود۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۰۱ھ۔

۱۱۵۔ **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔ لسان المیزان۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الأعلمی المطبوعات، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۱۶۔ **عصام سالم،** الدکتور سیسالم۔ **جزر الأندلس المنسیه۔** بیروت، لبنان: دار القلم للملایین، ۱۹۸۴ء۔

۱۱۷۔ **علی بن ابی طالب** رضی اللہ عنہ (خطبات)۔ **نھج البلاغة۔** کراچی، پاکستان: محفوظ بک ایجنسی، ۲۰۰۰ء۔

۱۱۸۔ **ابو عوانہ،** یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰۔۳۱۶ھ/ ۸۴۵۔ ۹۲۸ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۱۱۹۔ **عینی،** بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲۔۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱۔۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاری۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۱۲۰۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **کیمیائے سعادت۔** لاہور، پاکستان: المکتبۃ السّلفیہ۔

۱۲۱۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **الوجیز۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۹ھ۔

۱۲۲۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **المستصفی من علم الأصول۔** قم، ایران: منشورات الشریف الرضی، ۱۳۲۴ھ۔

۱۲۳۔ **غزالی،** حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد (م ۵۰۵ھ)۔ **الاسلام والاوضاع الاقتصادیه۔** قاہرہ، مصر: دار الصحوہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۲۴۔ **فیروز آبادی،** ابو طاہر محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن ابی بکر بن احمد بن محمود (۷۲۹۔۸۱۷ھ/ ۱۳۲۹۔۱۴۱۴ء)۔ **القاموس المحیط۔** بیروت، لبنان: المؤسسۃ العربیہ۔

۱۲۵۔ **فیروز الدین۔ فیروز اللغات (اردو)۔** لاہور، پاکستان: فیروز سنز۔

۱۲۶۔ **قاضی خان،** فخر الدین حسن بن منصور (م ۵۹۲ھ)۔ **فتاویٰ خانیہ**۔ کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بکڈ پو، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۲۷۔ **قاضی عیاض،** ابو الفضل عیاض بن موسیٰ (۴۷۶۔۵۴۴ھ)۔ **الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۲۸۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)۔ **المغنی فی فقه الامام أحمد بن حنبل الشیبانی**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۵ھ۔

۱۲۹۔ **ابن قدامہ،** ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی (م ۶۲۰ھ)۔ **شرح الکبیر مع المغنی**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی۔

۱۳۰۔ **قرشی،** عبد اللہ بن محمد ابوبکر **ابن أبی دنیا** (۲۰۸۔۲۸۱ھ)۔ **مکارم الأخلاق**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ القرآن، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۳۱۔ **قرطبی،** ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴۔۳۸۰ھ/ ۸۹۷۔۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحکام القرآن**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۳۲۔ **قضاعی،** ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم (م ۴۵۴ھ/ ۱۰۶۲ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء۔

۱۳۳۔ **ابن قیم،** ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **زاد المعاد فی هدیه خیر العباد**۔ الکویت: مکتبۃ المنار الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء۔

۱۳۴۔ **ابن قیم،** ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱۔۷۵۱ھ)۔ **زاد المعاد فی هدیه خیر العباد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۳۵۔ **سید قطب** (۱۹۰۳۔۱۹۶۶ء)۔ **فی ظلال القرآن**۔ بیروت، لبنان: احیاء

التراث العربی، ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۷ء۔

۱۳۶۔ **کاسانی،** علاؤ الدین ابو بکر (م ۵۸۷ھ)۔ **بدائع الصنائع۔** بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء۔

۱۳۷۔ **کتاب المقدس،** (انجیل: عہد نامہ قدیم و جدید)۔ لاہور، پاکستان: بائبل سوسائٹی۔

۱۳۸۔ **الکتانی،** محمد عبدالحی بن عبدالکبیر بن محمد الحسنی الادریسی (۱۳۰۵۔۱۳۸۲ھ/ ۱۸۸۸۔۱۹۶۲ء)۔ **نظام الحکومة النبویة المسمی التراتیب الإداریة۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۱۳۹۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **تفیسر القرآن العظیم۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۴۰۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایہ والنہایہ۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۴۱۔ **کنانی،** احمد بن ابی بکر بن اسماعیل (۷۶۲۔۸۴۰ھ)۔ **مصباح الزجاجة فی زوائد۔** بیروت، لبنان: دار العربیہ، ۱۴۰۳ھ۔

۱۴۲۔ **ابن ماجہ،** ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۹۔۲۷۳ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۱۴۳۔ **مالک،** ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ **الموطا۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۴۴۔ **مالک**، ابن انس بن مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳۔۱۷۹ھ/ ۷۱۲۔۷۹۵ء)۔ المدونة الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الفکر للطباعہ والنشر والتوزیع، ۱۹۸۰ء۔

۱۴۵۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری (۴۵۰ھ)۔ الأحکام السلطانیه والولایات الدینیة۔ مصر، مکتبہ التوفیقیہ۔

۱۴۶۔ **ماوردی**، علی بن محمد بن حبیب البصری (۴۵۰ھ)۔ نصیحة الملوک۔ بغداد، عراق: دار الحریة، ۱۹۸۶ء۔

۱۴۷۔ **محمد**، ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ کتاب الحجه۔ لاہور، پاکستان: دار المعارف النعمانیہ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۴۸۔ **محمد**، ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ الموطا۔ کراچی، پاکستان: میر محمد کتب خانہ۔

۱۴۹۔ **محمد**، ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۲۔۱۸۹ھ)۔ کتاب الآثار۔ کراچی، پاکستان: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ۔

۱۵۰۔ **محمد بن ابی العباس**، احمد بن حمزہ بن شہاب الدین الرملی (م ۱۰۰۴ھ)۔ نهایة المحتاج إلی شرح المحتاج۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۵۱۔ **محمد بن ابراہیم**، موسیٰ۔ شرکة الأشخاص بین الشریعة و القانون۔ ریاض، سعودی عرب: جامعہ محمد بن سعود الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ۔

۱۵۲۔ **محمد ماہر حمادہ**۔ الوثائق السیاسیة والاداریة (العائدة للعصر العباسی)۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۵۳۔ **محمد ماہر حمادہ**۔ الوثائق السیاسیة والاداریة (العائدة للعصر الأموی)۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۱۵۴۔ **محمصانی**، ڈاکٹر صبحی۔ **فلسفہ شریعت الاسلام**۔ لاہور، پاکستان: مجلس ترقی الادب، ۱۹۸۱ء۔

۱۵۵۔ **مرغینانی**، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر (۵۱۱۔۵۹۳ھ)۔ **الهدایه شرح بدایة المبتدی**۔ مصر: شوکتہ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی۔

۱۵۶۔ **مزی**، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (۶۵۴۔۷۴۲ھ/ ۱۲۵۶۔۱۳۴۱ء)۔ **تهذیب الکمال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۱۵۷۔ **مسلم**، ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۱۵۸۔ **معمر بن راشد الأزدی** (م ۱۵۱ھ)۔ **الجامع**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۱۵۹۔ **مقدسی**، محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسماعیل بن منصوری حنبلی (۵۶۹۔۶۴۳ھ/ ۱۱۷۳۔۱۲۴۵ء)۔ **الأحادیث المختاره**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۶۰۔ **مناوی**، عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲۔۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵۔۱۶۲۱ء)۔ **فیض القدیر شرح الجامع الصغیر**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵۶ھ۔

۱۶۱۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن (۵۸۱۔۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵۔۱۲۵۸ء)۔ **الترغیب والترهیب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۱۶۲۔ **ابن منظور**، محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (۶۳۰۔

۷۱۱ھ/۱۲۳۲-۱۳۱۱ء)۔ لسان العرب۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۶۳۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/۸۳۰-۹۱۵ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۱۶۴۔ **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵۔ ۳۰۳ھ/۸۳۰-۹۱۵ء)۔ السنن الکبری۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

۱۶۵۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۱۶۶۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ مسند الإمام أبی حنیفه۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبة الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

۱۶۷۔ **الشیخ نظام**، و دیگر۔ الفتاوی الهندیه۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۱۶۸۔ **نووی**، ابو زکریا یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (۶۳۱-۶۷۷ھ/۱۲۳۳-۱۲۷۸ء)۔ شرح صحیح مسلم۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

۱۶۹۔ **ابن ہمام**، کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود السیواسی (م ۶۸۱ھ) شرح فتح القدیر۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۱۷۰۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵-۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔

۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث۔

۱۷۱۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ مجمع الزوائد۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۷۲۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵۔۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵۔ ۱۴۰۵ء)۔ موارد الظمآن اِلیٰ زوائد ابن حبان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۱۷۳۔ **ابن نجیم**، الشیخ زین بن ابرہیم بن محمد بن محمد بن بکر الحنفی (م ۹۷۰ھ)۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق۔ مصر: مطبوعۃ مطبعۃ علمیۃ، ۱۳۱۱ھ۔

۱۷۴۔ **یحییٰ بن آدم**، یحییٰ بن آدم القرشی (۲۰۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۷۵۔ **یعقوبی**، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح الکاتب العباسی (م ۲۷۴ھ/ ۸۹۷ء)۔ التاریخ۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۱۷۶۔ **ابو یعلیٰ**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰۔۳۰۷ھ/ ۸۲۵۔۹۱۹ء)۔ المسند۔ دمشق، شام: دار المامون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

۱۷۷۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۷۸۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الخراج۔

۱۷۹۔ **ابو یوسف**، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابرہیم (۱۱۳۔۱۸۲ھ)۔ کتاب الآثار۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

180- Cruden, Alexandar. *Cruden's Coplete Cordance in Old and New Testaments.*

181- David C. Colander. *Economics*. Richard D. Irwin Inc Chicago, London.

182- Dozy, Robin Hart. *Spanish Islam*

183- E. D. Domar. *Economic Growth: An Economic Approach, American Economi Review*,1952.

184- *Encyclopedia of Social Sciences*

185- *Encyclopedia Britannica*, William Benton Pb., London, 1973.

186- F. E. Perry & Others.*Dictionary of Banking*.

187- F. Livessey. Economics Bussiness Decisions. Macdonald and Evans, 1983.

188- Jihonson, *Economic*.

189- K. K. Devet, *Modern Economic Theory* Sham Lal Charitable Trust, Delhi.

190- Levine, Andrew. *Human Right & Freedom, The Philosophy of Human Rights*, ed. S. Rosenbaum. Aldwych Press, London.

191- Romesh K. S Rao. *Fundamentals of Financial Management* Macmillan Publishing Company, New Yark.

192- Seighart, Paul. *The international Law of Human Right* Clareedon Press, Oxford, 1985.

193- Twining Hardley, *Economic*.

194- V. A. Demant. *Relijion and Decline of Capitalism*

195- William C. B. Balanchfierd / Jacob Oser, *Economics*.